سلسلۂ دار المصنّفین

نمبر ۵۹

تاریخ اسلام

حصہ اوّل

عہد رسالت و خلافت راشدہ

یعنی آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی، اور علمی تاریخ،

مؤلفہ

شاہ معین الدین احمد ندوی رفیق دار المصنفین

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

سنہ ۱۳۵۸ھ معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپی سنہ ۱۹۳۹ء

فہرست

تاریخ اسلام حصہ اوّل

ہجرت

۲۹ - ۳۵

غزوات

۳۵ - ۷۱

مذہبی انتظامات

فاروقی کارنامے

حضرت عثمانؓ بن عفان

سنہ ۲۴ھ تا سنہ ۳۵ھ

۶۴۵ء — ۶۵۵ء

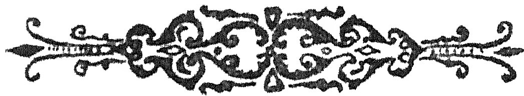
عہدِ مرتضوی پر ایک نظر

۳۴۸ - ۲۶۳

حضرت حسنؓ بن علیؓ

سنہ ۴۰ھ تا سنہ ۴۱ھ
۶۶۱ء تا ۶۶۲ء

۳۶۹-۳۸۷



بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

دار المصنفین کے پیش نظر کاموں میں ایک اہم کام ایک مکمل اور مفصل "تاریخ اسلام" یعنی ان تمام اسلامی حکومتوں کی تاریخ کی تالیف تھا جو شروع سے اس وقت تک دنیا کے مختلف حصوں میں قائم ہوئیں،

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اس قسم کی کتابیں یورپ کی زبانوں میں تو موجود ہوں مگر خود آٹھ کرور مسلمانوں کی زبان میں نہ ہو، گو اس قسم کی تاریخ اس لحاظ سے نہایت آسان ہے کہ کسی عربی فارسی پرانی تاریخ کا ترجمہ کر دیا جائے، مگر اہل نظر جانتے ہیں کہ زمانہ کا رنگ بدلا ہے، مذاق نو کا تقاضا کچھ اور ہے تمدنی اور علمی حالات جو اس زمانہ میں بہت کم لکھے جاتے تھے، اب ان کے بغیر کسی دور کی تاریخ، تاریخ نہیں کہی جا سکتی، پھر ہندوستان میں مسلمان جس راستہ پر چل رہے ہیں اور محفل کا رنگ جس طرح بدل رہا ہے اسے دیکھکر یہ امید کبھی نہیں ہوتی کہ آیندہ مسلمان قوم اپنی تاریخ کو پڑھکر اپنے آپ کو پہچاننے کی کوشش کرے گی، بہر حال جن کے دلوں میں احساس ہے وہ اس کے لئے بیتاب ہیں کہ مسلمانوں کے سامنے ان کی تاریخ کا ایسا آئینہ رکھدیا جائے جس میں ان کے چہرہ کا ہر خط و خال نمایاں ہو جائے،

ان اسباب سے اسلام کی اس اہم تاریخ کی تالیف کا کام دار المصنفین میں شروع کیا گیا تھا اور

اس کی مختلف جلدیں مختلف رفقاء کے سپرد کی گئی تھیں جو وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہیں گی، اس سلسلہ کی ابتدائی جلدیں جو دورِ نبوت، خلافتِ راشدہ، حکومت امویہ، عباسیہ اور ان تمام مشرقی حکومتوں اور ریاستوں سے متعلق ہیں جو عرب، عراق، ایران، ترکستان اور افغانستان وغیرہ ان ملکوں میں قائم ہوئیں جو اس زمانہ میں مشرقی ممالک کہلاتے تھے، شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی کے سپرد کی گئی تھیں، چنانچہ سالہا سال کی محنت میں انھوں نے یہ جلدیں ترتیب دی ہیں ان میں کی پہلی جلد ہدیۂ ناظرین ہے جس میں آغازِ اسلام سے لیکر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری تک کے حالات ہیں، دوسری جلد بنی امیہ اور تیسری جلد بنی عباس کی ہوگی، اس طرح کم و بیش بائیس مشرقی حکومتوں کی تاریخ ہوگی،

اس پورے سلسلہ میں اسلام کے اخلاقی اثرات اور مسلمانوں کی تمدنی تاریخ کو خاص طور سے پیشِ نظر رکھا گیا ہے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی حالت کیا تھی، اسلام نے کیا سبق دیا، اپنی تعلیم کے اس نے کیسے نمونے پیدا کئے، انھوں نے خود کہاں تک اس تعلیم پر عمل کیا، اور دوسروں کے ہاتھ کہاں تک اس کو برتا، دنیا پر اس کے اثرات کیا پڑے اور انسانیت کو اس سے کیا فوائد پہنچے مسلمانوں نے علم وفن کی کیا خدمت کی اور انسانی تہذیب و تمدن کا قدم کہاں سے کہاں پہنچایا، اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کے اثرات و نتائج کے اعتبار سے سب سے روشن زمانہ عہدِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کا ہے، اس لئے اس حصہ میں اس پہلو کو خاص طور سے دکھایا گیا ہے، سیاسی تاریخ یعنی فتوحات وغیرہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے، اس کا کوئی ضروری پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، لیکن اس کی جزوی تفصیلات سے کتاب کو طول نہیں دیا گیا ہے کہ ایسی کتابوں کی اردو زبان میں کمی نہیں ہے،

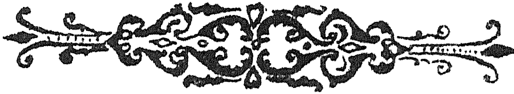
غلط، مشتبہ، مختلف فیہ اور قابلِ تحقیق واقعات پر بحث و تنقید کے بجائے مولف

نے اپنے نقطۂ نظر سے صحیح اور مستند واقعہ لکھدیا ہے، کہ تحقیق و تنقید کی تفصیلات میں پڑنے سے کتاب بہت بڑھ جاتی، امید ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ پورا سلسلہ دس بارہ حصوں میں پورا اور مسلمانوں کی علمی و عملی تاریخ کا ذریعہ ہوگا،

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ،

۱۳ شعبان ۱۳۵۸ھ
۱۹۳۹ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرب قبل از اسلام

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے بارہ مین دو بیانات ہین، ایک یہ کہ عرب کے لفظی معنی فصیح اللسان اور زبان آور کے ہین، چونکہ عرب اپنی فصاحت اور زبان آوری کے مقابلہ مین ساری دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لئے اپنا نام عرب یعنی فصیح اللسان اور دوسری قومون کا عجم یعنی ژولیدہ بیان رکھا ہے، دوسرا یہ کہ عرب مشتق ہے "عربہ" سے جس کے معنی دشت و صحرا کے ہین، چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لئے سارے ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ جغرافی شکل کے اعتبار سے عرب جزیرہ نما ہے جس کے تین طرف پانی اور ایک سمت خشکی ہے، مغرب مین بحیرۂ قلزم، آبنائے سویز اور بحیرۂ روم ہے، مشرق مین بحر ہند، خلیج فارس اور بحر عمان جنوب مین بحر ہند شمال کے حدود بہت مختلف ہین بعض جغرافیہ دان شام تک اس کے حدود کو وسعت دیتے ہین،

عرب کی ابتک باقاعدہ پیمایش اور مردم شماری نہین ہوئی ہے لیکن تخمینی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے جو جرمنی اور فرانس سے چوگنا ہے، اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے، ملک کا بڑا حصہ ریگستان و صحرا پر مشتمل ہے، ملک بھر مین پہاڑون کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، عراق یمن اور شام کے خطے شاداب و

زرخیز ہین محلِ وقوع کے اعتبار سے ہر مقام کی آب وہوا جدا جدا ہے لیکن عموماً گرم وخشک ہے،

قدیم تاریخ

عرب لسانی تقسیم کے اعتبار سے سامی ہین مورخین نے انھین تین طبقات پر تقسیم کیا ہے، عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ، عرب بائدہ وہ قدیم طبقہ ہے جو تاریخی دور سے ہزارون سال پہلے مٹ چکا، عاد وثمود کی قومین اسی طبقہ سے تھین، اشعار عرب اور بعض الہامی صحیفون کے علاوہ کسی تاریخ سے ان کا پتہ نہین چلتا، عرب عاربہ کی جو قحطانی کہلاتے ہین تاریخ موجود ہے، یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد تھے، یہی لوگ عرب کے اصلی باشندے ہین اور عرب کی قدیم تاریخ اُن ہی سے وابستہ ہے، عرب مین ان کی بڑی بڑی اور ترقی یافتہ حکومتین تھین، ان کے عظیم الشان محلات کے کھنڈر اب تک عرب مین پائے جاتے ہین، جو ان کے دنیاوی جاہ وجلال کے شاہد ہین، تیسرا طبقہ عرب مستعربہ کا ہے، یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل سے ظاہر ہوا، ظہورِ اسلام کے وقت یہی دو طبقے عرب مین تھے، اور اسلام کی ابتدائی تاریخ ان ہی سے وابستہ ہے،

بعثتِ ابراہیمی

عرب کی دینی تاریخ کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ سے پہلے سارے عالم مین گمراہی اور ضلالت چھائی ہوئی تھی پورے زمین پر ایک قوم بھی خالص خدائے واحد کی پرستش کرنے والی نہ تھی، انسانون کو خدائی کا دعویٰ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے وطن بابل مین نمرود اپنا مجسمہ پُجواتا تھا اور قوت کے زور سے اپنی خدائی منواتا تھا، اس تیرہ وتار دور مین خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو نورِ ہدایت دے کر بھیجا، مگر اس عام تاریکی مین کوئی نگاہ نورِ ہدایت کو نہ پہچان سکی اور ہر طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت شروع ہوگئی، نمرود نے آپ کو آگ مین ڈلوایا، اعزۂ خاص نے مخالفت کی، باپ دشمن بنگیا، اس لئے آپ ترکِ وطن کرکے مصر چلے گئے، رقیون فرمانروائے مصر نے ناموس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن پھر اس کی نگاہون سے باطل کا حجاب اٹھ گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا اور رخصت کرتے وقت اپنی لڑکی ہاجرہؓ آپ کے ساتھ بیاہ دی،

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی سارہ تھیں ان کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اور ہاجرہ کے شکم سے حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت ہاجرہ نے گہوارۂ تمکنت میں پرورش پائی تھی، اس لئے وہ حضرت سارہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں، ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ ناپسند کرتی تھیں، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی ماں کو لے جاکر عرب میں آباد کیا،

تعمیر کعبہ

حضرت ابراہیمؑ کا سب سے پہلا اور مقدم فرض گمراہ دنیا کو توحید سے آشنا کرنا تھا، لیکن عراق و مصر و شام کی متمدن دنیا میں گھوم کر دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی اس کا سننے والا نہ تھا، اس لئے توحید کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ریگستانِ عرب کا سادہ صفحہ جو اپنی اصلی فطرت پر اور تمدن کی نقش آرائیوں سے پاک تھا انتخاب کیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کے مستقر مکہ میں خدائے واحد کی پرستش کے لئے بے سقف و در کا ایک چھوٹا سا گھر بنایا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس کا متولی بنا کر اس گھر کی آبادی و مرکزیت اور نسلِ اسمٰعیلؑ کی برومندی کے لئے خدا سے دعا کی، روئے زمین پر یہ پہلا گھر تھا جو خالص خدائے واحد کی عبادت کیلئے بنایا گیا،

کعبہ کی تعمیر سے پہلے اس مقام (مکہ) پر کوئی آبادی نہ تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائے مستجاب کے اثر اور کعبہ کی کشش سے لوگ رفتہ رفتہ یہاں آکر آباد ہونے لگے اور سب سے پہلے جرہم کا قبیلہ حوالیِ مکہ میں آکر آباد ہوا،

آلِ اسمٰعیل

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس قبیلہ کے سردار مضاض جرہمی کی لڑکی سے شادی کی، اس سے بارہ اولادیں ہوئیں، ان میں سے نابت و قیدار کی نسل نے بڑا دنیاوی جاہ و جلال حاصل کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہی میں کعبہ کو عرب میں مرکزیت حاصل ہو گئی تھی، اور یہ سلسلہ چل نکلا تھا، چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد کعبہ کی تولیت کا منصب ان کے لڑکے نابت کے حصہ میں آیا اور دو تین پشتوں کے بعد آلِ اسمٰعیلؑ میں اتنی کثرت ہو گئی کہ حصولِ معیشت کے لئے انھیں مکہ سے باہر نکلنا پڑا، ان کے نکلنے کے بعد بنی جرہم نے کعبہ کی تولیت پر قبضہ کر لیا، آلِ اسمٰعیل سے ننہالی رشتہ کی وجہ سے

ان سے کوئی مزاحمت نہین کی اور وہ مدتون کعبہ کے متولی رہے، کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہی کے مرادف تھی، آل جرہم اس کے متحمل نہ ہو سکے، اور انھون نے تولیت کے گھمنڈ مین بڑی بے عنوانیان شروع کر دین، خانہ کعبہ کا چڑھاوا کھا جاتے، حجاج کو ستاتے، طرح طرح کے مظالم کرتے، جب اُن کی یہ بے عنوانیان حد سے سوا ہو گئیں تو آل اسمٰعیل نے انھیں مکہ سے نکال کر پھر کعبہ کی تولیت واپس لے لی، اور یہ منصب نسلاً بعد نسلِ منتقل ہوتا ہوا عدنان تک پہنچا، یہ بڑا تاریخی شخص ہے، آنحضرت صلعم اور اکثر صحابہؓ کا سلسلۂ نسب اسی پر منتہی ہوتا ہے، اس کے زمانہ میں عرب پر بخت نصر کا حملہ ہوا جس سے عربون کو سخت نقصان پہنچا، اس حملہ سے سنبھلنے کے بعد عدنان کی اولاد بہت پھلی پھولی، ربیعۃ مضر، اور قضاعہ کے نامور قبائل اسی کی نسل سے تھے، جنھون نے عرب کی پرانی تاریخ میں بڑی عظمت و شان حاصل کی، حجاز، نجد، عراق اور شام وغیرہ عرب کے تمام حصون مین اُن کی حکومتین پھیلی ہوئی تھیں، ان کا خاص پیشہ تجارت تھا،

خاندانِ قریش کی بنیاد اور ان کا نظام

آگے چل کر عدنان کی نسل سے خاندانِ قریش کے مورث اعلیٰ فہر کا جس سے اس خاندان کی بنیاد پڑی ہے، ظہور ہوا، اس کا لقب قریش تھا، اس نسبت سے اس کی نسل قریشی کہلاتی ہے، قریش کے کل خانوادے اسی کی نسل سے تھے، اسکی پانچویں پشت مین قریش کا تاریخی شخص قصی پیدا ہوا، قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز اسی نامور شخص سے ہوتا ہے، قصی کا باپ اس کے بچپن میں مر گیا تھا، ماں نے قبیلۂ بنی عذرہ میں دوسری شادی کر لی تھی، اس لئے قصی کا بچپن بنی عذرہ مین گذرا، جوان ہوا تو اپنے اصلی خاندان اور اسکی عظمت کا پتہ چلا، غیور طبیعت نے اجنبیوں میں رہنا گوارا نہ کیا، اس لئے وہ بنی عذرہ کو چھوڑ کر حجاز پہنچا، ناصیۂ اقبال پر آثار بلندی دیکھ کر دادھیال والون نے ہاتھوں ہاتھ لیا،

اس زمانہ میں قریش کی حالت نہایت خراب ہو رہی تھی، ان کا کوئی نظام نہ تھا، وہ حجاز کے مختلف

گوشوں میں منتشر تھے، حرم کی تولیت پر بنی خزاعہ قابض ہو گئے تھے۔ اور قصی کے ورود مکہ کے وقت حرم کی تولیت حلیل خزاعی کے ہاتھوں میں تھی قصی بچپن سے نہایت حوصلہ مند، عاقل و فرزانہ اور امارت پسند تھا، اسے یہ منصب جلیل غیروں کے ہاتھوں میں گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے پہلے بنی کنانہ کی مدد سے بنی خزاعہ کو حرم سے نکالا، اس کے بعد قریش کو جو مختلف مقامات پر منتشر تھے سمیٹ کر مکہ لایا اور ان کی تنظیم کر کے ایک چھوٹی سی ریاست قائم کی اس دن سے قریش کو حجاز میں سیاسی اہمیت حاصل ہوئی اور ان کا تاریخی دور شروع ہوا،

قصی نے یہ چھوٹی سی ریاست جمہوری اصول پر قائم کی اس کے کئی شعبے تھے جو مختلف قبائل میں تقسیم تھے، بڑے شعبے تین تھے، فوجی[1]، عدالتی[2] اور مذہبی[3]، اور پھر یہ تینوں کئی شعبوں پر تقسیم تھے
فوجی[1] عقاب یعنی قومی نشان کی علمبرداری، قبہ[2] فوجی کیمپ کا انتظام، اعنہ[3] سواروں کے رسالے کی سپہ سالاری، سفارۃ[4] دوسری حکومتوں اور قبائل کے درمیان خط و کتابت اور گفت و گو وغیرہ،
عدالتی[2] شعبہ، ندوۃ[1] عدالت اور قومی جلسہ گاہ کا انتظام مشورہ[2] امور مہمہ میں صلاح و مشورہ اشناق[3] جرمانہ اور مالی تاوان کی نگہداشت، حکومت[4] مقدمات کا فیصلہ مذہبی[3] شعبہ، سقایہ[1] حاجیوں کے خورد و نوش کا انتظام، عمارۃ[2] خانہ کعبہ کا انتظام، رفادہ[3] حاجیوں کی مالی اعانت، سدانہ[4] خانہ کعبہ کی کلید برداری، ایسار[5] بتوں سے استخارہ کی خدمت، اموال المحجرہ[6] بتوں کے چڑھاوے کا انتظام،

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے، ظہور اسلام کے وقت ان کی تقسیم یہ تھی،
عقاب بنی امیہ، قبہ اور اعنہ بنی مخزوم، سفارت بنی عدی، ندوہ بنی عبد دار، مشورہ بنی اسد اشناق بن تیم، حکومت بنی سہم، سقایہ اور عمارہ بنی ہاشم، رفادہ بنی نوفل، سدانہ بنی عبد دار، ایسار بنی جمح اور اموال المحجرہ بنی سہم،

خانہ کعبہ سارے عرب کا مرکز تھا، حج کے موقع پر ہزاروں آدمی جمع ہوتے تھے، قصی سے پہلے

ان کی آرام و آسایش کا کوئی معقول انتظام نہ تھا سب سے پہلے قصی نے اس طرف توجہ کی اور قریش نے کہا کہ "حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کرکے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہیں، ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے"۔ اس تحریک پر قریش نے اس کام کے لئے سالانہ ایک رقم مقرر کردی، جس سے منیٰ میں حجاج کو کھانا کھلایا جاتا تھا، مکہ ایک خشک اور بے آب و گیاہ مقام ہے، قصی نے چرمی حوض بنواکر پانی کا معقول انتظام کیا،

قصی کے چھ[۱] اولادیں تھیں عبد دار، عبد مناف[۲]، عبد العزیٰ[۳]، عبد[۴]، تخمر[۵]، برہ[۶]، مرتے وقت قصی نے حرم کے تمام مناصب عبد دار کو دیئے اور قریش کی سیادت عبد مناف نے حاصل کرلی، عبد مناف کے چھ لڑکے تھے، ان میں ہاشم رسول اللہ صلعم کے دادا سب سے زیادہ با اثر تھے، بنی عبد دار کی نا اہلی کی وجہ سے انھوں نے سقایہ اور رفادہ کے عہدے عبد دار سے لے لئے،

ظہور اسلام سے پہلے عرب اور دنیا کی مذہبی اور اخلاقی اور سیاسی حالت

اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ عرب اور قریش کی سیاسی تاریخ تھی، ان کی مذہبی تاریخ اسلام سے وابستہ ہے، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عرب میں سب سے اول حضرت ابراہیمؑ نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا، اور خدائے واحد کی پرستش کے لئے مکہ میں سب سے پہلا خدا کا گھر بنایا، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ لوگوں کے دلوں سے صدائے توحید کا اثر زائل ہو گیا تھا، اور نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم میں خالص خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہ گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوئے، بڑے بڑے مصلحین نے اخلاق کی صدائیں بلند کیں، ان کا وقتی اثر بھی ہوا، لیکن زود فراموش انسان نے توحید و اخلاق کے یہ سبق بہت جلد فراموش کر دیئے، اور پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ زمین کے کسی حصہ میں کوئی حقیقی خدا شناس قوم باقی نہ رہ گئی، جن قوموں میں نور الٰہی کی کوئی کرن تھی بھی تو اس پر جہل کے اتنے تو بر تو حجاب پڑ گئے تھے کہ اس کی اصلی صورت نہ پہچانی جاتی تھی،

ایران، روم اور ہندوستان تمام روحانی مرکزوں کی مذہبی حرارت سرد ہو چکی تھی، ایرانی قوم توحید خالص سے کبھی آشنا ہی نہ ہوئی تھی، زردشت اور مانی نے جو اخلاقی آگ روشن کی تھی وہ یزدان اور اہرمن کا گورکھ دھندا بن گئی تھی، ان کی کتاب اخلاق میں باپ بیٹی اور بھائی بہن کی کوئی تمیز نہ تھی، حکومت البتہ ان میں تھی، لیکن حکمرانوں کو راہب کا درجہ حاصل تھا، رعایا ان کی پرستش کرتی تھی، ملک کے لئے کوئی اخلاقی قانون نہ تھا ظلم وجور کی حکومت تھی، طاقتور کے مقابلہ میں ناتوانوں کی ہستی نہ تھی، ادنیٰ اعلیٰ کا غلام تھا، آئے دن کے سیاسی انقلابات نے ملک کو امن وامان سے محروم کر دیا تھا

روم وفرنگ کی حالت جو دین و دنیا اور مذہب وحکومت دونوں کے تاجدار تھے کچھ ایران سے بھی زیادہ زبون تھی، پاک اور اصلی عیسائیت مدتوں پہلے پال کے ہاتھوں مسخ اور آلودہ ہو چکی تھی، حضرت عیسیٰؑ، مریمؑ اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبے کی تعیین نے بیسیوں فرقے پیدا کر دیئے تھے جن میں ہمیشہ کشت وخون ہوتا رہتا تھا، اور پاک روحانیت کا دامن ان کے خون سے رنگین رہتا تھا، توحید کی جگہ تثلیث اور مشرکانہ رسوم نے لے لی تھی حضرت عیسیٰؑ اور مریمؑ کے بتوں کی پرستش ہوتی تھی، دین کی باگ گمراہ اور دنیا پرست پادریوں کے ہاتھوں میں آگئی تھی ہر پادری ایک با اختیار خدا اور مسجودِ خلائق تھا، اور اس کی قبر عبادت خانہ تھی، ان کی جنبشِ لب پر نظامِ حکومت الٹ پلٹ جاتا تھا، حکومت اور کلیسا کی کشمکش عیسائیت کی تاریک تاریخ ہے، مذہبی اجارہ داری نے پادریوں میں طرح طرح کی اخلاقی برائیاں پیدا کر دی تھیں، وہ عیسائیت جو دنیا کو امن وآشتی اور تمرد اور لذائذ دنیوی سے اجتناب کا سبق دینے کے لئے آئی تھی، جنگ وجدال، سفاکی وخونریزی اور عیش وہوس پرستی کا گہوارہ بن گئی تھی، مذہبی پیشواؤں کی خانقاہیں عیش ونشاط کے گہوارے تھیں، جن پیشواؤں میں مذہبی خدا باقی بھی تھا وہ ایسی کریہہ اور تکلیف دہ شکل میں، کہ اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، سیاسی حالت بھی اس سے کم ابتر نہ تھی آئے دن کی خانہ جنگیوں اور صوبوں کی خود مختاری نے مشرقی اور مغربی

روم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور چھٹی صدی کے آخر میں روم انتہائی تنزل و انحطاط کے درجہ کو پہنچ گیا تھا

تیسرا روحانی مرکز ہندوستان تھا، اگرچہ یہ بھی ایران کی طرح ہمیشہ توحید خالص سے ناآشنا رہا، لیکن یہاں کے مصلحین کرشن اور گوتم وغیرہ مختلف زمانوں میں، فلسفیانہ روحانیت اور اخلاق کا درس دیتے رہے لیکن یہ اسباق مدت ہوئی فراموش ہو چکے تھے، اور پرانوں کی تعلیم کا دور دورہ تھا جو قدیم ہندوستان کا سب سے زیادہ تاریک عہد شمار کیا جاتا ہے، شرک ہمیشہ سے ہندوستان کے خمیر میں تھا، پرانے دور میں شرک انتہا کو پہنچ چکا تھا، اوہام پرستی نے کروڑوں خدا بنا دیئے تھے، زمین سے لے کر آسمان تک ہر شئے خدا تھی بقول ایک ہندو مورخ کے خداؤں کی تعداد ہندوستان کی آبادی سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی اور ایک ایک آدمی پر کئی کئی خدا پڑتے تھے، پران کی تعلیم نے شرافت انسانی کو بالکل مسخ کر دیا تھا، ہر نیچا طبقہ اپنے سے بلند طبقہ کا غلام بلکہ کچھ اس سے بھی پست تھا، اس کو جانوروں کے برابر بھی حقوق حاصل نہ تھے، برہمن کے لئے کسی حالت میں کوئی سزا نہ تھی، اگر اچھوت اونچی ذات والے کو چھو لیتے تو اسکی سزا موت تھی، نیچے طبقے مذہبی تعلیم سے قانوناً محروم کر دیئے گئے تھے،

اخلاقی حالت انتہائی شرمناک تھی، ایک ایک عورت کئی کئی شوہر کر سکتی تھی، شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بدمستی میں ہر گناہ ثواب بنجاتا تھا، محرمات تک سے تمتع بھی کار ثواب سمجھا جاتا تھا، عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی، بڑے بڑے ذی وجاہت امراء کی عورتیں جامۂ عصمت اتار پھینکتی تھیں،

مذہب بھی بداخلاقیوں سے محفوظ نہ تھا، بلکہ ان کا معلم بنگیا تھا، بعض فرقوں میں اعضائے تناسل کی پرستش ہوتی تھی، مندر کے پجاری بداخلاقیوں کا پیکر تھے، دیوداسیوں کی اخلاقی حالت شرمناک حد تک گری ہوئی تھی، عورتوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، بعض طبقوں میں لڑکیاں قتل کر ڈالی جاتی تھیں، عورت شوہر کی موت کے بعد تمام دنیاوی لذائذ سے محروم کر دیجاتی تھی، اس لئے وہ شوہر کے ساتھ جل مرجانے کو زندگی پر ترجیح دیتی تھی،

اس وحشیانہ اور تاریک دور مین اگر کسی انسان مین حق کی تلاش کا جذبہ پیدا بھی ہوتا تھا، تو جنگلون اور پہاڑون مین جا کر خدا کو تلاش کرتا تھا اور تزکیۂ روح کے لئے جسم کو ایسی دردانگیز سزائین دیتا تھا جو طاقت بشری کی برداشت سے باہر ہین،

اس عالمگیر تاریکی مین اگر کسی قوم یا جماعت سے اصلاح کی امید ہوسکتی تھی تو وہ بنی اسرائیل تھے لیکن انکے غرور اور گھمنڈ نے انھین برباد کر دیا تھا، ساری خدائی مین وہ صرف اپنی قوم کو خدا کا محبوب اور اس کا کنبہ سمجھتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ ان کی محبوبیت کی وجہ سے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا، متمرد اور سرکش ایسے تھے کہ پیغمبرون کی بات تک نہ سنتے تھے اور انھین قتل کرڈالتے تھے،

ان کا مذہب اگرچہ الہامی تھا لیکن وہ بھی ان کے دست برد سے محفوظ نہ رہ گیا تھا، احکام الٰہی کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصد کے مطابق بنا لیتے تھے، اور صرف اُن ہی احکام پر عمل کرتے جو ان کے مقصد کے معارض نہ ہوتے ظاہری دینداری اور لفظی موشگافیون کے علاوہ مذہب کی روح ان سے رخصت ہوچکی تھی، اور سیکڑون قسم کے اوہام وخرافات نے مذہب کی جگہ لے لی تھی، انتہا درجہ کے طماع اور لالچی تھے، اس ذلیل وصف نے انھین بڑا حریص بنا دیا تھا، سود خواری ان کی فطرت مین داخل ہوگئی تھی، اس نے ان مین بڑی شقاوت وسنگدلی پیدا کر دی تھی، معمولی زیور کی طمع مین چھوٹے بچون کو قتل کرڈالتے تھے، اگرچہ وہ مذہب کے اعتبار سے نہایت قدیم تھے لیکن ان کی ذلت نفس کی وجہ سے ان کی کوئی سیاسی اہمیت نہ تھی، ان کا مذہبی مرکز بیت المقدس تک ان کے ہاتھون مین نہ تھا اور وہ دوسرے ملکون مین آوارہ پھرتے تھے اور ہر جگہ ان کے ساتھ نہایت ذلت وتحقیر کا برتاؤ کیا جاتا تھا، غرض عقیدہ، مذہب، اخلاق اور سیاست ہر اعتبار سے بنی اسرائیل ایک مسخ شدہ قوم تھے،[1]

خود عرب کی حالت جہان حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توحید الٰہی کا صور پھونکا تھا اور خدا کی بے آمیز پرستش کے لئے سب سے پہلا خانہ خدا بنایا، مذکورہ اقوام سے کچھ بہتر نہ تھی، گو وہ دین ابراہیمی کے پیرو تھے

[1] دنیا کی مذہبی اور اخلاقی حالت کا یہ بیان سیرۃ النبی ج ۴ ص ۱۶۲ تا ۱۶۹ سے ملخص ہے،

لیکن اس کی صورت بالکل مسخ ہوچکی تھی اور توحید کا رخِ زیبا شرک اور بت پرستی کے اوہام مین چھپکر رہ گیا تھا، خداے واحد کے ساتھ اور بہت سے کارساز شریک ہوگئے تھے، فرشتون کو خدا کی بیٹیان کہتے تھے، اجنہ کو الوہیت کا مرتبہ دیتے تھے، بتون کو مظہر خدا مان کر ان کی پرستش کرتے تھے، سیکڑون بتون کی پوجا ہوتی تھی، ان مین لاتؔ، مناتؔ، ہبلؔ اور عزیٰؔ زیادہ باعظمت تھے، ہبل خاص خانہ کعبہ کی چھت پر نصب تھا، تمام عرب اس کی پرستش کرتا تھا، قبائل کے بت علحدہ علحدہ تھے، منات، اوس وخزرج کا تھا، لات ثقیف کا، عزیٰ غطفان کا، عزیٰ کی پرستش ارکانِ حج مین داخل تھی، ان بتون کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے تھے، ان پر انسانون کی قربانیان ہوتی تھین، بتون کے نام کے تیرون کے ذریعہ سے قرعہ اندازی ہوتی تھی، ان کے علاوہ سیکڑون لکڑی اور مسالے کے خانہ ساز اور خانگی خدا تھے

بت پرستی کے علاوہ مختلف قبائل مین مختلف مذاہب رائج تھے، ربیعہ وغسان عیسائی تھے قضاعہ میں عیسائیت کا اثر تھا، حمیر، کنانہ، بنو حارث، اور کندہ یہودی تھے، بنی تمیم کا قبیلہ مجوسی تھا، بعض قبائل مین ستارہ پرستی رائج تھی،

ان مذاہب کے علاوہ مختلف قسم کے خیالات وعقائد پائے جاتے تھے کچھ ملحد تھے جو سرے سے خدا کے وجود کے منکر تھے، بعض خدا کے قائل تھے، لیکن حشر ونشر اور سزا وجزا کو نہ مانتے تھے، بعض انبیاء کے منکر تھے، غرض کوئی ایسا عقیدہ وخیال نہ تھا جو عربون مین رائج نہ رہا ہو،

ضعیف الاعتقادی نے صدہا قسم کے اوہام وخرافات دیا کی طرح پھیلا دیئے تھے، اخلاقی حالت مذہبی حالت سے بھی زیادہ خراب تھی، جنگجوئی، انتقام پسندی، سفاکی اور خونریزی فطرت مین داخل تھی معمولی معمولی باتون پر لڑائی چھڑ جاتی تھی، جس کا سلسلہ پشتہا پشت تک جاری رہتا تھا، عربون کی خانہ جنگیان "ایام عرب" کے عنوان سے عربون کی تاریخ کا مستقل باب ہین اپنی بہیمیت اور درندگی سے مجرمون کو نہایت دردانگیز سزائین دیتے تھے، شراب تو ان کی گھٹی مین پڑی تھی، عرب کا ہر گھر میخانہ تھا، بدمستی مین مال ودولت

ننگ وناموس سب قربان کر دیتے تھے، قمار بازی بڑے فخر و مباہات کی چیز تھی، گھر کی کل دولت حتی کہ عورتین تک بازی مین لگا دیتے تھے، سود خواری بھی یہودیون کے فیض سے داخل ہوگئی تھی اور سود در سود سے مقروض کو تباہ کر ڈالتے تھے، چوری ڈاکہ زنی بعض قبائل کا مستقل پیشہ تھا، فسق و فجور اور بے حیائی و بے شرمی ہنر بن گئی تھی، بڑے بڑے شرفا، اپنی عزیز عورتون اور شریف خواتین کے عشق و محبت کی داستان فخریہ عام مجمعون مین مزے لے لے کر سناتے تھے، زنا کوئی عیب نہ تھا، عورتون کی کوئی قیمت نہ تھی، لڑکیون کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے، نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی بھیڑ بکری کی طرح جتنی عورتین چاہتے تھے رکھ لیتے،

اس عالمگیر ظلمت مین جبکہ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور کہین نور حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور خدا کی مخلوق، خدائی تعلیمات کے ساتھ انسانی اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی اور انسان کی بے قید آزادی اور خود غرضی سے نظام عالم درہم برہم ہو رہا تھا، ایک ایسے ہادی برحق کی ضرورت تھی جو بھٹکی ہوئی مخلوق کو راہ راست پر لگا دے اور ایک قوم کو نمونۂ عمل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دے،

دعوت توحید کے لئے عرب کا انتخاب

ایران و روم اور فرنگ کے خطے تہذیب و تمدن کی نقش آرائیون کی وجہ سے بالکل مسخ ہو چکے تھے، ان مین جدید طغرائے حق کو قبول کرنے اور صدائے حق کو سننے کی صلاحیت باقی نہ تھی، عرب کا خطہ اب تک تمدنی اثرات سے بالکل محفوظ اور فطری سادگی پر قائم تھا، عرب کتابی تعلیم سے ناآشنا اور تمدنی اثرات سے پاک تھے، اور ہر طرح کی برائیون کے باوجود ان مین آزادی، حریت، حق گوئی، جرأت و بے باکی، شجاعت اور بہادری کے بدویانہ اخلاق جوہر تھے، اسلئے ان میں قبول حق کی سب سے زیادہ صلاحیت تھی، اس لئے امانت الٰہی کی تفویض اور مخلوق کی رہنمائی کے لئے اسی سادہ مگر پُرجوش قوم کا انتخاب ہوا، اور دنیا کے موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے

محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ منصب جلیل تفویض ہوا،

ہاشم کے خدمات وکارنامے

اوپر ہاشم تک قریش کے حالات لکھے جا چکے ہین، کعبہ کے متولیون مین قصی کے بعد ہاشم بڑے رتبہ کے آدمی تھے، انھون نے اپنے زمانہ مین خاندان قریش کی بڑی عظمت قائم کی، قریش کا آبائی پیشہ تجارت تھا، وہ ملکون ملکون پھر کر تجارت کرتے تھے، ہاشم نے کوشش کرکے قیصر ونجاشی کے حدود سلطنت مین قریش کے تجارتی مال کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرایا، عرب کے راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے دورہ کرکے قبائل سے معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے کاروان تجارت سے کوئی تعرض نہ کرین گے، حرم کے متعلق اپنے مفوضہ خدمات نہایت خوبی سے ادا کرتے تھے، حجاج کو بڑی فیاضی اور سیر چشمی سے کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھروا کر سبیل لگواتے تھے، ان کے خدمات کی وجہ سے قریش مین بڑی عزت ووقعت تھی، انھون نے مدینہ کے خاندان بنی نجار مین شادی کی لیکن شادی کے بعد ہی شام جاتے ہوئے انتقال کر گئے، بیوہ بیوی سے ایک فرزند تولد ہوا، جسکا نام شیبہ رکھا گیا، ان کے بھائی مطلب کو خبر ہوئی تو وہ مدینہ جا کر یتیم بھتیجے کو لے آئے اور اپنے آغوش شفقت مین ان کی پرورش کی، ان کی پرورش کی وجہ سے شیبہ کا نام عبدالمطلب یعنی مطلب کا غلام پڑ گیا،

عبدالمطلب

سن شعور کو پہنچنے کے بعد عبدالمطلب باپ کی جگہ کعبہ کے متولی ہوئے، اپنے زمانہ تولیت مین انھون نے چاہ زمزم کا جو اٹ کر گم ہو گیا تھا پتہ چلا کر اس کو صاف کرایا، عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی مین اپنے دس لڑکون کو جوان دیکھ لینگے تو ان مین سے ایک لڑکا خدا کی راہ مین قربان کرینگے، جب ان کی یہ آرزو پوری ہوئی تو منت اتارنے کے لئے دسون لڑکون کو لے کر کعبہ گئے، عبداللہ کے نام جو تمام اولادون مین سب سے زیادہ محبوب تھے قرعہ نکلا، عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے، آخر مین روساے قریش کے مشورہ سے عبداللہ کے بجاے سو اونٹ قربان

کر کے منت پوری کی،

عبد اللہ اس کے بعد عبد المطلب نے قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن مناف کی لڑکی آمنہ کے ساتھ عبد اللہ کی شادی کر دی، شادی کے تھوڑے ہی دنون کے بعد عبد اللہ کا مدینہ مین انتقال ہو گیا، عبد اللہ محبوب خاندان تھے، ان کی جوانمرگی کا سارے خاندان کو صدمہ ہوا،

ولادت نبویؐ عبد اللہ کی وفات کے چند مہینون بعد موسم بہار اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول کو عبد اللہ کے گھر مین فرزند تولد ہوا، بوڑھے اور زخم خوردہ عبد المطلب، پوتے کے تولد کی خبر سن کر گھر آئے اور نو مولود بچہ کو خانہ کعبہ مین لیجا کر اس کے لئے دعا مانگی، ساتوین دن عقیقہ کر کے محمدؐ نام رکھا اور کل قریش کی دعوت کی، قریش نے اس نامانوس نام رکھنے کا جواب تک رائج نہ تھا سبب پوچھا، عبد المطلب نے کہا تا کہ میرا فرزند ساری دنیا مین مدح و ستایش کا سزاوار قرار پائے،

حضرت حلیمہؓ کی پرورش اور حضرت آمنہ کا انتقال شرفاے مکہ مین دستور تھا کہ وہ عربی خصوصیات کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے بچون کو ایام رضاعت ہی مین دیہاتون مین بھیجدیتے تھے، اس دستور کے مطابق چھ مہینہ بعد عبد المطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ کے جو بچون کی تلاش مین مکہ آئی ہوئی تھین حوالہ کر دیا، دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود مین پرورش پائی، تیسرے برس حلیمہؓ نے یہ امانت آکر آمنہ کو واپس کر دی، ابھی اس یتیم بچے کا سن چھ سال کا تھا کہ آمنہ اسے لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئین، راستہ مین مقام ابوا مین ان کا انتقال ہو گیا، اور یتیم بچہ چھ ہی برس کی عمر مین ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا، عبد المطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ غیر معمولی محبت تھی، بہو کے انتقال کے بعد یہ محبت شیفتگی کی حد تک پہنچ گئی، ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے، ایک پل کے لئے آنکھ سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے، لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنون تک قائم نہ رہ سکا اور ماں کے انتقال کے دو سال بعد دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا،

ابوطالب کی پرورش اور شام کا سفر

عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو اپنے لڑکے ابوطالب کے سپرد کرتے گئے، ان کو یتیم بھتیجے کے ساتھ عشق تھا، اس کے مقابلہ مین اپنے بیٹون کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے، ابوطالب کا شغل تجارت تھا، اس سلسلہ مین وہ اکثر شام آیا جایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم کے بارہوین سال ان کو شام کا سفر پیش آیا گو ابوطالب آپ کو ایک لمحہ کے لئے جدا نہین کرتے تھے، لیکن سفر کی تکالیف کے خیال سے ساتھ نہین لیجانا چاہتے تھے، لیکن چلتے وقت آپ چچا سے لپٹ گئے، اس لئے وہ ساتھ لیجانے پر مجبور ہو گئے، عام روایتون کے مطابق بحیرہ راہب کا واقعہ اسی سفر مین پیش آیا،

ایک جنگ مین شرکت

عربون مین ہمیشہ لڑائیون کا سلسلہ جاری رہتا تھا، آنحضرت صلعم کے سن رشد کو پہنچنے کے بعد قریش اور بنی قیس مین جنگ ہوئی، قریش اس جنگ مین برسرحق تھے، اس لئے آپنے ان کا ساتھ دیا، لیکن کسی پر تلوار نہین اٹھائی،

تجارت کا شغل

سن شعور کو پہنچنے کے بعد آنحضرت صلعم کو کسب معاش کی فکر ہوئی، اس وقت آپنے تجارت کا خاندانی اور پاک شغل اختیار کیا، لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہین کرسکتے تھے، خاندانی شغل کی وجہ سے آپ کو تجارت کا کافی تجربہ تھا، آپکے تجارتی تجربے اور دیانت کی شہرت کافی ہو چکی تھی، اس لئے سرمایہ دار منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دیتے تھے، آپ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے، رفتہ رفتہ آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی،

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہؓ قریش کی ایک معزز پاکیزہ اخلاق اور دولتمند بیوہ تھین، ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا، آنحضرت صلعم کے تجارتی تجربات اور دیانتداری کا شہرہ سنکر انھون نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لئے شام لیجائیے، جو معاوضہ

مین دوسرون کو دیتی ہون، اس کا دونا آپ کو دونگی، آپنے منظور کرلیا اور خدیجہؓ کا سامان لیکر بصریٰ تشریف لے گئے، اس سفر مین حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی ساتھ تھا، اس نے آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات مشاہدہ کیئے اور واپس ہو کر اپنی مالکہ سے بیان کئے، خدیجہؓ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے ہی سے واقف تھین، میسرہ کے بیان سے مزید تصدیق ہو گئی، ان کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایک پاکیزہ اخلاق اور امین شوہر کی ضرورت تھی، اس لئے انھون نے آنحضرت صلعم سے شادی کی درخواست کی، آپنے منظور فرمالیا، اور ابو طالب نے پانسو طلائی درہم پر نکاح پڑھا دیا، اس وقت آنحضرت صلعم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی چالیس سال تھی، پانچوین پشت پر دونون کا نسب مل جاتا ہے،

حلف الفضول مین شرکت قبائل کی خانہ جنگیون کی وجہ سے سیکڑون گھرانے برباد ہو چکے تھے اور حجاز کا امن و امان خطرہ مین پڑ گیا تھا، جنگ فجار کے بعد لوگون کو ان تباہ کن نتائج کا احساس ہوا، چنانچہ آنحضرت صلعم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی تحریک پر بنی زہرہ اور بنی تمیم نے آپس مین معاہدہ کیا کہ وہ ملک مین امن و امان قائم کرنے کی کوشش اور مسافرون کی حفاظت اور غریبون کی امداد کرینگے، اور مظلومون کو ظالمون کے پنجے سے چھڑائین گے، آنحضرت صلعم بھی اس معاہدہ مین شریک تھے، اور اس کو اس قدر پسند فرماتے تھے کہ زمانۂ اسلام مین آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ اونٹ دیئے جاتے تو بھی مین نہ لیتا اور آج بھی اس قسم کا کوئی معاہدہ ہو تو مین اس مین شرکت کے لئے تیار ہون،

تعمیر کعبہ خانۂ کعبہ کی عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین پانی سے بچاؤ کے لئے بند بندھوایا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ جاتا تھا، خانۂ کعبہ کی عمارت بھی امتدادِ زمانہ کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی، اس لئے قریش نے اس کو تڑوا کر از سرِ نو تعمیر کرایا، جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو

اس شرف کے حصول کے لئے قبائل مین تلوارین نکل پڑین، آخر مین یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ آئے وہی حکم قرار پائے، اتفاق سے دوسرے دن سب سے پہلے رسول اللہ صلعم تشریف لائے، آپ کی ایمانداری اور دیانت پر سب کو اعتماد تھا، اس لئے سب نے بالاتفاق آپ کو حکم مان لیا، آپنے رفع شر کی یہ صورت نکالی کہ چادر بچھا کر اس مین حجر اسود رکھدیا اور فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کے اٹھائے اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رک گئی

چونکہ آیندہ چل کر آنحضرت صلعم کو ایک منصب جلیل ملنے والا تھا، اس لئے خدا نے ابتدا ہی سے آپ کو فطرت سلیم عطا فرمائی تھی، چنانچہ بچپن ہی سے آپ کا دامن اخلاق ہر قسم کی آلودگیون سے پاک رہا اور آپنے مراسم جاہلیت مین سے کسی میں حصہ نہ لیا،

نبوت کی تمہید | یہ قانون قدرت ہے کہ طلوع آفتاب سے قبل سپیدۂ سحر نمودار ہو جاتا ہے، باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ہوائین موسم برشگال کا پتہ دیتی ہین، موسم بہار کے آغاز مین فضا کا تغیر بہار کی آمد آمد کا اعلان کرتا ہے، اس لئے جون جون آپ کی عمر بڑھتی جاتی تھی اور نبوت کا وقت قریب آتا جاتا تھا آپ مین غیر معمولی تغیرات پیدا ہوتے جاتے تھے، اور عمر کی زیادتی کے ساتھ ساتھ طبیعت دنیا سے ہٹتی جاتی تھی اور روح ایک لامعلوم شے کیلئے بیقرار تھی لیکن مطلوب کا پتہ نہ چلتا تھا، رفتہ رفتہ آپکی طبیعت عزلت نشینی کی طرف مائل ہونے لگی آپ سامان خورد و نوش لیکر مکہ کے باہر غار حرا چلے جاتے اور دنیا کی نگاہون سے الگ مجاہدہ و ریاضت اور مراقبہ مین مشغول رہتے تھے، جب مجاہدہ و ریاضت سے قلب فیضان الٰہی کے قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا اس وقت نبوت کے آثار و علامات شروع ہو گئے خواب مین اسرار منکشف ہونے لگے جو خواب دیکھتے وہ واقعہ کی شکل مین نظر آتا، جون جون یہ مدارج بڑھتے جاتے تھے فیضان الٰہی کی لہرین زیادہ تیز ہوتی جاتی تھین تاآنکہ جب آپ کا سن شریف چالیس سال کو پہنچا تو ایک دن جبکہ آپ حسب معمول غار حرا مین تشریف رکھتے تھے فرشتۂ غیب نظر آیا اور آپ سے کہا

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ (ایعنی پڑھ اپنے رب کا نام جس نے پیدا کیا)

بعثت

یہ واقعہ نہایت غیر معمولی تھا گھر واپس تشریف لائے تو سینہ جلال الٰہی سے لبریز تھا، حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کیا انھون نے تسلّی دی کہ آپ پریشان نہ ہون خدا کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑیگا اور آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس جو توریت و انجیل کے عالم تھے لے گئین انھون نے یہ ماجرا سن کر کہا "یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا، کاش مین اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی، اس وقت آپ کی مدد کرتا"۔ اس واقعہ کے بعد کئی برس تک وحی رُکی رہی، پھر یہ حکم نازل ہوا یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّر، قُمْ فَاَنْذِرْ، الآیہ،

دعوتِ اسلام کا مخفی آغاز

ایک ایسی قوم کو جو صدیون سے شرک اور بت پرستی کی ضلالت مین مبتلا تھی، توحید کی دعوت دینا خصوصًا اس حالت مین کہ اس سے رؤسائے قوم کے سلسلہا سال کے اقتدار کا خاتمہ ہوا جاتا تھا، آسان نہ تھا، اس لئے اوّل اوّل اپنے ان مقربانِ خاص کو دعوت دی جو آپ کے عادات وخصائل سے اچھی طرح واقف تھے، چنانچہ عورتون مین سب سے اوّل آپ کی رفیقۂ حیات حضرت خدیجۃؓ صدیقہ، مردون مین آپکے قدیم رفیق ومحرمِ راز حضرت ابوبکرؓ صدیق، غلامون مین آپکے محبوب غلام زیدؓ نوعمرون مین آپکے چچیرے بھائی حضرت علیؓ نے اس دعوتِ حق کا جواب دیا، اور آپ تین سال تک خاموشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیتے رہے حضرت ابوبکرؓ صدیق بڑے بااثر تھے، انکے اثر سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، سعد ابن ابی وقاص، طلحہ بن زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوے، ان کے قبولِ اسلام کے اثر سے اسکا

دائرہ بڑھنے لگا، چنانچہ حضرت خباب بن ارت، عمار بن یاسر، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ، صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہم وغیرہ نے اسلام قبول کیا، اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی، یہ تمام کام خفیہ ہوا لیکن آپ کا فرض تنہا خفیہ تبلیغ اور چند آدمیون کے ہدایت یاب ہونے پر ختم نہ ہو جاتا تھا، بلکہ سارے عالم کو علانیہ دعوت دینا تھا اسلئے حکم آیا، فاصدع بما تؤمر "تجھکو جو حکم دیا گیا ہے، وا شگاف کہدے"،

علانیہ تبلیغ

اس حکم پر آپنے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی "یا معشر قریش! اے قریشیو!" آپ کی آواز پر لوگ جمع ہو گئے، آپنے ان سے سوال کیا کہ "اگر مین تم سے کہون کہ پہاڑ کی پشت سے ایک لشکر جرار آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟" سبنے اک زبان ہو کر جواب دیا "ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے" فرمایا تو مین تم سے کہتا ہون کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا، یہ غیر متوقع اور اپنے معتقدات کے خلاف بات سُن کر سب بگڑ گئے،

واقعہ کے چند دنون بعد آپنے ایک دعوت کا انتظام کیا اور عبدالمطلب کی اولاد کو جمع کر کے ان سے فرمایا "مین وہ چیز لیکر آیا ہون جو دین و دنیا دونون کی کفیل ہے، اس بارِ گران کو اٹھانے مین کون میرا ساتھ دیتا ہے" سب خاموش رہے، صرف حضرت علیؓ نے جواب دیا "گو مجھے آشوبِ چشم کی شکایت ہے، میری ٹانگین تپلی ہین، اور نوعمر ہون، لیکن مین آپ کا ساتھ دونگا" انکے علاوہ سب خاموشی کے ساتھ لوٹ گئے،

مشرکین مکہ کی جانب سے مخالفت کا آغاز

اب مسلمانون کی تعداد چالیس تک پہنچ چکی تھی، اس لئے آنحضرت صلعم نے ایک دن حرم مین جا کر توحید کا اعلان کیا، اس جرم پر مشرکین ٹوٹ پڑے حارث بن ابی ہالہ نے آپ کو بچانے کی کوشش کی، اس مین وہ مقتول ہوے، یہ راہ خدا مین پہلا خون تھا،

اب تک مشرکین نے اسلام کی دعوت کو زیادہ اہمیت نہ دی تھی لیکن جون جون اسلام کے پرستارون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا تھا مشرکین کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی، انکی مخالفت کے بہت سے اسباب تھے، اسلام ان کے صدیون کے عقائد و رسوم کو باطل کر رہا تھا، ان کے معبودون کو جن کی وہ پرستش کرتے تھے آگ کا ایندھن بتاتا تھا، قرآن علانیہ قریش کی بداخلاقیون کی پردہ دری کرتا تھا، اور متولی کعبہ کی حیثیت سے عرب پر ان کا جو اقتدار قائم تھا، اسلام اس کا خاتمہ کئے دیتا تھا، بنی ہاشم اور بنی امیہ باہم پرانے رقیب تھے، اس لئے بنی امیہ آلِ ہاشم مین نبوت کے اعزاز کو برداشت نہین کر سکتے تھے اس لئے یہ سب سے زیادہ مخالفت مین پیش پیش تھے،

ابو طالب سے شکایت ان کا جواب اور رسول اللہ صلعم کا استقلال،

ان اسباب کی بنا پر سارا قریش اسلام اور آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کمربستہ ہوگیا، تاہم شروع مین انھون نے سختی کے بجاے صلح و آشتی سے آنحضرت صلعم کو باز رکھنے کی کوشش کی جب اس مین مایوسی ہوئی تو معززین قریش کا ایک وفد آپکے چچا ابو طالب کے پاس گیا، انھون نے سمجھا بجھا کر واپس کر دیا، لیکن آنحضرت صلعم اپنے فریضہ سے دستکش نہین ہو سکتے تھے، قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی تو دوبارہ ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا کہتا ہے ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے، ہمارے معززین کو ناسمجھ بتاتا ہے، اس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ ورنہ پھر میدان مین آؤ کہ ہم تم فیصلہ کر لین" ابو طالب نے یہ رنگ دیکھا تو رسول اللہ صلعم کو بلا کر سمجھایا کہ "بیٹا! چچا پر ناقابل برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے" آپ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے ابو طالب تھے، ان کی زبان سے اس قسم کی باتین سُن کر آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب لا کر رکھدین تو بھی مین اس فریضہ سے دستکش نہین ہو سکتا تا آنکہ مین کامیاب ہون، یا اسی راہ مین ہلاک ہو جاؤن"

ابوطالب یہ جواب سنکر سخت متاثر ہوئے، کہا جاؤ جو دل مین آئے کرو، مین کسی حالت مین تمھارا ساتھ نہین چھوڑ سکتا"

قریش کی ایذارسانی | ابوطالب سے مایوس ہونے کے بعد قریش نے رسول اللہ صلعم کو طرح طرح کی اذیتین دینی شروع کین، آپ کی راہ مین کانٹے بچھا دیتے، نماز پڑھنے مین پشت مبارک پر نجاست کا بار لاکر لاد دیتے، بدزبانیان کرتے، ایک مرتبہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن معیط نے گردن مبارک مین چادر ڈال کر اس زور سے گھسیٹا کہ آپ گھٹنون کے بل گر پڑے، آپ ان تمام سختیون کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اور اپنا فرض برابر ادا کئے جاتے تھے،

دنیاوی ترغیبات اور آنحضرت صلعم کا جواب، | قریش سخت متحیر تھے کہ آپ یہ تمام سختیان کیون جھیلتے ہین، انھون نے اپنی محدود پرواز خیال کے مطابق قیاس کیا کہ آپ کا مقصد صرف دنیاوی جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش ہے، اس لئے انھون نے عتبہ بن ربیعہ کو آپکے پاس بھیجا، اس نے آپسے کہا "محمد کیا چاہتے ہو، مکہ کی ریاست ؟ کسی بڑے گھرانے مین شادی ؟ دولت کا ذخیرہ ؟ ان مین سے ہر شے تمھارے لئے مہیا کرسکتے ہین، بشرطیکہ تم ان باتون سے باز آجاؤ" ان ترغیبات کے جواب مین آپنے سورہ حم کی چند آیتین تلاوت فرمائین، عتبہ نہایت غور اور تاثر کے ساتھ ان کو سنتا رہا، یہانسے واپس ہوا تو اس کا رنگ بدل چکا تھا، قریش سے جاکر کہا کہ "محمد جو کلام پیش کرتے ہین وہ نہ سحر ہے، نہ کہانت نہ شاعری، وہ کچھ اور ہی شے ہے، اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانون نے نہین سنا، میری راے مین تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہوے تو بھی تمھاری عزت ہے اور اگر عرب کامیاب ہوے تو بھی تمھاری عزت ہے" لیکن قریش نے ان کی راے منظور نہ کی،

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام | چند دنون کے بعد آنحضرت صلعم کے چچا حضرت حمزہؓ اور قبیلۂ عدی

کے منصب دار عمر بن الخطاب مسلمان ہو گئے، عمر بن الخطاب دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانون کے سخت دشمن تھے، اور اپنی بہن اور بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے، اسلام کے جرم مین سزا دینے کے لئے گئے تھے، لیکن قرآن کی سحر آفرین آیتین سنکر مسحور ہو گئے، اگرچہ اس وقت مسلمانون کی تعداد خاصی ہو چکی تھی، لیکن وہ بڑی بےکسی کی حالت مین تھے، ان کے لئے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا، حضرت عمرؓ بڑے جری اور دبدبہ و شکوہ کے شخص تھے، ان کے مسلمان ہوتے ہی دفعتہً حالت بدل گئی، انھون نے بھرے مجمع مین اپنے اسلام کا اعلان کیا، مشرکین نے اوّل اوّل ان پر بھی بڑی سختی کی، لیکن ان کی ثابت قدمی نے انھین شکست دی، اور حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو لے کر علانیہ حرم مین نماز ادا کی،

مسلمانون پر مشرکین کا جور و ستم

جب اسلام غربا اور کمزورون سے بڑھ کر ارکان و عمائد مین پھیلنے لگا اور مشرکین ان کے مقابلہ مین مجبور ہو گئے، اس وقت ان کا غصہ غریب اور بے حامی و مددگار مسلمانون پر ٹوٹنے لگا، چنانچہ انھین ستانے کے لئے نئے نئے انداز ستم ایجاد کئے، ٹھیک نصف النہار کے وقت تپتے ہوئے سنگریزون پر لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھدیتے کہ غریب ہلنے نہ پائیں، دہکتے ہوئے انگارون پر لٹاتے اور اس وقت تک جنبش نہ کرنے دیتے جب تک زخمون کی رطوبت سے آگ بجھ نہ جاتی، پانی مین غوطہ دیتے، رسی باندھ کر گھسیٹتے، حضرت بلال، خباب، عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہ اس ستم رسیدہ جماعت کے سرگروہ تھے، مرد تو مرد مسلمان عورتین تک ان ظالمون کے ظلم سے محفوظ نہ تھین، حضرت بلالؓ وغیرہ کی طرح حضرت سمیہؓ، زنیرہؓ اور لبینہؓ بھی مشق ستم تھین، سمیہ کو ابوجہل نے نیزے سے چھید چھید کر ہلاک کر دیا، لیکن یہ تمام سفاکیان کسی ایک مسلمان کو بھی جادۂ اسلام سے نہ ہٹا سکین،

حبشہ کی ہجرت

جب مشرکین کی ستم رانیان حد سے سوا ہو گئین اور ارض حرم مین جہان جانورون

تک کو ستانے کی ممانعت ہے، مسلمانون کے لئے سانس لینے کی گنجائش باقی نہ رہی، اس وقت آنحضرت صلعم نے ان کو ارضِ حبشہ جو اونکے لئے مانوس مقام تھا، چلے جانے کا حکم دیا، اس حکم پر ۵ بعثت مین گیارہ مردون اور چار عورتون کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہوگیا، قریش کو خبر ہوئی تو انھون نے بندرگاہ تک تعاقب کیا، لیکن مسلمان روانہ ہو چکے تھے،

مسلمانون کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش اور اس میں ناکامی

حبشہ کا بادشاہ نجاشی نہایت رحمدل اور منصف مزاج تھا، اس کی عدالت کی دور دور تک شہرت تھی، اس لئے حبشہ پہنچکر مسلمانون کو اطمینان کی سانس لینے کا موقعہ ملا، لیکن قریش اسے بھی گوارا نہ کر سکتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ ہدایا و تحائف لے کر حبشہ پہنچے اور نجاشی کے درباریون کو ہموار کرکے نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے چند سادہ لوح نوجوانون نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین جو ہمارے اور آپکے دونون کے مذہب کے خلاف ہے اختیار کیا ہے اور آپکے ملک مین بھاگ آئے ہین، اس لئے ان کو ہمارے حوالہ کیا جائے، امرائے دربار نے بھی تائید کی، نجاشی نے نو وارد مسلمانون کو بلا کر ان سے پوچھا تم نے وہ کونسا دین ایجاد کیا ہے جو بت پرستی اور نصرانیت دونون کے خلاف ہے، اس کے استفسار پر حضرت جعفرؓ نے حسب ذیل تقریر کی:-

"ایہا الملک ہم لوگ جاہل تھے، بتون کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان اور قطع رحم کرتے تھے، ہمسایون کے ساتھ زیادتی سے پیش آتے تھے، ہمارا قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا ان حالات مین ہم مین خدا نے ایک پیغمبر بھیجا، جس کی صداقت، پاکبازی، امانتداری اور حسب نسب سے ہم سب واقف ہین، اس نے ہم کو خدائے واحد کی طرف بلایا اور ہمین تعلیم دی کہ ہم بتون کی پرستش چھوڑ دین، صرف خدائے واحد کی پرستش کرین، سچ بولیں، امانتداری اور صلہ رحمی کرین، انسانون کا حق ادا کرین، خونریزی اور حرام باتون کو چھوڑ دین، عفیفہ عورتون پر تہمت نہ

لگے ہین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اس پیغمبر پر ایمان لائے، اُن کی تعلیمات کو قبول کیا، شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی، حلال و حرام کو پہچانا، اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے، اس جرم مین ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی ہے اور ہم کو طرح طرح کی اذیتین دیتی ہے کہ ان باتون کو چھوڑ کر پھر گمراہی اختیار کرین۔"

یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلامِ الٰہی یاد ہو تو سناؤ، حضرت جعفرؓ نے کہیعص کا ابتدائی حصہ سنایا، اسے سنکر نجاشی اور اس کے بطریقون پر بے اختیار رقت طاری ہو گئی اور اس نے کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰؑ کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہین" اور قریش کے سفیرون کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمہارے حوالہ نہین کئے جا سکتے،

اس ناکامی کے بعد عمرو بن العاص دوسری چال چلے اور دوسرے دن دربار مین جا کر کہا ان لوگون سے ذرا عیسیٰؑ کے متعلق تو پوچھیے کیا عقیدہ رکھتے ہین؟ اس نے پھر مسلمانون کو بلا بھیجا یہ بڑا آزمائش کا موقع تھا، قرآن حضرت عیسیٰؑ کے متعلق عیسائیون کے گمراہ کن عقائد کا سخت مخالف تھا، لیکن حضرت جعفرؓ نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتیجہ کچھ ہی ہو، وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کرینگے چنانچہ نجاشی نے جب ان سے پوچھا کہ "عیسیٰؑ کے متعلق تم لوگون کا کیا عقیدہ ہے؟" تو حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ "قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے، اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہین" نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ "تم نے جو کچھ بیان کیا، عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہین ہین" نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سنکر اس کے بطارقہ برہم ہو گئے، لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی اور قریش کی سفارت ناکام لوٹ آئی،

حبشہ کی دوسری ہجرت

چند دنون حبشہ مین قیام کے بعد مسلمان اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبرین سنکر مکہ لوٹ آئے، قریب پہنچکر حقیقت معلوم ہوئی، کچھ لوگ تو پھر حبشہ لوٹ گئے

لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان مین آگئے، قریش اپنی سفارت کی ناکامی پر بہت جلے ہوئے تھے، اس لئے اب انھون نے ستم رانی کا شکنجہ اور زیادہ کس دیا، اس لئے دوبارہ ایکسو دو (۱۰۲) مسلمانون کو جن مین ۸۳ مرد اور ۱۹ عورتین تھین ترک وطن کرنا پڑا،

بنی ہاشم کا مقاطعہ، شعب ابی طالب مین نظربندی اور رہائی، قریش کی ہر طرح کی بندشون اور ستم آرائیون کے باوجود اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا اس لئے انھون نے آپس مین طے کیا کہ اگر بنی ہاشم محمد کو قتل کے لئے حوالہ نہ کرین تو ان کا مکمل مقاطعہ کیا جائے، ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لئے جائین، ان کے ہاتھ خرید و فروخت بند کر دیجائے، ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہ جانے دیا جائے، ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط نہ رکھا جائے، غرض ہر قسم کے معاشرتی تعلقات ان سے منقطع کر لئے جائین،

مشرکین کی شرط ایسی تھی کہ کوئی باحمیت ہاشمی اسے پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہوسکتا تھا اس لئے ابو طالب اپنے خاندان کو لے کر ایک گھاٹی مین جو انھی کے نام کی نسبت سے شعب ابی طالب مشہور تھی چلے گئے اور کامل تین سال تک انتہائی مصیبتون کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی شے نہ پہنچنے پاتی تھی، بعض رحمدل چرا چھپا کر غلہ پہنچا دیا کرتے تھے جس پر ان لوگون کی زندگی کا مدار تھا، تین سال گذرنے کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بعض قریبی اعزہ کو رحم اور رحم کے ساتھ حمیت آئی، انھون نے طے کیا کہ جس طرح ہوسکے ان لوگون کو اس مصیبت سے نکالنا چاہیئے، چنانچہ ہشام مخزومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زبیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنی ہاشم کو قید سے نکال لائے،

معراج اور فریضۂ نماز اسی سنہ مین معراج ہوئی اور آنحضرت صلعم کو عالم افلاک اور جنت و دوزخ کی سیر کرائی گئی، معراج ہی مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال

قید تنہائی سے نکلنے کے چند دنون بعد آنحضرت صلعم کے چاہتیے چچا اور ظاہری پشت و پناہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا، اس کے تھوڑے ہی دنون بعد آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپکے دو محسن اٹھ گئے،

آنحضرت صلعم کی ایذا رسانی مین بے باکی

ابو طالب کی حمایت اور حضرت خدیجہ صدیقہ کی مالی وجاہت رسول اللہ صلعم کے دو بڑے ظاہری سہارے تھے، ان کے بعد قریش کو کسی کا پاس و لحاظ باقی نہ رہ گیا، اور ان کو نہایت آزادی کے ساتھ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملا، چنانچہ انھون نے نہایت بے باکی کے ساتھ آپ کو ستانا شروع کر دیا،

تبلیغ کے لئے طائف کا سفر، ناکامی اور واپسی

اگرچہ یہ ستم کشی کوئی نئی شے نہ تھی اور آنحضرت صلعم عرصہ سے اسے برداشت کرتے چلے آرہے تھے اور اس راہ کے ہر کانٹے کو پھول سمجھتے تھے، لیکن اہل مکہ کی متمردانہ روش سے آپ کو ان کے قبول حق کی امید باقی نہ تھی، اس لئے دوسرے بندگان خدا کے کانون مین توحید کی آواز پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے اور یہان کے رؤسا کے سامنے اسلام پیش کیا، لیکن یہان بھی وہی جواب ملا، جو مکہ مین سن چکے تھے اور وہی تمرد و سرکشی نظر آئی جس کا مشاہدہ مکہ مین ہو چکا تھا، بلکہ مکہ والے پھر بھی اپنے تھے، سب کو نہ سہی بعضون کو آپ کا پاس تھا، طائف والے بالکل بیگانہ تھے، اس لئے انھون نے اہل مکہ سے بھی زیادہ گستاخانہ سلوک کیا، اوباشون کو آپکے پیچھے لگا دیا، جو تالیان بجا کر آپ کا تمسخر اڑاتے تھے اور پتھر برساتے تھے، پتھر برساتے برساتے آپ کو لہولہان کر دیا، اس لئے آپ یہان سے بھی مایوس ہو کر پھر مکہ لوٹے،

مطعم بن عدی کی زیر حمایت فریضہ تبلیغ مین وسعت

اس مرتبہ مطعم بن عدی نے آپکو اپنی حمایت مین لے لیا اور حرم مین جا کر اعلان کر دیا کہ مین نے محمدؐ کو اپنی امان مین لے لیا ہے، اب کوئی انھین ستانے کا ارادہ نہ کرے، مطعم بن عدی کی امان مین آنے کے بعد آپنے اور زیادہ وسعت کے ساتھ اپنا فرض ادا کرنا شروع کیا، عام مجمعون مین عکاظ

اور ذی المجاز کے بازاروں میں حج کے موقع پر بنی عامر، بنی فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نصر، کندہ، کلب، عذرہ، حضارمہ، وغیرہ قبائل کا دورہ کر کر کے لوگوں کو پیغامِ حق سنایا، دشمنِ اسلام ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا تھا اور کہتا تھا یہ دین سے پھر گیا ہے، جھوٹ بکتا ہے اس کی باتیں نہ سنو،

انصار کی بیعت اور مدینہ میں اسلام کی اشاعت

عین ان حالات میں خدا نے قبیلہ اوس و خزرج کے بعض اشخاص کو اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا، اوس اور خزرج قحطانی نسل کے دو مشہور مدنی قبیلے تھے، اگرچہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے، لیکن یہودیوں کی ہمسائگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے بھی واقفیت رکھتے تھے، ان پر یہودیوں کا بڑا اثر و اقتدار تھا، لیکن ظہورِ اسلام سے کچھ پہلے ان کو بڑی حد تک اس سے آزادی حاصل ہو گئی تھی، مدینہ اور اس کے جوار میں ان کے بہت سے قلعے تھے، یہ بھی حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے، موسمِ حج میں تبلیغ کے سلسلہ میں آنحضرت صلعم نے اور قبائلِ عرب کے ساتھ قبیلہ خزرج کے چند آدمیوں کے سامنے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے اسلام پیش کیا، انھوں نے جن کی تعداد چھ تھی اسلام قبول کر لیا، اس کے دوسرے سال بارہ آدمی اس شرف سے مشرف ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان کی درخواست پر مصعب بن عمیر کو انھیں احکام سکھانے کے لئے ان کے ساتھ کر دیا، مصعب مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے یہاں مقیم ہوئے، مدینہ آنے کے بعد انھوں نے گھر گھر پھر کر اسلام کی دعوت شروع کر دی، ان کی کوششوں سے چند دنوں میں مدینہ میں اچھا خاصہ اسلام پھیل گیا، اس سلسلہ میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی مسلمان ہو گئے، ان کا اسلام گویا پورے قبیلہ کا اسلام تھا، دوسرے سال حج کے موقعہ پر ستر اہلِ مدینہ نے آنحضرت صلعم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی،

اگرچہ آفتابِ اسلام کی کرنیں مکہ کی پہاڑیوں سے پھوٹ کر مدینہ کے افق تک پہنچ گئیں لیکن خود اہلِ مکہ کے تمرد و سرکشی کا اب تک وہی حال تھا، گو یہاں بھی ایک معتد بہ جماعت اسلام لا چکی

تھی لیکن رؤسا جو اسلام کی راہ کا سنگ گران تھے اب تک ضلالت پر قائم تھے، بلکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ ان کا جنون اور زیادہ تیز ہوتا جاتا تھا اور غریب مسلمانون پر انھون نے مکہ کی زمین تنگ کر رکھی تھی،

ہجرت کا عزم اور انصار کا عہد و پیمان

آنحضرت صلعم کا فرض صرف چند انسانون کو راہ راست دکھا دینے پر ختم نہ ہو جاتا تھا بلکہ سارے عالم کو خدائے واحد کے سامنے جھکانا تھا اور خانہ کعبہ کو جو دنیا مین سب سے پہلا خدا کا گھر تھا بتون کی آلایش سے پاک کرنا تھا، اور یہ اہم فرض مکہ مین رہ کر پورا ہونا ممکن نہ تھا، آپ کی بعثت کو اب تیرہ سال ہو چکے تھے اس تیرہ سال کی جانکاہ محنت اور طرح طرح کی اذیتون کو برداشت کرنے کے بعد اب تک کتنے اہل مکہ مسلمان ہوئے تھے؟ اس لئے خدا کے دین کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ پھیلانے کے لئے کسی پر امن مقام کی ضرورت تھی، اوس و خزرج کے قبول اسلام سے مدینہ مین اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا تن من دھن سب اسلام پر سے نثار کرنے کو تیار تھی، اس لئے آپنے اسلام کا تبلیغی مرکز مکہ سے مدینہ منتقل کر دینے کا عزم فرمایا، انصار کے لئے اس سے زیادہ سعادت کیا ہو سکتی تھی، وہ آنکھین فرش راہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے، آنحضرت صلعم کے چچا حضرت عباس رض نے جو اگرچہ اب تک اسلام نہین لائے تھے لیکن ان مین خون کی محبت موجود تھی؛ ان بہتر انصاریون سے جنھون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، فرمایا کہ "گروہ خزرج! محمد اپنے خاندان مین معزز و محترم ہین، ہم ان کے دشمنون کے مقابلہ مین سینہ سپر رہے ہے، اب وہ تمھارے یہان جانا چاہتے ہین، اگر تم لوگ مرتے دم تک ان کا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی صاف جواب دیدو" یہ سنکر براء انصاری نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ "ہم لوگ تلوارون کی گود مین پلے ہین" وہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ابو الہیثم انصاری نے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ ہم مین اور یہود مین جو تعلقات ہین بیعت کے بعد ٹوٹ جائین گے ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل

ہو، اس وقت آپ ہم کو چھوڑ دین اور اپنے وطن لوٹ آئین" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہین تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے ہو اور مین تمہارا ہون"

اس گفتگو کے بعد آنحضرت صلعم نے جماعت انصار مین سے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان سے بیعت لی، سعد بن زرارہ نے کھڑے ہو کر اپنی جماعت سے کہا "بھائیو خبر ہے، کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ بیعت عرب و عجم اور جن و انس کے ساتھ اعلان جنگ ہے" سب نے یک زبان کہا "ہان ہم اسی پر بیعت کرتے ہین"

صحابہ کی ہجرت مدینہ مدینہ مین جائے پناہ حاصل ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت دیدی اور ہجرت کا سلسلہ شروع ہو گیا، قریش کو خبر ہوئی تو انھون نے روک ٹوک شروع کر دی، لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہ نکل گئے، صرف آنحضرت صلعم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور وہ صحابہ جو ناداری کی وجہ سے مدینہ جانے تک کی مقدرت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے،

آنحضرت صلعم کے قتل کی سازش مدینہ میں پہنچکر مسلمانون کو امن و سکون نصیب ہوا، اور ان کی تعداد نہایت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی، اس کا تدارک مشرکین مکہ کے بس سے باہر تھا، وہ سن سنکر پیچ و تاب کھاتے تھے اور کچھ نہ کر سکتے تھے، آنحضرت صلعم ابھی تک مکہ ہی مین تشریف رکھتے تھے اس لئے مشرکین نے اپنی ناکامی کے غصہ مین (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم ہی کا قصہ چکا دینے کا عزم کر لیا، چنانچہ عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، ابوجہل، امیہ بن خلف، اور حکم بن حزام وغیرہ روساے قریش نے اس بارہ مین مختلف رائین دین، سرخیل اعدا ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سرے سے محمد ہی کا کام تمام کر دیا جائے کہ یہ قصہ ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس مین شریک ہو، تاکہ بنی ہاشم بدلہ نہ لے سکین، اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا، اور رات گذرنے کے بعد کاشانہ نبوی کا محاصرہ کر کے آپکے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے،

ہجرت نبویؐ آنحضرت صلعم کو ان کے ارادہ سے آگاہی ہو گئی، آپ کے ذمہ اہل مکہ کی کچھ امانتیں تھیں، حضرت علیؓ کو بلا کر یہ امانتیں سپرد کیں اور فرمایا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤنگا تم میرے پلنگ پر چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں پہنچا دینا" خدا کو اپنا دین مکمل کرنا تھا، اس لئے مشرکین کو نیند آ گئی اور انہیں غافل پا کر آنحضرت صلعم گھر سے باہر نکل آئے اور ان پر حسرت کلمات کے ساتھ "مکہ تو مجھے ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے" کعبہ کو الوداع کہہ کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے، یہاں سواری وغیرہ سفر کا ضروری سامان موجود تھا، فوراً دونوں روانہ ہو گئے، اور مکہ سے تین میل چل کر غار ثور میں روپوش رہے، تین دن تک اس غار میں مقیم رہے، اس درمیان میں حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہ برابر رات کو غار میں ساتھ رہتے اور صبح سویرے مکہ چلے جاتے اور وہاں کے حالات کا پتہ چلا کر شام کو آکر ان کی اطلاع دیتے، آپ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا جاتا،

تعاقب اور مشرکین کی ناکامی ادھر مکہ میں جب محاصرہ کرنے والوں کی آنکھیں کھلیں تو آنحضرت صلعم کے بجائے حضرت علیؓ کو بستر پر پایا، یہ بہت کمسن تھے اس لئے معمولی تنبیہ کر کے چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلعم کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار ثور کے دہانہ تک پہنچ گئے، حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلعم کے خیال سے گھبرائے، آپ نے اطمینان دلایا، گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے، اس اعتماد نے دستگیری کی اور تلاش کرنے والوں کی نظر آپ لوگوں پر نہ پڑی اور وہ ناکام لوٹ گئے، آنحضرت صلعم چوتھے دن غار سے نکل کر آگے بڑھے،

آنحضرت صلعم کے مکہ سے نکلنے کے بعد قریش نے اشتہار دیدیا تھا کہ جو شخص محمدؐ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ دیئے جائیں گے، اس انعام کی طمع میں بہت سے آدمی تلاش کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، آنحضرت صلعم کے مکہ سے نکلنے کے وقت ایک شخص سراقہ بن جعشم نے

دور سے آپ کو دیکھا تھا لیکن اسکو پورا یقین نہ تھا، اشتہار کے بعد وہ بھی تعاقب مین نکلا اور تلاش کرتے کرتے قریب پہنچ گیا، لیکن اس کے گھوڑے نے پیہم ٹھوکرین لین، قریب پہونچ کر گھوڑے کے پاؤن زمین مین دھنس گئے، ان پیہم بدشگونیون پر اسے خیال ہوا کہ یہ آثار تو کچھ اور ہین، اس لئے اس نے گرفتاری کا خیال ترک کردیا اور آنحضرت صلعم کے پاس جاکر آپ کو اشتہار کا حال سنایا اور استدعا کی کہ آیندہ کے واسطے میرے لئے امان نامہ لکھدیجئے، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ سے لکھوا کر دیدیا، یہ تحریر پاکر سراقہ لوٹ گیا اور آنحضرت صلعم منزلین طے کرتے ہوئے آگے بڑھے،

اہل مدینہ کا انتظار

اہل مدینہ آپ کی تشریف آوری مین چشم براہ تھے اور روزانہ شہر سے نکل کر انتظار کرکے ناکام لوٹ جاتے تھے، ایک دن حسب معمول انتظار کرکے واپس ہوئے تھے، کہ ایک یہودی نے اطلاع دی کہ اہل عرب جس کا تم انتظار کرتے تھے، وہ آگیا یہ سنتے ہی سارا شہر تکبیرون سے گونج اٹھا،

قبا مین ورود اور مسجد قباؐ کی تاسیس

مدینہ سے باہر قبا مین چند انصاری خاندان آباد تھے، حوالی مدینہ مین پہنچ کر آپنے پہلی منزل قبا کی اور کلثوم بن ہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا، قبا مین آپ کے آنے کی خبر سن کر جوق در جوق انصاری سلام کے لئے حاضر ہونے لگے، یہان آپنے چودہ دن قیام فرمایا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر فرمائی، یہ اسلام مین سب سے پہلی مسجد تھی، قرآن مین مسجد اُسّسَ عَلَی التَّقْوٰی سے یہی مسجد مراد ہے،

مدینہ مین داخلہ، انصار کا جوش اور ابو ایوبؓ انصاری کے یہان قیام

تعمیر مسجد کے بعد مدینہ روانہ ہوئے، راستہ مین بنی سالم کے محلہ مین پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی، سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا تھا، قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصاریون کی صفین تھین، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا حضور یہ جان ہے یہ مال ہے، یہ دولت ہے، آپ اظہار منت کرتے اور دعائے خیر فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے، سارا مدینہ جوش

استقبال مین امنڈ آیا، عورتین گاتی ہوئی چھتون پر چڑھ گئین، معصوم لڑکیان خوشی مین دف بجا بجا کر گاتی تھین، جب کوکبۂ نبوی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے پاس پہنچا، اس وقت شرف میزبانی کے لئے باہم سخت کشمکش ہوئی، بالآخر قرعہ اندازی کے ذریعہ سے یہ دولت حضرت ابو ایوبؓ کے حصہ مین آئی، آپنے سات مہینہ ان کے یہان قیام فرمایا، اسی وقت سے سنہ ہجری کا آغاز ہوتا ہے،

تعمیر مسجد اور نماز باجماعت کا اہتمام،

اب تک مدینہ مین مویشی خانہ مین نماز پڑھی جاتی تھی، آنحضرت صلعم نے تشریف لانے کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا، آپکے قیام گاہ کے قریب بنی نجار کی افتادہ زمین تھی، انھون نے بلاقیمت نذر دینی چاہی مگر آپنے منظور نہ فرمایا اور باصرار قیمت ادا فرمائی اور صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر کی، جس کی دیوارین کچی اینٹون کی، ستون کھجور کے تنون کے اور چھت پتون کی تھی، قریب ہی نادار مسلمانون کے قیام کیلئے ایک چبوترہ تعمیر فرمایا، یہ چبوترہ تاریخِ اسلام مین صفہ کے نام سے مشہور ہے، مسجد کی تعمیر کے بعد اسی سے متصل ازواجِ مطہرات کے حجرے بنے،

تعمیر مسجد سے پہلے نماز باجماعت کا اہتمام نہ تھا، جس سے اسلام کی عبادتون کا اصل مقصد یعنی وحدت واجتماع فوت ہوتا تھا، تعمیرِ مسجد کے بعد نماز باجماعت قائم ہوئی اور اعلان کیلیے حضرت عمرؓ کی رای سے اذان کا طریقہ جاری ہوا،

مہاجرین اور انصار مین رشتۂ اخوت اور انصار کا بے نظیر ایثار

مکہ کے غریب الوطن جنھین اسلامی اصطلاح مین "مہاجرینؓ" کہا جاتا ہے، بالکل بے سروسامان مدینہ آئے تھے، اگرچہ ان مین بہتیرے صاحب حیثیت بھی تھے لیکن ایسی حالت مین وطن چھوڑا تھا کہ کوئی شے مکہ سے ساتھ نہ لاسکے تھے، اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کا سہارا قائم کرنے اور ان کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان مین اور انصار مین رشتۂ اخوت قائم کر دیا، یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی، اس موقع پر انصار نے جس فیاضی جس ایثار اور جس میزبانی کا ثبوت دیا، تاریخ

اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی، انھون نے اپنے مہاجر بھائیون کی حیثیت محض مہمان کی نہ رہنے دی، بلکہ ان کو مال و دولت زمین جائداد، کھیتی باڑی، اپنی ساری کائنات مین برابر کا شریک و سہیم بنا لیا، بعضون نے جن کے دو دو بیویان تھین، یہان تک کیا کہ ایک کو طلاق دے کر مہاجر بھائی کی وابستگی کے لئے اسکے عقد مین دیدینے کا ارادہ کیا، لیکن مہاجرین نے اس کو گوارا نہ کیا، اکثر مہاجرین نے صرف بقدر ضرورت نقد لے کر اپنا کاروبار علحدہ شروع کر دیا، یہ رشتہ اتنا قوی تھا کہ جب تک آیۂ میراث نازل نہ ہوئی اس وقت تک متوفی انصار کی وراثت مہاجرین کو ملتی تھی، جب جب مہاجرین کی حالت سنبھلتی گئی، مہاجرین انصار کی امانت انھین واپس کرتے گئے،

یہود مدینہ سے معاہدہ

یہود اپنے تمول اور ثروت کی وجہ سے مدینہ مین بڑے صاحب اقتدار تھے اور مدتون سے انصار کو دباتے چلے آرہے تھے، گو اب ان کا پہلا سا اقتدار باقی نہ رہ گیا تھا، تاہم انصار کے مقابلہ مین ان کی امتیازی شان قائم تھی، اس لئے ان کی جانب سے آنحضرت صلعم کو خطرات تھے، چنانچہ آپ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کی اہم دفعات یہ ہین کہ خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا ہے وہ قائم رہے گا، یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہیگی، اور وہ مسلمانون کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھین گے، فریقین مین سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ پیش آئے تو باہم ایک دوسرے کے معاون و مددگار رہین گے، کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا، جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ کرے گی تو دونون مل کر مدافعت کرین گے، فریقین مین سے جب کوئی کسی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرے کو بھی صلح کرنی ہوگی البتہ مذہبی لڑائیان اس سے مستثنی رہین گی، اب تک نماز کی صرف دو دو رکعتین تھین، سنہ ۱ھ مین فجر اور عصر کے علاوہ چار چار ہوگئین،

کعبہ کا قبلہ قرار پانا

اب تک مسلمان بیت المقدس کی جانب جو یہود و نصارٰی کا قبلہ تھا، نماز پڑھتے تھے، لیکن اسلام ایک مستقل مذہب تھا، اس کے استقلال و اختصاص کے لئے ایک مستقل قبلہ کی ضرورت

تھی، اسلام ملت ابراہیمی کی تجدید کے لئے آیا تھا، اس لئے اس کا قبلہ خانہ ابراہیم ہوسکتا تھا، چنانچہ سولہ مہینے بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنے کے بعد ۲ھ مین خدا نے کعبہ کو مسلمانون کا قبلہ قرار دیا،

یہودیون کی مخالفت کا آغاز

انصاریون کی مالی کمزوری اور بت پرستی کی وجہ سے، ان پر مدتون سے یہودیون کا مذہبی اور مالی تفوق چلا آتا تھا، اسلام نے ان کی اس برتری کو نقصان پہنچایا تھا اس لئے یہودی دل سے اسلام کے خلاف تھے، لیکن ابتدا مین ان کی مخالفت پردہ مین رہی اور جب تک بیت المقدس اسلام کا قبلہ رہا اس وقت تک یہود منافقانہ مسلمانون کے بھیس مین نماز مین بھی مسلمانون کے ساتھ شریک ہوجاتے تھے، لیکن بیت المقدس کو وہ کسی حالت مین نہین چھوڑ سکتے تھے، اس لئے تحویل قبلہ کے بعد جب ان کا یہ رہا سہا امتیاز بھی جاتا رہا تو ان کی منافقت کا راز فاش ہوگیا اور وہ علانیہ مسلمانون کے خلاف ہوگئے،

مسلمانون کی عام مخالفت اور مدنیہ پر حملہ کا خطرہ

۲ھ سے اسلام کی زندگی مین ایک نئے باب کا افتتاح ہوا، اور اسکے پیروون کو دشمنون کی ریشہ دوانیون سے مجبور ہو کر اپنی بقا و حفاظت کے لئے تلوار ہاتھ مین لینی پڑی، اس دور جدید پر بعض کوتاہ بین یہ اعتراض کرتے ہین کہ اسلام جب تک مکہ مین کس مپرسی کی حالت مین رہا، اس وقت تک وہ ہر قسم کے ستم سہتا رہا، مدنیہ پہنچکر جب اس مین قوت پیدا ہوئی، اس وقت اس نے تلوار اٹھائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدنیہ آنے کے بعد بھی مسلمانون کو پورا اطمینان نہین ہوا، یہ صحیح ہے کہ مکہ کی طرح ان کی زندگی مشق ستم نہین رہی، لیکن ان کی مخالفت کے اسباب اور مخالفین کی تعداد مین اور اضافہ ہوگیا، وہان صرف ایک قریش کا مقابلہ تھا، مدنیہ آکر اس مین یہودیون اور بعض انصار کا بھی اضافہ ہوگیا، یہود کی مخالفت کا سبب تو کھلا ہوا ہے، کہ اسلام ان کے صدیون کے وقار کو مٹا رہا تھا، انصاریون کے خاندان مین بھی بعض وہ رؤسا جنکی سیادت خطرہ مین پڑ گئی تھی، گو زبان سے کچھ نہ کہتے تھے، لیکن دل سے اسلام اور مسلمانون کے

خلاف تھے، عبداللہ بن ابی منافق جو ہجرت سے پہلے رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے لئے تاج تیار کر لیا تھا[1]، اس کے علاوہ قریش جنھیں سارے عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی، تمام قبائل عرب کو جن میں اہل مدینہ بھی شامل تھے، مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے، چنانچہ انھوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ "تم نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اسے قتل کر دو یا اپنے یہاں سے نکالدو ورنہ ہم مدینہ پر حملہ کرینگے، اور تم کو فنا کر کے تمھاری عورتوں پر تصرف کرینگے[2]" آنحضرت صلعم کو اس کی خبر ہو گئی، آپ نے عبداللہ کو سمجھایا کہ کیا اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے، اکثر اہل مدینہ مسلمان ہو چکے تھے، اسلئے عبداللہ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا، انصار کی حمایت اسلام پر قریش کا جوش غضب برابر بڑھتا جاتا تھا، اتفاق سے اسی زمانہ میں اوس کے رئیس اعظم حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری عمرہ کیلئے مکہ گئے ہوئے تھے اور اپنے پرانے رفیق امیہ بن خلف کے مہمان تھے، قریش کے بعض افراد نے ان سے کہا کہ "تم لوگوں نے بے دینوں کو پناہ دی ہے، اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچکر نہیں جا سکتے تھے" سعد نے کہا اگر تم نے مجھ کو حج سے روکا تو ہم تمھارا مدینہ کا راستہ بند کر دینگے[3]"

قریش نے نہ صرف مدینہ پر حملہ کی دھمکی دی، بلکہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، اور یہ خطرہ اس قدر بڑھ گیا کہ صحابہ راتوں کو ہتھیار لگا کر سوتے تھے[4]،

حفاظت اور مدافعت کی تدبیریں

ان حالات سے مجبور ہو کر مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حامی انصاریوں کی حفاظت کے لئے جنھوں نے اسلام کے خاطر قریش کی دشمنی خریدی تھی مدافعانہ کارروائی کرنی پڑی، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے قریش کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی اور حمزہؓ، عبیدہؓ بن حارثؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کو تھوڑی تھوڑی جماعت کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا،

[1] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا المسلم والکافر، [2] سنن ابی داؤد ج ۲ باب خبر النضیر [3] صحیح بخاری کتاب المغازی [4] لباب النقول فی اسباب النزول

لیکن تصادم کی نوبت نہین آئی، اس کے بعد مدینہ کی حفاظت کے لئے مدینہ کے آس پاس کے قبائل سے معاہدہ کیا، سب سے پہلے قبیلہ جہینہ سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین مین سے کسی کا ساتھ نہ دینگے، اس کے بعد قبیلہ مزینہ سے معاہدہ کیا، کہ اگر کوئی قوت ان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان ان کی مدد کرینگے اور جب مسلمانون کی مدد کی ضرورت ہوگی تو وہ مدد کے لئے آئین گے،

مدینہ کی چراگاہ پر حملہ

اس معاہدہ کے ایک مہینہ بعد مکہ کے ایک رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کرکے رسول اللہ صلعم کے مویشی لوٹ لئے، مسلمانون نے تعاقب کرکے مویشی چھین لئے، لیکن کرز بچ کر نکل گیا، اسی سنہ مین آنحضرت صلعم نے ذوالعسیرہ تشریف لیجاکر بنی مدلج سے معاہدہ کیا،

غزوات

سریہ عبداللہ بن جحش

رجب سنہ ۲ھ مین آپنے عبداللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کی مختصر جماعت کے ساتھ قریش کے کاروانِ تجارت کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، اتفاق سے قریش کے چند آدمی جو تجارتی سامان لئے ہوئے شام سے واپس آرہے تھے مل گئے عبداللہ نے ان پر حملہ کردیا، اور ایک آدمی قتل اور دو گرفتار کرکے مدینہ لائے، آنحضرت صلعم نے ان کے اس فعل پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "مین نے تم کو جنگ کی اجازت نہین دی تھی" اور غنیمت کا مال بھی قبول نہ فرمایا، صحابہ نے بھی ناپسندیدگی ظاہر کی، (سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۳۶۷ و طبری ص ۱۲۷۵)

غزوہ بدر

سوء اتفاق سے جو لوگ قتل و گرفتار ہوئے تھے وہ معززین قریش تھے اس لئے قریش جو پہلے سے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کررہے تھے، اس واقعہ سے اور زیادہ مشتعل ہوگئے، اسی دوران مین مکہ مین یہ خبر اُڑ گئی کہ مسلمان قریش کا کاروانِ تجارت لوٹنے کے لئے آرہے ہین اس خبر پر قریش بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپنے صحابہ سے مشورہ طلب کیا، مہاجرین نے جان نثارانہ تقریرین کین لیکن آپ انصار

سلہ بخاری کتاب المغازی

کا عندیہ لینا چاہتے تھے، قبیلہ خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا خدا کی قسم اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر مین کود پڑین، دوسرے معززین انصار نے بھی پرجوش تقریرین کین، ان کی آمادگی پر آپ نے رمضان ۲ھ مین تین سو تیرہ مسلمانون کو لے کر جن مین ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ سے روانہ ہوئے، اس درمیان مین قریش کا لشکر جس مین ایک ہزار سپاہ اور سو سوار تھے، عتبہ بن ربیعہ کی قیادت مین مدینہ کے قریب پہنچ گیا، اور مناسب موقعون پر قبضہ کر لیا، آنحضرت صلعم کو چاہ بدر کے قریب اس کی اطلاع ملی، آپ وہین ٹھہر گئے لیکن یہ کوئی کنوان نہ تھا اس لئے آگے بڑھ کر ایک چشمہ پر خیمہ زن ہوئے، اور رات بھر دعا و مناجات مین مصروف رہے، صبح کو فوج مرتب کر کے دعا فرمائی "خدایا تونے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کر، اگر آج تیرے یہ چند بندے مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"

یہ بڑے امتحان و آزمائش کا موقع تھا، جب دونون فوجین آمنے سامنے ہوئین تو مسلمانون کو نظر آیا کہ خود ان کے بزرگ اور ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے تلوارون کے سامنے ہین لیکن اسلام کی محبت نے تمام رشتون کو بھلا دیا تھا، چنانچہ میدان جنگ مین حضرت ابوبکرؓ کی تلوار اپنے لخت جگر عبدالرحمٰن کے مقابلہ مین بے نیام ہوئی[1] حضرت عمرؓ کی تلوار اپنے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حذیفہ کو اپنے والد عتبہ کے مقابلہ مین آنا پڑا[2]،

پہلے فرداً فرداً مقابلہ ہوا اور دونون فوجون مین سے ایک ایک آدمی میدان مین آیا، مقتول عامر کے بھائی عمرو کو حضرت عمرؓ کے غلام نے قتل کیا، قریش کے سپہ سالار عتبہ کا کام حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے تمام کیا، اس کے بھائی شیبہ کو علیؓ کی تلوار نے ختم کیا، عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیرؓ نے مارا، اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی اور دونون فوجین آپس مین گتھ گئین، دو انصاری نوجوان

---

[1] استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر، [2] سیرۃ ابن ہشام،

معوذ اور عفراء ابوجہل کی تاک مین تھے، نظر پڑتے ہی اس کا کام تمام کردیا، ابوجہل کے لڑکے نے جھپٹ کر معوذ پر تلوار کا وار کیا ہاتھ شانہ سے لٹک گیا، صرف تسمہ لگا رہ گیا، مگر وہ اس وقت بھی لڑتے رہے، لیکن کٹا ہوا ہاتھ تلوار چلانے مین مزاحم ہوتا تھا، اس لئے تسمہ کاٹ کر الگ کردیا۔

ابوجہل کے قتل سے قریش مین بددلی پھیل گئی، لیکن ابھی ایک اور سردار امیہ بن خلف باقی تھا۔ عبدالرحمن بن عوف اس کے حلیف تھے، اس لئے وہ مسلمانون کی نظر بچا کر اسے نکال دینا چاہتے تھے، اتفاق سے حضرت بلال نے جو مکہ مین اس کے مشق ستم رہ چکے تھے دیکھ لیا، انھون نے انصار کو خبر کردی، وہ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، حضرت عبدالرحمن بچانے کے لئے امیہ پر لیٹ گئے لیکن بلال کی فریاد کے مقابلہ مین لوگون نے ان کی پرواہ نہ کی، اور نیزے سے چھید چھید کر قتل کر ڈالا۔[1]

اسیران جنگ سے حسن سلوک امیہ کے قتل ہوتے ہی کفار نے میدان چھوڑ دیا، مسلمانون نے گرفتار کرنا شروع کردیا، مشاہیر قریش مین حضرت عباسؓ، عقیل، نوفل، اسود، عبد بن زمعہ وغیرہ پکڑے گئے آنحضرت صلعم نے تمام قیدیون کو صحابہ مین تقسیم کرکے انھین آرام سے رکھنے کا حکم دیا، اس پر صحابہ نے اس شدت سے عمل کیا کہ خود کھجور کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے[1]، جن کے پاس کپڑے نہ تھے انھین کپڑے دیئے، اس کے بعد آنحضرت صلعم نے اسیران جنگ کے بارہ مین صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ قتل کردیا جائے اور مسلمان خود اپنے ہاتھون سے اپنے اعزہ کو قتل کرین، آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند فرمائی، اور فدیہ لے کر سب کو رہا کردیا، جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ نہ ادا کرسکتے تھے ان مین سے جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان کے متعلق حکم ہوا کہ دس دس لڑکون کو لکھنا سکھا دین تو وہ رہا کردیئے جائین گے۔[2]

قریش کا جوش انتقام اور غزوہ سویق اس جنگ مین بہت سے رؤساے قریش مارے گئے تھے ان کے

[1] طبری صفحہ ۱۳۰۸
[2] مسند احمد بن حنبل ج اول ص ۲۴۶

بعد ابوسفیان بن حرب اموی قریش کی مسند ریاست پر بیٹھا، عرب کی روایات کے مطابق اس وقت اس کا مقدم فرض مقتولین بدر کا انتقام لینا تھا، چنانچہ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ اپنے مقتولین کا انتقام نہ لیگا اسوقت تک سر مین تیل نہ ڈالے گا، اور دو سو سوارون کا دستہ لے کر خفیہ مدینہ پہنچا، بنی نضیر کے سردار سلام بن مشکم یہودی نے پر تکلف دعوت کی، اور مدینہ کے مخفی رازون سے آگاہ کیا، اس سے حالات معلوم کرنے کے بعد ابوسفیان نے عریض پر حملہ کیا، اور ایک انصاری کو قتل کر کے مکانات اور گھاس کے ذخیرے جلا دیئے، آنحضرت صلعم کو اطلاع ہوئی تو آپ اس کے تعاقب مین نکلے، لیکن ابوسفیان نکل گیا[1]،

متفرق واقعات | اسی سنہ یعنی ۲ھ مین رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پہلی مرتبہ عیدگاہ مین نماز عید ادا ہوئی، اور آنحضرت صلعم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ ۴۸۰ درہم قیمت کی زرہ کے مہر پر نکاح کیا اور ایک چارپائی چمڑے کا گدا ایک چھاگل، دو چکیان اور دو مٹی کے گھڑے جہیز مین دیئے،

غزوۂ احد | اگرچہ عریض پر حملہ کر کے ابوسفیان کی قسم فی الجملہ پوری ہوگئی لیکن جن جن لوگون کے اعزہ بدر مین قتل ہوئے تھے وہ ابوسفیان کے پاس پہنچے اور کہا محمد نے قریش کو تباہ کر دیا ہے، اس کا انتقام ضروری ہے، اس کے اخراجات کے لئے اس مرتبہ کاروان قریش کا منافع ہم کو دلا دیا جائے سب نے اسے بخوشی منظور کر لیا اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ تیاریان شروع ہوگئین، اور شوال ۳ھ مین بڑے سروسامان سے قریش مدینہ روانہ ہوئے، حضرت عباسؓ نے جو اسلام لا چکے تھے، اور مکہ ہی مین مقیم تھے آنحضرت صلعم کو خفیہ اطلاع بھجوا دی، آپ نے پتہ چلانے کے لئے آدمی بھیجے، معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب عریض تک پہنچ چکا ہے[2]،

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۰، [2] ایضاً صفحہ ۲۵،

دوسرے دن صبح کو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، اکثر مہاجرین اور تجربہ کار انصار نے رائے دی کہ عورتوں کو شہر کے باہر قلعوں میں بھیجدیا جائے اور شہر میں پناہ گیر ہوکر مقابلہ کیا جائے لیکن پُرجوش نوجوانوں کو اصرار تھا کہ باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے، ان کے اصرار پر آنحضرت صلعم ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ اُحد کی طرف جہاں مشرکین مکہ خیمہ زن تھے بڑھے، عبداللہ بن ابی منافق تین سو سواروں کیساتھ معیت میں نکلا لیکن پھر عذر لنگ کر کے لوٹ گیا اور مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہگئی اُحد پہنچکر پہاڑ کی پشت پر صف آرائی ہوئی مصعبؓ بن عمیر کو علم اور زبیرؓ بن عوام کو سپہ سالاری عطا ہوئی، پہاڑ کی پشت سے مشرکین کے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے پچاسؓ آدمیوں کا دستہ اس سمت کی حفاظت پر متعین کر کے تاکید فرمادی کہ فتح و شکست کی حالت میں تم لوگ اپنی جگہ نہ چھوڑنا، قریش تعداد اور سروسامان ہر شے میں مسلمانوں سے زیادہ تھے، انھوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ صف بندی کی میمنہ پر خالد بن ولید، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل، سواروں پر صفوان بن امیہ، تیراندازوں پر عبداللہ ابن ربیعہ تھے، علم طلحہ کے ہاتھوں میں تھا،

قریش کی صف سے پہلے ابو عامر جو مدینہ کا باشندہ اور کچھ دنوں سے مکہ میں متوطن ہو گیا تھا، اور اس کی زاہدانہ زندگی کی وجہ سے اہل مدینہ پر اس کا بڑا اثر تھا میدان میں آیا، اور پکارا اہل مدینہ! مجھے پہچانتے ہو میں کون ہوں؟" انصارؓ نے جواب دیا "بدکار ہم تجھے خوب جانتے ہیں، خدا تیری آرزو بر نہ لائے"، اس کے بعد قریش کا علمبردار طلحہ بڑھا اور طنزیہ پکارا کون ہے جو مجھے جہنم بھیجدے یا میں اسے جنت میں پہنچادوں حضرت علیؓ نے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا،

اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت علیؓ، حمزہؓ اور ابو دجانہؓ انصاری نے اپنے پے بپے حملوں سے مشرکین کی صفیں درہم برہم کر دیں، حمزہؓ جوش شجاعت میں دور تک دشمنوں کی صفوں میں گھستے چلے گئے، جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے جو آپ کی تاک میں تھا نیزہ مار کر شہید کر دیا،

قریش بڑی شجاعت سے لڑ رہے تھے، ان کے علمبردار پیہم قتل ہو رہے تھے، لیکن علم سرنگون نہین ہونے پاتا تھا، مگر حضرت علیؓ اور ابو دجانہؓ انصاری کے بے پناہ حملون نے آخر مین پاؤن اکھاڑ دیئے، ان کے پاؤن اکھڑتے ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کر دی، پہاڑ کی پشت پر جو دستہ متعین تھا اس نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی، اس کے ہٹتے ہی خالد بن ولید نے پشت سے حملہ کر دیا، جبیر بن مطعم نے جو اب تک اپنی جگہ پر تھے چند جانبازون کے ساتھ روکا، مگر سب شہید ہوئے، اور خالد نے بڑھ کر لوٹنے والے مسلمانون پر حملہ کر دیا، یہ لوگ بالکل غافل تھے، اس لئے اس ناگہانی حملے کی تاب نہ لاسکے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ اپنے اور بیگانے کی تمیز باقی نہ رہی، آپس ہی مین ایک دوسرے کو مارنے لگے مصعب بن عمیر جو آنحضرت صلعم کے پاس تھے شہید ہو گئے، ان کی شہادت پر خبر اڑ گئی کہ رسول اللہ صلعم نے وفات پائی، اس خبر نے مسلمانون کے رہے سہے اوسان اور خطا کر دیئے اور بڑے بڑے بہادرون کے پاؤن اکھڑ گئے، آنحضرت صلعم کے گرد صرف چند جان نثار باقی رہگئے لیکن ذوالفقار حیدری اس وقت بھی بجلی کی طرح چمک رہی تھی، حضرت عمرؓ نے دل شکستہ ہو کر تلوار پھینک دی، کہ اب لڑنے سے کیا حاصل، ابن نضر انصاری نے کہا اب زندہ رہ کر کیا کرینگے، اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے" بہت سے جان نثار اس حالت مین بھی لڑتے جاتے تھے، عین اس وقت کعب بن مالک کی نظر رسول اللہ صلعم پر پڑی، انھون نے پہچان کر پکارا مسلمانو رسول اللہ ادھر ہین، یہ آواز سنتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت پھر بندھ گئی اور مسلمان اس سمت آ گئے، کفار نے بھی ہر طرف سے سمٹ کر اپنا پورا زور صرف کر دیا، ان کا ریلا دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے آواز دی کون مجھ پر جان دیتا ہے، اس آواز پر پانچ انصاری بڑھے، اور ایک ایک کر کے نثار ہو گئے، عبداللہ بن قمیہ بڑھتے بڑھتے رسول اللہ صلعم تک پہنچ گیا اور چہرۂ انور پر تلوار ماری، مغفر کی دو کڑیان پیوست ہو گئین، یہ دیکھ کر جان نثارون نے ہر طرف سے حصار مین لے لیا، ابودجانہ آپ کے سامنے

جھک کر سینہ سپر ہو گئے، جو تیر آتا تھا اسے پیٹھ پر روکتے تھے، حضرت طلحہؓ تلوار کے وار ہاتھ پر روکتے تھے، ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا، ابو طلحہؓ نے تین کمانین توڑین اور سینہ سامنے کر دیا کہ رسول اللہ کو چشم زخم نہ پہنچنے پائے، مشرکین کا ریلا کچھ تھما تو آپ چند جان نثارون کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے،

مشرکین کی فوج مین بھی آنحضرت صلعم کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی، ابو سفیان نے اس کی تصدیق کے لئے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی، محمدؐ یہان ہین؟ آنحضرت صلعم نے مسلمانون کو جواب دینے سے منع کر دیا، ابو سفیان نے جواب نہ پاکر ابو بکرؓ و عمرؓ کو آواز دی، اس پر بھی جب کوئی جواب نہ ملا اس وقت اس نے مسرت مین نعرہ لگایا کہ سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بولے دشمن خدا ہم سب زندہ ہین، یہ سنکر ابو سفیان نے ہبل کا نعرہ لگایا، "اعل ہبل"، صحابہؓ نے آنحضرت صلعم کے حکم سے جواب دیا "اللہ اعلیٰ واجل" ابو سفیان پکارا لنا العزی ولا عزی لکم" صحابہ نے کہا، اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم" مسلمانون کے سنبھلنے کے بعد قریش کی ہمت پست ہو گئی اور وہ لوٹ گئے،

اس معرکہ مین ستر مسلمان شہید ہوئے، جن مین زیادہ تر انصار تھے، اختتام جنگ کے بعد قریش کی خواتین نے مقتولین بدر کے انتقام کے جوش مین مسلمان شہداء کے ناک کان کاٹ دیئے، ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے ان پھولون کا ہار بنا کر پہنا اور حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی،

قریش کے واپس جانے کے بعد مسلمان بھی مدینہ لوٹ آئے، اس وقت مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا، ہر گھر مین کہرام بپا تھا، آنحضرت صلعم کا دل بھر آیا کہ سب کا ماتم ہو رہا ہے، لیکن آپ کے چچا حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہین، یہ انسانی فطرت تھی، چنانچہ انصار نے آپ کا تاثر سنکر اپنی عورتون کو حمزہؓ کا سوگ منانے کے لئے بھیجا لیکن آپنے تشکریہ کے ساتھ واپس کر دیا کہ مردون پر نوحہ کرنا جائز نہین ہے،

متفرق واقعات | اسی سال حضرت حسنؓ پیدا ہوئے، حضرت حفصہؓ آنحضرت صلعم کے عقد مین آئین، اور

حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی شادی ہوئی، وراثت کا قانون نازل ہوا،
اور مشرکہ عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام قرار پایا،

مختلف سرایا ۴ھ | محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو قطن میں آباد تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا
انحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپنے ابو سلمہ کو ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ مقابلہ کیلئے
بھیجا، لیکن حملہ آور منتشر ہوگئے اسی سال بنی لحیان کے سردار سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا عزم کیا
انحضرت صلعم نے عبد اللہ بن انیس کو بھیجا، انھون نے بلطائف الحیل سفیان کو قتل کر دیا،

صفر ۴ھ مین بنی کلاب کے سردار ابو براء نے انحضرت صلعم سے درخواست کی کہ میری قوم
مین تبلیغ اسلام کے لئے کچھ آدمی بھیجدیجئے، آپنے ستر آدمی ساتھ کر دیئے، انھون نے بیر معونہ مین قیام
کیا، اور حرام بن ملحان کو انحضرت صلعم کا خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اس نے ان کو قتل کر دیا
اور عصیہ، رعل اور ذکوان کے قبائل کو لے کر مسلمانون کی طرف بڑھا مسلمان حرام کی واپسی کا انتظار
کر کے ان کی تلاش مین نکلے، آگے بڑھ کر عامر کا مقابلہ ہوا، اس نے گھیر کر کل مسلمانون کو قتل کر دیا صرف
عمرو بن امیہ کو چھوڑ دیا، انحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا،

اسی زمانہ مین قبیلہ عضل وقارہ کے چند اشخاص نے مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلے
نے اسلام قبول کر لیا ہے انکی تعلیم کے لئے کچھ آدمی بھیجدیجئے، آپنے دس معلم بھیجدیئے، مقام عسفان
مین پہنچکر غدارون نے بنی لحیان کو اشارہ کر دیا، انھون نے دو سو آدمیون کے ساتھ مسلمانون کو گھیر لیا
اور ان سے کہا ہمارے پاس چلے آؤ ہم تم کو امان دیتے ہین، سات مسلمانون نے ان کی امان مین
جانا پسند نہ کیا، اور لڑ کر جان دی، حبیبؓ اور زیدؓ دو مسلمان اعتماد کر کے چلے گئے، کافرون نے
انھین پکڑ لیا، اور مکہ لیجا کر فروخت کر دیا، یہ دونون مشرکین مکہ کے ہاتھون قتل ہوئے،

متفرق واقعات | اسی سال حضرت حسینؓ پیدا ہوئے، ام المومنین زینبؓ کا انتقال ہوا، انحضرت صلعم نے حضرت

(م سلیم جنگ کے ساتھ متفق کیا، بعض مورخون کے نزدیک شراب بھی اسی سنہ مین حرام ہوئی،

یہودیون کیساتھ معاہدہ اور جنگ مسلمانون کے مدینہ آنے کے بعد یہودیون کا تفوق و امتیاز روز بروز گھٹتا جاتا تھا، انصاریون کی یہودیت رک گئی تھی اور وہ ان کے قرضون سے چھوٹتے جاتے تھے، قرآن علیحدہ ان کے اخلاق ذمیمہ کی پردہ دری کرتا تھا، اس لئے اب یہود علانیہ اسلام کے مقابلہ مین آگئے، اور آنحضرت صلعم کو ستانا شروع کیا، آپ نے بڑے ضبط وتحمل سے کام لیا اور حتی الامکان یہودیون کو ٹھیس پہنچانے سے بچاتے، لیکن یہودیون کو نظر آرہا تھا کہ اسلام کے مقابلہ مین ان کی ہستی قائم نہین رہ سکتی، اس لئے وہ اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ ہوگئے،

مشرکین کی نگاہون مین اسلام کے وقار کو گھٹانے کے لئے ان سے کہتے کہ مسلمانون سے تو تم اچھے ہو، اور خود جھوٹ اسلام قبول کرکے مرتد ہوجاتے تاکہ اسلام کی حقانیت لوگون کے دلون مین نہ جمنے پائے، اوس وخزرج مین جو باہم پرانے حریف اور اسلام کے دست وبازو تھے اور اسلام نے انھین ملادیا تھا، پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کرتے، ایک آدھ مرتبہ دونون مین تلوارین نکل آئین، لیکن عین موقع پر آنحضرت صلعم نے ٹھنڈا کردیا، ان سازشون کے علاوہ وہ مخفی آنحضرت صلعم کی جان کے بھی درپے تھے،

اگرچہ یہودیون نے اسلام کی مخالفت کو شعار بنالیا تھا اور وہ کسی موقع پر اپنی دشمنی سے نہ چوکتے تھے، تاہم اب تک علانیہ تصادم کی نوبت نہ آئی تھی، ایک اتفاقی واقعہ نے اس کے اسباب بھی پیدا کردیئے، ایک یہودی نے ایک انصاری عورت کی بے حرمتی کی، ایک انصاری نے جوش حمیت مین یہودی کو قتل کردیا، یہودیون نے انصاری کو مار ڈالا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے کہا "خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو بدر والون کی طرح تم پر بھی خدا کا عذاب نازل ہوجائے" انھون نے جواب دیا "ہم قریش نہین ہین ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم بتادین گے

---

[1] قرآن پاک مین اسکی تصریح موجود ہے، نساء وآل عمران [2] اصابہ ج ۱ ص ۸۸ ،

کہ لڑائی کس کا نام ہے، یہ نقض عہد ایک طرح کا اعلان جنگ تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کی آئے دن کی ریشہ دوانیون کے سدباب کرنے کا فیصلہ کرلیا، یہود قلعہ بند ہوگئے، آنحضرت صلعم نے محاصرہ کرلیا، پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد یہودی آنحضرت صلعم کے فیصلہ پر راضی ہوگئے، آپ نے عبد اللہ بن ابی کی تجویز پر سات سو یہودیون کو جلائے وطن کردیا اور یہ لوگ اذرعات جاکر آباد ہوئے[1]، یہ ۲ھ کا واقعہ ہے،

کعب بن اشرف کی فتنہ انگیزیان اور اس کا قتل

مدینہ کے یہودیون مین کعب بن اشرف بڑا بااثر یہودی تھا، اس کو ابتدا ہی سے اسلام کے ساتھ سخت پرخاش تھی، بدر مین قریش کی شکست کا اس کو بڑا غم ہوا تھا، چنانچہ اظہار تعزیت سے لئے مکہ گیا تھا، اور مقتولین بدر کا نہایت پرزور مرثیہ لکھا تھا، اور اس کو پڑھ پڑھ کر لوگون کو انتقام پر ابھارتا تھا[2]، رسول اللہ صلعم کی ہجو کہہ کر قریش کو آپکے خلاف بھڑکاتا تھا[3]، ابو سفیان کو خانہ کعبہ مین لیجا کر انتقام کا حلف لوایا تھا[4]، مدینہ مین آنحضرت صلعم کی ہجو کہہ کر سناتا تھا، آپ کو خفیہ شہید کردینے کی سازش کی تھی[5]، اس کی اس فتنہ انگیزیون پر آنحضرت صلعم نے صحابہؓ سے شکایت کی، روسای اوس نے قتل کی رائے دی، چنانچہ یہ خدمت محمد بن مسلمہ انصاری کے سپرد ہوئی، انھون نے اس کے گھر جاکر بلطائف الحیل اس کو قتل کرڈالا،

آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی سازش

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمیون کو قتل کردیا تھا، اس کا خونبہا یہود بنی نضیر کے ذمہ تھا، آنحضرت صلعم ان کے مطالبہ کے لئے تشریف لے گئے، بنی نضیر نے خونبہا ادا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن ایک یہودی نے اوپر سے پتھر لڑھکا کر ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا، آپ کو اس کا علم ہوگیا، اس لئے آپ بچ کر لوٹ آئے[6]، چند دنون کے بعد آپ نے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام و ابن سعد غزوہ بنی قینقاع [2] سیرۃ ابن ہشام، [3] ابو داؤد باب کیف کان اخراج الیہود۔ [4] تاریخ خمیس ص ۵۱۵ [5] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ، [6] زرقانی ج ۳ ص ۹۳،

بنی قریظہ کے یہودیون سے معاہدہ کی تجدید کی لیکن بنی نضیر کے یہود اس مین شریک نہین ہوئے اور آپ کو تین آدمیون کے ساتھ اپنے علماء سے مناظرہ کے لئے بلا بھیجا، آپنے منظور فرمالیا، لیکن پھر معلوم ہوا کہ یہود اس بہانہ سے قتل کے لئے بلاتے ہین،[1]

غزوہ بنی نضیر

ان بہم مخالفتون کی بنا پر آپنے بنی نضیر کا محاصرہ کرلیا، یہ اس غلط فہمی مین تھے کہ بنی قریظہ انکا ساتھ دینگے، لیکن وہ معاہدہ کرچکے تھے اور علانیہ حمایت نہین کرسکتے تھے، اس لئے پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد بنی نضیر نے مدینہ چھوڑ دیا اور خیبر جاکر آباد ہوے،

پہلے تنہا قریش کی مخالفت کا مقابلہ تھا اب یہود بھی حریف بن گئے، دونون نے مل کر مکہ سے لے کر مدینہ تک تمام قبائل مین مسلمانون کے خلاف آگ لگادی اور سب نے اپنی اپنی جگہ پر مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریان شروع کردین، پہلے انمار و ثعلبہ نے پیش قدمی کی آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ محرم ۵ھ مین چار سو صحابہ کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے نکلے، انمار و ثعلبہ ابھی پورے تیار نہ تھے، اس لئے پہاڑون مین بھاگ گئے،[2] اس کے بعد ربیع الاول سنہ مذکور مین کفار نے دومۃ الجندل مین اجتماع کیا، آنحضرت صلعم ایک ہزار مسلمانون کے ساتھ ان کی طرف بڑھے یہ بھی منتشر ہوگئے،

غزوہ بنی مصطلق

خزاعہ کا قبیلہ قریش کا حلیف تھا، ان دونون مین باہم قرابت داریان ہوتی تھین، اس لئے خزاعہ کو قریش کے ساتھ ایک خاص تقرب و اختصاص تھا، اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی مصطلق مدینہ سے تھوڑی مسافت پر مقام مریسیع مین آباد تھی، اس کے رئیس حارث بن ابی ضرار نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا،[3] اس لئے آنحضرت صلعم شعبان ۵ھ مین مدافعت کے لئے نکلے، حارث بھاگ گیا لیکن مریسیع کی اور آبادی نے مقابلہ کیا مسلمانون نے شکست دی اور دس اہل مریسیع مقتول اور چھ سو

[1] فتح الباری، ج ۷، ص ۲۵۵، [2] ابن سعد غزوہ ذات الرقاع، [3] ابن سعد حصہ مغازی ص ۴۵ و ۴۶،

زندہ گرفتار ہوئے، اور بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا،

مریسیع کے معرکہ کے بعد مالِ غنیمت کی لالچ مین بہت سے منافقین بھی مسلمانون کے ساتھ شامل ہوگئے جو ہر موقع پر فتنہ برپا کرنے کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے مین ایک مہاجر اور ایک انصاری مین جھگڑا ہوگیا، دونون نے اپنی اپنی جماعت کو آواز دی، فریقین کی تلوارین نکل آئین، چند آدمیون نے درمیان مین پڑکر بیچ بچاؤ کردیا، اس واقعہ سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کو بھڑکانے کا موقع مل گیا، اس نے انصار سے کہا "تم نے یہ بلا خود مول لی ہے، مہاجرین کو تم نے اتنا سر چڑھا دیا ہے کہ اب وہ تمہارے مقابلہ مین کھڑے ہوجاتے ہین، اگر اب بھی تم ان کی دستگیری چھوڑ دو تو یہان سے چلے جائین گے"، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ غصہ سے بیتاب ہوگئے، آنحضرت صلعم سے عرض کیا، اجازت ہو تو اس کی گردن اڑادون، آپ نے فرمایا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد اپنے ساتھیون کو قتل کرتے ہین[1]، عبداللہ کے لڑکے مسلمان ہوچکے تھے اور اسلام کے سچے شیدائی تھے، انھین خبر ہوئی تو آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر عرض کیا کہ "دنیا جانتی ہے کہ مین والد کا کتنا اطاعت گذار ہون، لیکن اگر آپ کی یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ملے مین جاکر ان کا سر کاٹ لاتا ہون، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی دوسرے کو حکم دین، اور مین محبت اور غیرت کے جوش مین قاتل کو قتل کردون" آپ نے اطمینان دلایا کہ مین قتل نہ کرونگا بلکہ ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤنگا[2]،

افک| افک یعنی رسول اللہ صلعم کی حرم پر تہمت لگنے کا واقعہ غزوہ مریسیع مین پیش آیا لیکن قرآن نے خود اس کی پردہ دری کردی ہے اس لئے اسے لکھنے کی ضرورت نہین،

غزوۂ احزاب| اوپر گذر چکا ہے کہ باہمی معاہدہ کی بنا پر بنی قریظہ مسلمانون کی مخالفت مین بنی نضیر الگ تھے، لیکن پھر چند دنون کے بعد رؤسائے بنی نضیر کی کوششون سے دل ان سے مل گئے اور شہ مین

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۲۸، [2] طبری ص ۱۵۱۵،

انھوں نے بنی نضیر یہودی و قریظہ قریش اور بہت سے قبائل کو جمع کرکے چوبیس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کی،[1] آنحضرت صلعم صحابہ کے مشورہ سے مدینہ کے گرد خندق کھود کر شہر میں قلعہ بند ہو گئے، اتحادیوں نے مدینہ پہنچکر ہر طرف سے محاصرہ کر لیا، اور ایک مہینہ تک اس شدت کے ساتھ محاصرہ قائم رکھا کہ مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گذر گئے، ایک دن بیتاب ہو کر انھوں نے آنحضرت صلعم کو پیٹ کے پتھر دکھائے آپنے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے تھے[2]، جب محاصرہ کی شدت خطرناک حد تک پہنچ گئی، تو آپنے جماعت صحابہ سے خطاب فرمایا کہ "کوئی ہے جو محاصرہ کرنے والوں کی خبر لائے"؟ اس کے جواب میں صرف حضرت زبیرؓ کی آواز آئی، اس جانبازی کے صلہ میں ان کو حواری کا معزز لقب عطا ہوا،

چند دنوں تک کفار خندق کے پار سے تیر اور پتھر برساتے رہے، جب اس سے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو عرب کے نامور بہادر ضرار، ہبیرہ، نوفل اور عمرو بن عبدود ایک مقام سے جہاں خندق نسبتہً کم چوڑی تھی، گھوڑے کو ایڑ لگا کر پار کر گئے، خندق کے پار پہنچکر عمرو بن عبدود نے مبارز طلبی کی، حضرت علیؓ نے بڑھکر کام تمام کر دیا، اس کے بعد ضرار اور ہبیرہ ہمت کرکے آگے بڑھے، لیکن پھر ڈر کر پیچھے ہٹ گئے نوفل خندق میں گر پڑا، حضرت علیؓ نے کود کر اس کا کام تمام کر دیا، دن بھر لڑائی جاری رہی، آنحضرت صلعم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں، لیکن جنگ کا کوئی فیصلہ نہ ہوا، جوں جوں محاصرہ بڑھتا جاتا تھا اہل مدینہ سے زیادہ کفار کے لئے مصیبت بڑھتی جاتی تھی، اس لئے کہ چوبیس ہزار فوج کی رسد کا سامان آسان نہ تھا، اسی درمیان میں ایک دن اس زور کی آندھی آئی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں، عین اس موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی نے جو درپردہ مسلمان ہو گئے تھے قریش اور یہودیوں میں پھوٹ ڈلوادی، کفار چند در چند دشواریوں میں پھنس گئے اور قریش آپس کی نااتفاقی، موسم کی ناسازگاری اور سامان رسد کی قلت کی وجہ سے ہمت ہار گئے، چنانچہ ابوسفیان نے یہ کہکر کہ "سامان رسد ختم ہو چکا ہے، یہود

---

[1] فتح الباری غزوۂ احزاب، [2] شمائل ترمذی،

نے ساتھ چھوڑ دیا ہے، موسم ناخوشگوار ہے، ان حالات مین محاصرہ بے کار ہے، محاصرہ اٹھا کر لوٹ گیا، قریش کے بعد بنی قریظہ نے بھی میدان چھوڑ دیا، اس جنگ مین مسلمانون کا کم نقصان ہوا، صرف ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ زخمی ہوے جسکے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، اس جنگ کا نام غزوہ خندق یا احزاب ہے،

بنی قریظہ کا خاتمہ بنی قریظہ نے اپنی جانب سے معاہدہ توڑا تھا، پھر غزوہ احزاب کی واپسی کے وقت مسلمانون کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو اپنے یہان لیتے گئے تھے،[1] اس لئے غزوہ احزاب کے بعد آنحضرت صلعم بنی قریظہ کی طرف بڑھے، اگر اس وقت بھی بنی قریظہ اپنی غلطی پر نادم ہو کر مصالحت کا ہاتھ بڑھاتے تو ممکن تھا صلح ہو جاتی، لیکن اس کے برعکس جب مسلمان قریب پہنچے تو بنی قریظہ نے آنحضرت صلعم کو گالیان دینی شروع کین،[1] اس لئے آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، ایک مہینہ تک محاصرہ قائم رہا، آخر مین بنی قریظہ نے مجبور ہو کر سپر ڈال دی، اور کہلا بھیجا کہ سعد بن معاذ (جو ابھی تک زندہ تھے) جو فیصلہ کر دین وہ ہم کو منظور ہے، آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا، حضرت سعدؓ نے یہود کی کتاب توریت کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ تمام لڑنے والے قتل کر دیئے جائین، عورتین اور بچے گرفتار کر لئے جائین اور اس کا مال واسباب مال غنیمت سمجھا جائے، یہ فیصلہ تورات کے حکم کے مطابق تھا، اس لئے یہودیون کو چار و ناچار قبول کرنا پڑا،[2] اور صحیح روایت کی رو سے چار سو یہودی جن مین دوران محاصرہ کے مقتولین ہی شامل ہین قتل کئے گئے،

حضرت زینبؓ سے نکاح اسی سنہ مین آنحضرت صلعم نے اپنی پھوپھیری بہن حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، آنحضرت صلعم نے آقا و غلام کی تمیز اٹھانے کے لئے زینبؓ کا عقد اپنے غلام اور متبنی حضرت زیدؓ کے ساتھ کیا تھا، لیکن دونون کے اختلاف طبع کی وجہ سے نہ نبہ سکی، اس لئے زیدؓ نے طلاق دینے

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۰، وطبری غزوہ احزاب [2] طبری ص ۱۴۸۵ [3] طبری ص ۱۴۹۰ و ۱۴۹۲،

کا ارادہ کیا، آنحضرت صلعم نے روکا، مگر ناخوشگواری برابر بڑھتی گئی، اس لئے زیدؓ نے آخر میں طلاق دیدی، عرب میں متبنّی بیٹوں کی بیوی کے ساتھ نکاح معیوب سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلعم نے اس خیال کو مٹانے اور زینبؓ کی دلجوئی کے لئے خود ان کے ساتھ نکاح کرلیا،

پردہ کا حکم اس وقت تک عورتیں جاہلیت کے طریقہ پر بے پردہ نکلتی تھیں، اور بے باکانہ چلتی پھرتی تھیں، اسی سال یہ حکم نازل ہوا کہ شریف عورتیں گھروں سے نکلیں تو چادر اوڑھ کر منھ چھپا کر سینہ پر آنچل ڈال کر چلنے میں اٹکھیلی نہ کریں، پردے کی اوٹ سے بولیں، آواز میں بناوٹ نہ پیدا کریں، ازواج مطہرات نامحرموں کے سامنے نہ آئیں، اسی سال عورتوں پر تہمت لگانے والوں پر حد جاری کرنے کا حکم اور لعان کا طریقہ جاری ہوا، پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت ملی، اور صلوٰۃِ خوف کا حکم نازل ہوا،

عمرہ چھ برس سے مسلمانوں نے کعبہ کو غلط انداز نظر سے بھی نہ دیکھا تھا، اس لئے ذیقعدہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے، اور اس احتیاط کے خیال سے کہ قریش کو جنگ وغیرہ کا شبہہ نہ ہو، احرام باندھ کر قربانی کے اونٹ ساتھ لے لئے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے، صرف تلوار ساتھ ہو وہ بھی نیام کے اندر، ذوالحلیفہ پہنچکر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا کیں، قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے آپ کو روکنا چاہا، اور خالد بن ولید کو جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے تھوڑی سی فوج کے ساتھ پتہ لگانے کیلئے بھیجا، انھوں نے جاکر قریش کو خبر دی کہ مسلمان عمیم تک پہنچ چکے ہیں، ان کے جانے کے بعد مسلمان بڑھ کر حدیبیہ میں ٹھہرے[1]

صلح حدیبیہ اور بیعت رضوان قبیلۂ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا، اس کے رئیس بدیل نے جاکر رسول صلعم کو خبر دی کہ قریش مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے، آپ نے فرمایا قریش سے جاکر کہدو کہ ہم

---

[1] ابن سعد و ابن ہشام،

لڑنے کے لئے نہین آئے ہین، بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہین[1]، بہتر یہ ہے کہ قریش ہم سے ایک مدت معینہ کے لئے معاہدہ کرلین، اور اگر اس پر وہ راضی نہین ہین تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھون مین میری جان ہے مین اس وقت تک لڑون گا جب تک میری گردن الگ نہ ہو جائے اور خدا اپنا فیصلہ نہ پورا کردے" بدیل نے مکہ جاکر قریش کو یہ پیام سنانا چاہا، ناآزمودہ کار نوجوان اس قدر جوش سے لبریز تھے کہ سننے کے لئے بھی تیار نہ ہوئے، لیکن تجربہ کارون نے آمادگی ظاہر کی، بدیل نے آنحضرت صلعم کا پیام اور آپکے شرائط سنائے، یہ شرائط سن کران کی جماعت کے ایک معمر اور تجربہ کار شخص عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا، "محمد نے بڑی معقول شرطین پیش کی ہین، مجھ کو اجازت دو مین خود جاکر معاملہ طے کراؤن" قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا، اس لئے وہ ان کی جانب سے رسول اللہ صلعم کے پاس گئے، اور کہا محمد فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کردیا تو مین تم سے پوچھتا ہون کہ اس کی دنیا مین کوئی مثال مل سکتی ہے کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھون برباد کردیا ہو" عروہ ضروری گفتگو کرکے لوٹ گئے اور آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کی جو حیرت انگیز عقیدت دیکھی تھی قریش کو سنائی،

بیعت رضوان اسکے بعد آنحضرت صلعم نے مصالحت کی گفتگو کے لئے خراش بن امیہ کو بھیجا، قریش نے ان کو قتل کرڈالنا چاہا، مگر ان کے قبیلہ کے آدمیون نے بچا لیا[2]، خراش کی واپسی کے بعد قریش نے مسلمانون پر حملہ کے لئے ایک دستہ بھیجا، مگر وہ گرفتار کرلیا گیا، آنحضرت صلعم نے درگذر سے کام لے کر اسے رہا فرمادیا، قریش کی اس مخالفانہ روش کے باوجود آپنے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی، اور دوبارہ حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا، انھون نے آپ کو روک لیا، مسلمانون مین یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان قتل کردیئے گئے، آنحضرت صلعم کو سخت صدمہ ہوا آپنے قصاص کے لئے صحابہ سے جانبازی کی بیعت لی[3]، اس بیعت کو تاریخ اسلام مین ایک خاص اہمیت حاصل ہے اور بیعت رضوان

---

[1] ابن سعد حصہ مغازی ص ۷۰، [2] ایضاً، [3] بخاری کتاب الشروط والمصالحۃ مع اہل الحرب،

کے نام سے مشہور ہے بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی،

اس دوران مین قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، اور وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے اور

ان کے خطیب سہیل بن عمرو سفیر بن کر آئے، بڑی ردو قدح کے بعد ان شرائط پر صلح ہوئی،

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے لوٹ جائین گے،

(۲) اگلے سال آئین گے اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرینگے،

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئین گے، صرف تلوارین ساتھ ہونگی، وہ بھی نیام مین،

(۴) مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین، ان کو مسلمان اپنے ساتھ نہ لیجائین گے، اور جو مسلمان

مکہ مین رہ جانا چاہے گا اُسے قیام سے نہ روکین گے،

(۵) اہل مکہ یا مکہ کے مسلمانون مین سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس

کر دینگے، اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے گا تو اسے نہ واپس کیا جائیگا،

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے چاہین ساتھ ہو جائیں،

ابھی اس معاہدہ کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کے لڑکے ابو جندل جو مسلمان ہو چکے تھے اور

اس جرم مین طرح طرح کے مصائب جھیل رہے تھے، کسی طرح چھوٹ کر مسلمانون کی فرودگاہ

پر پہنچ گئے، سہیل نے انھین دیکھ کر کہا، محمد پابندی عہد کا یہ پہلا موقع ہے، آپنے فرمایا ابھی معاہدہ

مکمل نہین ہوا ہے، سہیل نے کہا تو ہمین صلح منظور نہین ہے، آنحضرت صلعم نے خوش اسلوبی کے ساتھ

سہیل کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ نہ مانا، آنحضرت صلعم نے مجبور ہو کر ابو جندل کو حوالہ کر دیا، انھون

نے جسم کے نیل دکھا کر مسلمانون سے فریاد کی کہ کیا پھر اسی عذاب کے لئے کفار کے حوالہ کئے دیتے ہو؟

مسلمان ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے لیکن آنحضرت صلعم نے اپنا فیصلہ قائم رکھا، صلح کے بعد

آنحضرت صلعم نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے، اور احرام کھولا،

گو صلح حدیبیہ بظاہر دب کر ہوئی تھی لیکن خدا نے اس کو فتح سے تعبیر کیا، اور سورۂ انا فتحنا لک فتحا مبینا، نازل ہوئی، کہ نتائج کے اعتبار سے یہ صلح درحقیقت فتح کا دیباچہ تھی، صلح سے پہلے مسلمان کافروں سے الگ تھلگ رہتے تھے، اس کے بعد دونوں میں میل جول او آمد و رفت شروع ہوئی، ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا، اس تصویر کو دیکھ کر اور تبادلۂ خیالات سے کفار کے دل خود بخود اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت کے ساتھ پھیلنے لگا، چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام مین داخل ہوئے اتنے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے،[1]

اس مصالحت کی رو سے مکہ کے ستم رسیدہ مسلمانوں کی گلو خلاصی کی کوئی صورت باقی نہ رہ گئی تھی، لیکن خدا نے بلاشرط ان کے لئے راستہ کھول دیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مشق ستم مسلمان ابو بصیر مکہ سے مدینہ بھاگ آئے قریش نے ان کی واپسی کے لئے دو آدمی بھیجے، آنحضرت صلعم نے معاہدہ کے مطابق انھین حوالہ کر دیا، راستہ مین ابو بصیر نے ان مین سے ایک کا کام تمام کر دیا، دوسرا ڈر کر مدینہ بھاگ آیا، اس کے عقب سے ابو بصیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو واپس کر دیا تھا اب آپ کی ذمہ داری ختم ہو گئی، یہ کہہ کر وہ ساحلی علاقے کی طرف نکل گئے اب سے دوسرے مسلمانوں کے لئے راستہ کھل گیا، چنانچہ وہ سب بھاگ بھاگ کے ایک جگہ جمع ہو گئے اور اون کا اچھا خاصہ جتھا بن گیا، اور انھون نے قریش کے کاروان تجارت پر جو ان کے قریب سے ہو کر گذرتا تھا، چھاپہ مارنا شروع کر دیا، اس سے ان کی تجارت خطرہ مین پڑ گئی، آخر مین قریش نے مجبور ہو کر لکھ بھیجا کہ ہم گذشتہ شرط سے باز آئے، جو مسلمان مدینہ مین رہنا چاہے وہ جا سکتا ہے، اس شرط کی تنسیخ کے بعد آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو مدینہ واپس بلا لیا،[2]

سلاطین کو دعوت اسلام اور ان کے نتائج صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت صلعم کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا

---

[1] بخاری کتاب الشروط و المصالحۃ مع اہل الحرب، و تاریخ خمیس،

تو آپ نے سنہ ۶ھ میں قیصر روم، کجکلاہِ ایران، عزیز مصر، نجاشی، شاہ حبش، روساے یمامہ، والی حدود شام حارث غسانی، شرحبیل بن عمرو والی بصری کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے، اور علی الترتیب یہ خدمت حضرت دحیہ کلبیؓ، عبد اللہ بن حذافہ سہمیؓ، عمرو بن امیہ ضمریؓ، سلیط بن عمروؓ، شجاع بن وہبؓ، اور حارث ابن عمیرؓ کے سپرد ہوئی،

قیصر روم نے خط پاکر حکم دیا کہ اگر اس کے حدودِ سلطنت میں عرب کا کوئی شخص ملجائے تو اسے حاضر کیا جائے، اتفاق سے اس وقت ابو سفیان جو تجارت کے سلسلہ میں شام آئے ہوئے تھے موجود تھے چنانچہ انھیں لے جاکر پیش کیا گیا، قیصر نے ان سے اسلام اور آنحضرت صلعم کے متعلق چند سوالات کئے، ان میں جھوٹ بولنے کی گنجایش نہ تھی اور پکڑے جانے کا خطرہ تھا، اس لئے ابو سفیان نے صحیح جوابات دیئے، یہ جوابات سنکر قیصر کو آنحضرت صلعم کی صداقت کا یقین ہوگیا، اس نے ابو سفیان سے کہا کہ "اگر تمھارے جوابات صحیح ہیں تو میرے قدم گاہ تک اس شخص (آنحضرت صلعم) کا قبضہ ہوجائیگا مجھ کو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہوگا، اگر میں اُس تک پہنچ سکتا تو اس کے قدم دھوتا" قیصر کے ان خیالات کو سنکر اس کے بطارقہ سخت برہم ہوئے لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ تخت و تاج کی طمع میں اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا،[1]

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرزِ تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد اور پانیدہ کے نام سے پہلے فرستندہ کا نام تھا، خسرو پرویز کجکلاہِ ایران اس طرز تحریر سے آشنا نہ تھا، اس لئے اسے اپنی تحقیر پر محمول کرکے سخت برہم ہوا، اور یہ کہکر کہ "وہ میرا غلام ہوکر مجھے یوں لکھتا ہے" نامۂ مبارک چاک کرڈالا، اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ "عرب کے مدعی نبوت کو میرے پاس بھیجدو" اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے، انھوں نے آنحضرت صلعم سے جاکر کہا کہ "تم کو شہنشاہِ عالم نے طلب کیا ہے، اگر

---

[1] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے،

اس کے حکم کی تعمیل نہ کروگے تو تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کرڈالے گا، شہنشاہِ دوعالمؐ نے جواب دیا "جاکر اس سے کہدو کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچیگی" ابھی یہ دونون سفیر واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خسرو پرویز کے لڑکے نے باپ کا کام تمام کردیا،

مقوقس عزیزِ مصر نے جواب دیا کہ مجھکو معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن مین سمجھتا تھا کہ وہ شام مین ظاہر ہوگا، مین نے آپکے قاصد کو عزت واحترام کے ساتھ ٹھہرایا، آپکے لئے دو قبطی لڑکیان، لباس اور خچر تحفہ بھیجتا ہون،

شاہِ حبش نجاشی نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھون پر جواب تک حبشہ مین مقیم تھے، اسلام قبول کرلیا، اور آنحضرت صلعم کو لکھ بھیجا کہ مین گواہی دیتا ہون کہ آپ خدا کے پیغمبر اور اس کے رسول مین

شرحبیل والی بصریٰ نے آپکے قاصد حارث بن عمیر کو شہید کردیا، اسی سنہ مین قریش کے دو نامور اشخاص خالد بن ولیدؓ فاتح عراق و شام اور عمرو بن العاص فاتح مصر اسلام لائے،

غزوۂ خیبر ۷ھ عرب مین یہودیون کی قوت کا سب سے بڑا مرکز خیبر تھا، یہود ہی اسلام کے خلاف تھے، بنی نضیر نے خیبر جلاوطن ہونے کے بعد یہان کے یہودیون کو بھڑکانا شروع کیا، قریب ہی عرب کا ممتاز قبیلہ غطفان آباد تھا، جو یہود خیبر کا حلیف وہم عہد تھا، سلام بن ابی الحقیق نے جو حیی بن اخطب کے بعد یہودیون کی مسند ریاست پر بیٹھا تھا، بڑا بااثر تھا، اس نے غطفان اور اس کے آس پاس کے قبائل کو مسلمانون کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا، اور ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریان کین[1]، آنحضرت صلعم کو اس کی فتنہ انگیزی کی خبر ہوئی تو آپکے ایماء سے ایک انصاری عبداللہ بن عتیک نے خیبر جاکر خاص سلام بن ابی الحقیق کو قتل کردیا،

سلام بن ابی الحقیق کے بعد اسیر بن رزام مسندِ ریاست پر بیٹھا، اس نے یہودیون کو جمع کر کے

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶،

ان سے کہا کہ میرے پیشروؤن نے محمد کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کی تھین وہ غلط تھین خود محمد کے دار الریاست پر براہ راست حملہ کرنا چاہئے"۔ چنانچہ غطفان وغیرہ کا دورہ کرکے مسلمانون کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر تیار کیا[۱]، آنحضرت صلعم کو اس کی تیاریون کی خبر ہوئی، تو آپ نے عبد اللہ بن رواحہ کو تحقیقات کے لئے بھیجا، انھون نے بذات خود تحقیقات کرکے اس کی تصدیق کی، آنحضرت صلعم نے پہلے مصالحت کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کی اور عبد اللہ بن رواحہ کو اس غرض سے اسیر کو لانے کے لئے بھیجا کہ مدینہ بلوا کر خیبر مین اس کی حکومت کی تصدیق فرما دین، چنانچہ اسیر عبد اللہ کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ مین اس کو بدگمانی پیدا ہوئی، اس نے عبد اللہ بن رواحہ کے ایک ہمراہی مسلمان عبد اللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، عبد اللہ نے اس کی بدنیتی پر اسے قتل کر دیا[۲]، اس کے قتل پر فریقین مین تلوارین نکل آئین، اسیر کے سب ساتھی مارے گئے، صرف ایک زندہ بچا،

یہودی پہلے سے تیاریان کر رہے تھے، اسیر کے قتل سے انھین ایک بہانہ ہاتھ آ گیا، اور وہ مسلمانون کے مقابلہ کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے، سب سے پہلے ان کے حلیف بنی فزارہ محرم ۷ھ مین ذی قرد کی چراگاہ پر جس مین آنحضرت صلعم کے مویشی چرا کرتے تھے، حملہ کرکے چند اونٹنیان لوٹ لے گئے، لیکن سلمہ بن اکوع صحابی رضی اللہ عنہ نے اس کا تعاقب کرکے اونٹنیان چھین لین[۳]،

اس واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم کو بھی ان کے مقابلہ مین آنا پڑا، چنانچہ آپ محرم ۷ھ مین سولہ سو مسلمانون کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھے، مقام رجیع مین عورتون اور بار برداری کا سامان چھوڑ کر خیبر روانہ ہوے، راستہ مین غطفان ہتھیار لگا کر نکلے لیکن یہ دیکھ کر کہ خود ان کا گھر خطرہ مین ہے، لوٹ گئے[۴]،

خیبر مین یہودیون کے چھ قلعے تھے، ان مین بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی موجود تھے، عرب کا مشہور بہادر مرحب بھی یہین رہتا تھا، مسلمانون کی نقل و حرکت دیکھ کر یہودیون نے سامان رسد

---

[۱] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۶۶ [۲] ایضاً [۳] بخاری غزوہ ذی قرد [۴] طبری ج ۳ ص ۱۵۷۵

قلعہ ناعم میں جمع کیا تھا اور فوجیں نطاط اور قموص میں تھیں، اس لئے مسلمانوں نے خیبر پہنچکر سب سے پہلے قلعہ ناعم پر حملہ کیا، لیکن یہاں کوئی بڑی فوجی قوت نہ تھی، اس لئے آسانی کے ساتھ فتح کر لیا، اور چھوٹے چھوٹے قلعے بھی آسانی کے ساتھ تسخیر ہوگئے، سب سے اہم قموص کا قلعہ تھا، مرحب اسی میں تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے اس کے لئے خاص اہتمام فرمایا اور پہلے یکے بادیگرے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا، لیکن قلعہ فتح نہ ہوسکا، دوسرے دن حضرت علیؓ کو علم مرحمت فرمایا، مرحب رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا، حضرت علیؓ نے اسے قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی یہودیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور بیس دن کے محاصرہ کے بعد قموص کا قلعہ فتح ہوگیا، اس معرکہ میں ترانوے یہودی اور پندرہ مسلمان مقتول ہوئے،

خیبر فتح ہونے کے بعد مسلمانوں نے زمینوں پر قبضہ کر لیا، یہودیوں نے درخواست کی کہ زمینیں ہمارے قبضہ میں رہنے دی جائیں، ہم اس کے معاوضہ میں نصف پیداوار دیا کرینگے آنحضرت صلعم نے منظور فرمالیا[1]، اس جنگ میں رئیس خیبر کی لڑکی صفیہ قید ہوئی تھیں اور حضرت دحیہ کلبیؓ کے حصہ میں پڑی تھیں، لیکن لوگوں نے اعتراض کیا کہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ دحیہ کے حصہ میں نہیں جاسکتی، رسول اللہ صلعم کے علاوہ اور کوئی اس کا اہل نہیں ہے، ان کے اعتراض پر آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا[2]،

خیبر فتح ہونے کے بعد بھی یہودیوں کی مخفی شرارتیں جاری رہیں، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب نے آنحضرت صلعم کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، آپ نے بہت کم نوش فرمایا تھا اس لئے آپ پر زہر کا اثر نہ ہوا، لیکن ایک دوسرے صحابی بشر بن براء ہلاک ہوگئے، آپ نے قصاص میں زینب کو قتل کرا دیا،

---

[1] فتوح البلدان بلاذری فتح خیبر۔ [2] صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا و ابوداؤد باب ما جاء فی سہم الصفی،

غزوۂ خیبر کے سلسلہ میں متعدد نئے احکام جاری ہوئے، درندے جانور، پنجہ والے پرندے گدھا اور خچر حرام قرار پائے، لونڈیوں سے تمتع کے لئے استبرا یعنی چند دنوں تک توقف کی قید ہوگئی، چاندی سونے کا تبادلہ بہ تفاضل حرام قرار دیا گیا،

وادی القریٰ خیبر کے بعد مسلمان وادی القریٰ کی سمت روانہ ہوئے، یہودی اس وقت بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے، اور تیر برسا کر آنحضرت صلعم کے غلام مدعم کو شہید کر دیا، اس لئے جنگ ہوگئی لیکن یہودیوں نے معمولی مقابلہ کے بعد سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط پر صلح کر لی[1]،

ادائے عمرہ اسی سال آنحضرت صلعم عمرہ کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور صلح حدیبیہ کے شرائط کے مطابق بغیر اسلحہ کے مکہ میں داخل ہوئے، کفارِ مکہ تین دن کے لئے شہر خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے، آنحضرت صلعم تین دن قیام کے بعد عمرہ پورا کر کے مدینہ واپس تشریف لائے "رمل" کی سنت اسی عمرہ میں جاری ہوئی،

غزوۂ موتہ ۸ھ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلعم کے قاصد حارث بن عمیر کو شرحبیل بن ابی بصریٰ نے قتل کر دیا تھا، آپ کو اس کا سخت صدمہ تھا، لیکن یہودیوں کی مخالفانہ روش کی وجہ سے ادھر توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، ان کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد زید بن حارثہ کو تین ہزار کی جمعیت کیساتھ حارث بن عمیر کے انتقام کے لئے بھیجا، اور ہدایت فرما دی کہ اگر زید شہید ہوں تو جعفر امیر ہوں، وہ شہید ہوں تو عبد اللہ بن رواحہ، شرحبیل کے جاسوسوں نے اسے مسلمانوں کی پیشقدمی کی خبر کر دی وہ ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لئے بڑھا، زید بن حارثہ نے آنحضرت صلعم کو اطلاع دینے کا قصد کیا، لیکن عبد اللہ بن رواحہ نے روک دیا، کہ ہمارا مقصد فتح مکہ نہیں بلکہ شہادت ہے، اور وہ ہر حالت میں حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ جوشِ شہادت میں تین ہزار مسلمانوں کا گروہ ایک لاکھ لشکر کے مقابلہ میں آیا، اس تناسب کے باوجود

---

[1] بیہقی باب الجہاد ذکر غلول،

مسلمانون نے بڑی بہادری اور جانبازی سے مقابلہ کیا، لیکن تین ہزار اور ایک لاکھ کا مقابلہ ہی کیا، زید رضؓ لڑتے لڑتے شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفر رضؓ نے علم سنبھالا، انھون نے بھی جام شہادت پیا، ان کے بعد عبداللہ بن رواحہ رضؓ نے علم لیا، یہ بھی مرتبۂ شہادت پر سرافراز ہوئے، سب سے آخر مین خالد بن ولید رضؓ کے ہاتھون مین علم آیا، یہ بڑی بہادری اور خوش تدبیری سے باقیماندہ فوج کو دشمنون کے نرغے سے نکال لائے، آنحضرت صلعم کو حضرت جعفر رضؓ کی شہادت کا سخت قلق ہوا، ان کی شہادت کی خبر سنکر آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے[۱]،

فتح مکہ ۸ھ اب تک جو واقعات پیش آئے وہ درحقیقت اصل مقصد کا دیباچہ تھے، آنحضرت صلعم کا سب سے مقدم فرض خانہ کعبہ کو جو دنیا مین توحید کا واحد مرکز تھا، بتون کی آلائیش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کی دشمنی اور قبائل عرب کی عام مخالفت نے اب تک اس کا موقع نہ دیا تھا، صلح حدیبیہ کی بدولت ایک مرتبہ مسلمان یادگار ابراہیمی کو نگاہ غلط انداز سے دیکھ آئے تھے، لیکن قریش زیادہ دنون تک صلح حدیبیہ پر بھی قائم نہ رہ سکے، حدیبیہ کی صلح کے مطابق قبیلہ بنی خزاعہ مسلمانون کا حلیف ہوگیا تھا، اور اس کے حریف بنی بکر، قریش کے معاہد ہوگئے تھے، لیکن ازروے معاہدہ فریقین مین سے کسی کو دوسرے کے حلیف پر ہاتھ اٹھانے کا حق حاصل نہ تھا، لیکن بنی بکر اور ان کی حمایت مین قریش نے اس کے خلاف عین حرم مین بنی خزاعہ کو قتل کیا، بنی خزاعہ آنحضرت صلعم کے پاس فریاد لے کر آئے، آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا کہ یا وہ مقتولین کا خونبہا ادا کرین، یا بنی بکر کی حمایت چھوڑ دین ورنہ اعلان کردین کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

یہ شرطین سنکر قریش کی جانب سے قرظہ بن عمرو نے کہا کہ ہم کو تیسری شرط منظور ہے[۲]، لیکن پھر آنحضرت صلعم کے قاصد کے واپس آنے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھون نے ابوسفیان کو

---

[۱] بخاری غزوہ موتہ وطبقات ابن سعد حصہ مغازی، [۲] زرقانی ج ۲ فتح مکہ،

فوراً تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ دوڑا یا لیکن اب آنحضرت صلعم کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا، اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کرنا آپ کا ضروری فرض تھا اس لئے آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی، ابوسفیان نے آپ سے مایوس ہو کر ابوبکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا، مگر ان بزرگوں نے انکار کر دیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ کے مشورہ سے حرم میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا،

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت صلعم نے تطہیر حرم کی تیاریاں شروع کر دین اور رمضان ۸ھ ۶۲۹ء مین دس ہزار فوجون کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے، راستہ مین معاہد قبائل ساتھ ہوتے جاتے تھے، قریب پہنچکر مکہ سے ایک منزل ادھر مرظہران مین مسلمانون نے منزل کی اوران کے دستے دور دور تک پھیل گئے، قریش مسلمانون کی روانگی کی خبر سن چکے تھے، انھون نے تحقیقات کے لئے ابوسفیان حکیم بن حزام، اور بدیل بن ورقا، کو بھیجا، یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرظہران پہنچے، ابوسفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑ گئی، وہ اس کے رفیق تھے، اس کی جان بچانے کے لئے اسے لے کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین پہنچے، لیکن خیمۂ نبوی کے محافظ دستے نے دیکھ لیا، حضرت عمرؓ کی نظر بھی پڑ گئی، وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے، اور آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! کفر کے کرادہی استیصال کا وقت آگیا لیکن حضرت عباسؓ آڑے آئے اور آنحضرت صلعم سے ابوسفیان کی جان بخشی اس وقت ابوسفیان کے تمام پچھلے اعمال سامنے تھے، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کی سازش ان مین سے ہر عمل اس کے خون کا دعویدار تھا لیکن رحمۃ للعالمین کی شان کچھ اس سے بھی بالاتر تھی تمام گناہون پر خط عفو پھیر دیا، پھر بھی ابوسفیان بدستور کفر و ضلالت پر قائم رہا، لیکن آخر مین حضرت عباسؓ کے ڈرانے سے کلمۂ توحید پڑھ لیا اور وہ سر پر غرور جو خدا کے سامنے بھی نہ جھکتا تھا، آستانِ نبوی پر خم ہو گیا،

اس کے بعد لشکرِ اسلام کا تلاطم مکہ کی طرف بڑھا، ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا، آنحضرت صلعم

نے ابوسفیان کو افواجِ الٰہی کا نظارہ کرانے کے لئے ایک بلند مقام پر بھیج دیا، تمام قبائل کے پرچم یکے با دیگرے گذرتے تھے، ابوسفیان افواجِ اسلامی کی ہیبت سے سہما جاتا تھا، سب سے آخر مین کوکبۂ نبوی نمودار ہوا، اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرت صلعم مسلمانون کے ساتھ اس سرزمین مین فاتحانہ داخل ہوئے جس سے انتہائی بے کسی کی حالت مین محروم کئے گئے تھے،

قریش مین دس ہزار فوج کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے ان کی جانون کے لالے پڑ گئے، لیکن رحمۃ للعالمین نے مکہ مین داخلہ کے بعد ہی اعلان کر دیا، کہ جو شخص ہتھیار ڈال دیگا، یا دروازہ بند کرے گا، یا ابوسفیان کے گھر مین چلا جائے گا، وہ مامون ہے[۱]، صرف چند خیرہ سرون نے معمولی سی مزاحمت کی، جن مین دو مسلمان شہید اور ۱۳ کفار مقتول ہوئے،

اس کے بعد آنحضرت صلعم "حرم کعبہ" مین گئے، اس وقت یہان تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلعم نے انھین لکڑی سے گرانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، خاص خانہ کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے، یہ سب نکالدیئے گئے، حضرت عمرؓ نے دیوار کی تصویرین مٹائین، ان آلائشون سے صفائی کے بعد آنحضرت صلعم نے حضرت بلالؓ و طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے، نمازِ شکرانہ ادا فرمائی، اس کے بعد جبابرۂ قریش کے روبرو توحید و رسالت پر حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا، جس کا خطاب نہ صرف عرب بلکہ سارے عالم سے تھا،

ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہین، اس کا کوئی شریک نہین، اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اس نے اپنے عاجز بندے کی مدد کی اور تمام جتھون کو تنہا توڑ دیا، ہان آج تمام مفاخر، سارے انتقامات و خونہائے قدیم سب میرے قدمون کے نیچے ہین،

اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور، اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام انسان آدم کی

---

[۱] اس عفو کا ذکر حدیث و طبقات کی تمام کتابون مین ہے،

نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"، اس کے بعد کلام مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی"

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمھارے قبیلے اور خاندان بنائے تاکہ ایک دوسرے سے پہچان لئے جاؤ، لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، خدا دانا اور واقفکار ہے

ان اللہ و رسولہ حرم بیع الخمر (بخاری)

خدا اور اسکے رسول نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی۔

خطبہ کے بعد آپ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے، ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کو مٹانے میں سب کے سرگروہ تھے، وہ بھی تھے جو پیکر اقدس کے ساتھ طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے، وہ بھی تھے جو ہر طرح کی اذیتیں پہنچاتے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے غریب مسلمانوں کو مشق ستم بنایا تھا، وہ بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلعم کے قتل کی سازشیں کی تھیں، آنحضرت صلعم نے انکی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا، کچھ معلوم ہے میں تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ اگرچہ یہ سرکش تھے، گمراہ تھے، اسلام کے دشمن تھے، لیکن مزاج شناس تھے بول اٹھے" اخ کریم و ابن اخ کریم" تو شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہے"۔ فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اذهبوا فانتم الطلقاء[1]" تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ اور چند اشتہاری مجرموں کے علاوہ سب کو امان دیدی۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رض نے بام کعبہ پر چڑھکر اذان دی، قریش کی قوت اور رعونت اگرچہ خاک میں مل چکی تھی، لیکن اب بھی جاہلی عصبیت باقی تھی، چنانچہ اذان کی آواز سنکر ان کی غیرت مشتعل ہوگئی، اور عتاب بن اسید کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا" خدا نے میرے باپ کی عزت

---

[1] ابن ہشام ج ۲ ص ۴۱۲۔

رکھ لی کہ اس آواز کو سننے کے لئے دنیا مین باقی نہ رکھا[۱]" تاہم ان کے لئے دامنِ رحمت کے علاوہ اور کوئی جاے پناہ باقی نہ رہ گئی تھی اور آنحضرت صلعم کے عفو عام نے اکثرون کے دلون سے اسلام کی تفرقت دور کردی تھی، اس لئے صدہا پر غرور سر آستانِ اسلام پر خم ہوگئے، آنحضرت صلعم مقام صفا مین ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے اور کفار جوق درجوق آکر بیعت اسلام سے مشرف ہوتے تھے، پندرہ یوم قیام کرنے کے بعد معاذ بن جبل کو نو مسلمون کی تعلیم کے لئے چھوڑ کر مدینہ واپس تشریف لائے،

غزوۂ حنین | فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا، اگرچہ فتح مکہ نے جبابرۂ قریش کی قوت توڑدی تھی اور اس کے بعد قبائلِ عرب نے عام طور پر اسلام قبول کرنا شروع کردیا، لیکن بعض سرکش قبائل پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان مین ہوازن اور ثقیف عرب کے بڑے ممتاز اور جنگ جو قبیلے تھے، اسلام کے اقتدار سے ان کا امتیاز ختم ہورہا تھا، اس لئے ہوازن کے رؤسا نے دورہ کرکے عرب قبائل کو مسلمانون کے خلاف بھڑکانا شروع کیا، اور سال بھر یہ کوشش جاری رہی، اتفاق سے آنحضرت صلعم کی مکہ سے روانگی کے وقت انھین یہ غلط خبر ملی کہ آپ ان پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہین، اس لئے وہ بڑے زور شور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے، اور میدانِ جنگ مین ثابت قدم رہنے کے لئے عورتون اور بچون کو بھی ساتھ لے لیا کہ ان کی لاج مین قدم نہ اکھڑنے پائین،

آنحضرت صلعم کو ان کی تیاریون کی خبر ملی تو ان پر عبد اللہ بن حدرد کو تحقیقات کے لئے بھیجا انھون نے حنین جاکر خفیہ تحقیقات کی، واقعہ صحیح نکلا، اس لئے آنحضرت صلعم شوال ۸ھ مین بارہ ہزار مسلمانون کو لے کر بڑے سروسامان کے ساتھ حنین روانہ ہوے، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد مین دشمن کے مقابلہ مین نکلے تھے، چنانچہ بعضون کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے،

---

[۱] سیرۃ ابن ہشام فتح مکہ، ۵۲ زرقانی،

حنین پہنچکر فریقین مین مقابلہ ہوا، خدا کو مسلمانون کا غرور پسند نہ آیا، اس لئے پہلے ہی حملہ مین اس بری طرح ان کے پاؤن اکھڑ گئے کہ آنحضرت صلعم کے پاس بھی کوئی باقی نہ رہ گیا، ہر طرف سے تیرون کا مینھ برس رہا تھا، لیکن پیکر اقدس اپنی جگہ قائم رہا، اور انصار کو آواز دی، جواب مین آواز آئی "ہم حاضر ہین" اس نازک حالت مین آپ سواری سے اتر پڑے اور جلال نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہون" حضرت عباسؓ نے آپکے حکم سے مہاجرین اور انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور اس جوش اور جانبازی کے ساتھ لڑے کہ دیکھتے دیکھتے لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار ان کے بے پناہ حملون کی تاب نہ لا سکے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے، بنی مالک نے استقلال دکھایا، لیکن ان کے سردار عثمان بن عبداللہ کے قتل کے بعد انھین بھی میدان چھوڑ دینا پڑا، جو باقی رہ گئے وہ زندہ گرفتار ہوئے اور بے شمار مال غنیمت مسلمانون کے ہاتھ آیا،

اوطاس حنین کے شکست خوردہ کفار کچھ اوطاس اور کچھ طائف مین جمع ہوے، ہوازن کا رئیس اعظم درید بن صمہ بھی کئی ہزار فوج لے کر اوطاس پہنچ گیا، اس لئے حنین سے واپسی مین آنحضرت صلعم نے ابو عامر اشعری کو تھوڑی فوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، درید کے لڑکے نے ابو عامر کو قتل کر کے علم چھین لیا، ابو موسیٰ اشعریؓ نے جھپٹ کر اس کا کام تمام کر دیا، اور علم واپس لے لیا[1]،

طائف کا محاصرہ بنی ثقیف کی ایک شاخ طائف مین آباد تھی، جو اپنی شجاعت و بہادری کے لحاظ سے سارے عرب مین ممتاز تھی، طائف کے گرد فصیل نما چہار دیواری اور قلعہ تھا، اس لئے حنین کی شکست خوردہ فوج کا ایک حصہ طائف چلا آیا تھا اور اہل شہر سے ملکر سامانِ رسد اور مقابلہ کے ضروری سامان جمع کر کے قلعہ بند ہو گیا[2]، اس لئے حنین سے فراغت کے بعد آنحضرت صلعم نے جنگ کا مال غنیمت جعرانہ بھجوا دیا اور خود طائف تشریف لے گئے، اور اس کا محاصرہ کر لیا، بیس دن محاصرہ قائم رہا، لیکن کامیابی

---

[1] مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۹ [2] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۲۲ و ابن سعد غزوہ اوطاس،

نہ ہوئی، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، اس لئے بیس دن کے بعد محاصرہ اٹھالیا،

تقسیم غنائم

طائف سے جعرانہ تشریف لائے، خیبر کے مالِ غنیمت مین بیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریان چار ہزار اوقیہ چاندی اور چھ ہزار قیدی بھی تھے، جعرانہ تشریف لانے کے بعد قیدیون کے بارہ مین کئی دن تک فدیہ کا انتظار کیا، جب کوئی چھڑانے نہین آیا، تو آپنے شرعی اصول کے مطابق کل مالِ غنیمت مسلمانون مین تقسیم کردیا اور تالیفِ قلب کے خیال سے اس کا زیادہ حصہ جدید الاسلام مسلمانون کو جن مین زیادہ تر جابرہ قریش تھے عطا فرمایا، اس سے بعض انصاریون کو شکایت پیدا ہوگئی، اور انھون نے غائبانہ کہا کہ "قریش کو مالِ غنیمت ملتا ہے، اور ہم جن کی تلوارون سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہین" بعضون نے کہا "مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے، اور غنیمت کے وقت دوسرون کی یاد ہوتی ہے"[1]

آنحضرت صلعم کو ان خیالات کی اطلاع ملی تو آپ نے انصار کو بلا کر پوچھا، انھون نے عرض کی کہ ہمارے سربرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا، ہان نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے، کچھ لوگون نے اقرار کیا، آپ نے ان کا ملالِ خاطر دور کرنے کے لئے خطبہ دیا "کیا یہ سچ نہین ہے کہ تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تمھاری ہدایت کی تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند بنایا" انصار ہر ہر ارشاد پر کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"[1]

آپ نے فرمایا نہین تم یہ جواب دو کہ محمد جس وقت لوگون نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگون نے تجھ کو چھوڑ دیا، اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی تو اپنے یہان سے مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح کی تیری مدد کی" تم یہ کہتے جاؤ مین جواب دیتا جاؤنگا کہ ہان تم سچ کہتے ہو

---

[1] بخاری ص ۶۲۰،

لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو لے کر اپنے گھر جاؤ"

یہ سحر آفرین خطبہ سنکر انصار چیخ اٹھے کہ ہم کو صرف محمدؐ صلعم درکار ہیں، اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، اس کے بعد آپنے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں، ان کو مین نے جو کچھ دیا ہے وہ کسی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ صرف تالیف قلب کے لئے[1]،

اسی سال آنحضرت صلعم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ کی صاحبزادی زینبؓ کا انتقال ہوا،

غزوۂ تبوک رجب ۹ھ ۶۳۰ء میں غزوۂ تبوک پیش آیا، تبوک عرب اور شام کی سرحد پر ایک مقام ہے، یہ رومیون کی حکومت میں تھا، روم اور عرب کے سرحدی علاقے میں رومی حکومت کی جانب سے عرب سردار حکومت کرتے تھے، شرحبیل والی بصریٰ بھی ان ہی سردارون میں تھا، جنگ موتہ کے بعد ہی رومیون نے عرب پر حملہ کا ارادہ کر لیا تھا اور شام کے غسانی خاندان کو جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا، اور رومی حکومت کے ماتحت حکومت کرتا تھا، اس مہم پر مامور کیا تھا، اس وقت سے عرب پر ان کے حملہ کی افواہیں برابر پھیلتی رہتی تھیں، اسی زمانہ میں شام کے نبطی سوداگرون نے جو مدینہ آیا کرتے تھے اطلاع دی کہ شام میں رومیون نے بہت بڑی فوج جمع کی ہے، اور اس کا مقدمۃ الجیش بلقا تک پہنچ چکا ہے، یہ بھی افواہ پھیل گئی کہ عیسائی عربون کی درخواست پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں بھیجی ہیں[2]،

چونکہ رومیون کی جانب سے عرصہ سے حملہ کا خطرہ تھا، اس لئے ان خبرون کے یقین کرنے مین کوئی تامل نہ ہوا، اور آنحضرت صلعم رجب ۹ھ میں حضرت علیؓ کو مدینہ میں چھوڑ کر تیس ہزار مسلمانون کے ساتھ جس میں دس ہزار سوار تھے، شام روانہ ہوئے، تبوک پہنچکر معلوم ہوا کہ حملہ کی افواہیں غلط

---

[1] یہ واقعات بخاری میں بھی اور فتح الباری میں بتفصیل ہیں، [2] مواہب لدنیہ،

تھین تاہم آپنے بیس دن تک تبوک مین قیام فرمایا ایلہ کے سردار یوحنا نے حاضر ہوکر جزیہ قبول کیا اور ایک خچر ہدیہ مین پیش کیا، آپنے اس کو ایک ردا عطا فرمائی، جربا، اور اذرح کے عیسائیون نے بھی آکر جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر قیصر کے ماتحت تھا اس کی جانب سے خطرہ تھا، اس لئے آپنے خالد بن ولید رضؓ کو چارسو آدمیون کے ساتھ دومۃ الجندل بھیجا، خالد رضؓ نے اُسے گرفتار کرلیا، اکیدر مصالحت کے لئے آمادہ ہوگیا، خالد رضؓ نے اسے اس شرط پر رہا کردیا کہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر شرائط صلح پیش کرے، بیس دن تبوک مین قیام کے بعد آس پاس کے حکمرانون کو جن کی جانب سے خطرات تھے مطیع بناکر مدینہ واپس تشریف لائے، یہین اکیدر حاضر خدمت ہوا، اور آپنے اسے امان نامہ عطا فرماکر واپس کردیا،

حج اور اعلان برأت | مکہ سنہ ۸ھ مین فتح ہوچکا تھا، لیکن اس سال مشرکین ہی کے اہتمام مین حج ادا ہوا تھا، اس لئے غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ سنہ ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر رضؓ کی امارت مین تین سو حجاج کا ایک قافلہ حج کے لئے روانہ فرمایا، اور حضرت علی رضؓ کو منصب نقابت تفویض ہوا، قرآن نے اس حج کو حج اکبر کہا ہے، اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا جب سنت ابراہیمی کے مطابق حج کے ارکان ادا ہوئے، اور خانۂ خدا مین عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کے آغاز کا اعلان کیا گیا، اور زمانۂ جاہلیت کی تمام رسمین باطل قرار پائین، مکہ پہنچکر حضرت ابوبکر رضؓ نے لوگون کو مناسک حج کی تعلیم دی، قربانی کے دن خطبہ مین مسائل حج بیان کئے، حضرت علی رضؓ نے سورۂ برأت کی چالیس آیتین پڑھکر سنائین اور اعلان کردیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ مین داخل نہ ہوسکے گا، کوئی برہنہ حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے ہین ان کے نقض عہد کے باعث آج سے چار مہینہ بعد لوٹ جائین گے،

اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا، اور سود حرام قرار پایا،

چھوٹے چھوٹے سریے

مذکورہ بالا غزوات کے علاوہ آنحضرت صلعم نے مختلف اوقات میں بکثرت چھوٹے چھوٹے دستے عرب کے مختلف حصوں میں بھیجے، انہیں اصطلاح میں "سرایا" کہا جاتا ہے، ان سرایا کو عموماً لوگ جنگی دستوں سے تعبیر کرتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے' یہ دستے مختلف ضروریات کے لئے بھیجے جاتے تھے، مثلاً

(۱) دشمنوں کی نقل و حرکت کی سراغ رسانی کے لئے،

(۲) دشمنوں کے حملے کی خبر سن کر مدافعت کے لئے،

(۳) قریش کے کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کے لئے،

(۴) امن وامان قائم کرنیکے لئے،

(۵) اشاعتِ اسلام کے لئے انہیں تاکید کردی جاتی تھی کہ وہ تلوار سے کام نہ لیں،

(۱) پہلی قسم کے سرایا میں عبداللہ بن جحش کا سریہ تھا، جسے آپنے سنہ ۲ھ میں مکہ کی طرف بھیجا تھا' اس میں صرف بارہ آدمی تھے اور ایک خط دے کر ہدایت فرمادی تھی کہ "دو دن بعد اسے کھولنا" دو دن بعد عبداللہ نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ "برابر بڑھتے چلے جاؤ اور مکہ اور طائف کے درمیان مقام نخلہ میں ٹھہر کر قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبریں معلوم کرو"

(۲) دوسری قسم یعنی مدافعت کے سرایا میں سریۂ غطفان سنہ ۳ھ، اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تھا کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کی ایک جماعت ذی امر میں حملہ کرنے کے قصد سے جمع ہوئی ہے، سریۂ ابوسلمہ سنہ ۴ھ طلحہ اور خویلد کے مقابلہ کے لئے جنکے متعلق معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت صلعم سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں بھیجا گیا تھا، سریۂ عبداللہ بن انیس سنہ ۴ھ، یہ ابوسفیان بن خالد کے جتھے کو جو مخالفانہ جمع ہوا تھا منتشر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، سریۂ فدک علی ابن ابی طالب سنہ ۶ھ یہ بنی سعد کے مقابلہ کے لئے جو جو یہود خیبر کی مدد کے لئے فدک میں جمع ہوئے تھے روانہ کیا گیا تھا، سریۂ بشیر بن سعد سنہ ۵ھ

اس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تھا کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب مین جمع ہوا ہے اور عیینہ بن حصن ان سے مل کر مسلمانون پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، سریہ ذات السلاسل سنہ ۸ھ عمرو بن العاص بہ قضاعہ کے مقابلہ کے لئے جو مدینہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے، بھیجا گیا تھا،

(۳) تیسری قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قریش نے مسلمانون کو حج اور عمرہ سے روک دیا تھا قریش کا مایۂ غرور ان کی تجارت تھی، اس کے رک جانے سے ان کو سخت نقصان پہنچتا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم نے ان کے کاروان تجارت کی روک ٹوک شروع کی تھی تاکہ قریش مجبور ہو کر مسلمانون کو کعبہ جانے کی اجازت دیدین، یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے سرایا صلح حدیبیہ سے پہلے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد جب قریش نے چند شرائط کے ساتھ عمرہ کی اجازت دیدی تو ان سرایا کا سلسلہ بند ہو گیا، اگرچہ ان سے مقصود صرف قریش کو دبکانا تھا، لیکن اس سلسلہ مین کبھی کبھی تصادم بھی ہو جاتا تھا،

(۴) چوتھی قسم کے سرایا کا سبب یہ تھا کہ قبائل عرب مین ہمیشہ جنگ وجدال کا سلسلہ برپا رہتا، ان کی وجہ سے راستے بالکل غیر محفوظ ہو گئے تھے، تجارتی قافلے دن دھاڑے لوٹ لئے جاتے تھے اسلام کا ایک اہم فرض امن عام قائم کرنا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم بدامنی کی خبر سنکر ان کے انسداد کے لئے سرایا روانہ فرماتے تھے، ان سرایا مین،

پہلا سریہ سنہ ۶ھ مین زید بن حارثہ کی سرکردگی مین بھیجا گیا تھا، اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت زیدؓ سامان تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے، واپسی مین مقام وادی القریٰ مین بنی خزارہ نے مار پیٹ کر کل سامان چھین لیا، آنحضرت صلعم نے ان لٹیرون کی تنبیہ کے لئے ایک دستہ روانہ فرمایا،

سریہ زید بن حارثہ سنہ ۶ھ، اس کا باعث یہ تھا کہ ایک شخص ہنید نے آنحضرت صلعم کے قاصد دحیہ کلبی کا جو قیصر روم کے پاس خط لے کر گئے تھے کل سامان چھین لیا تھا، آنحضرت صلعم نے اس کے بدلہ کے لئے زید بن حارثہؓ کو ایک جماعت کیساتھ روانہ فرمایا، اس قسم کے سریے عموماً خانہ بدوش

اور پیشہ ور غارتگر قبائل کی طرف بھیجے جاتے تھے، سریہ دومۃ الجندل اور سریہ خبط اسی قبیل کے سرایا مین تھے

(۵) پانچویں قسم اشاعتِ اسلام کے سرایا قبائل سارے عرب مین پھیلے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم کا فرض ان سب کے کانون تک اسلام کی آواز پہنچانا تھا، اس لئے آپ وقتاً فوقتاً اسلام کی اشاعت کے لئے ان مین مسلمانون کی جماعتین بھیجتے تھے، یا کبھی کبھی خود قبائل کی درخواست پر دعاۃ اور معلمین روانہ فرماتے تھے، اور چونکہ بدامنی عام تھی اس لئے یہ لوگ مسلح بھیجے جاتے تھے، کبھی کبھی ان مین اور مخالفینِ اسلام مین جنگ کی نوبت آجاتی تھی،

سریہ بیر معونہ ۳ھ، قبیلۂ کلاب کے رئیس نے آنحضرت صلعم سے اپنے یہان دعاۃ اسلام بھیجے کی درخواست کی تھی، اس کی درخواست پر آپ نے ستر مبلغین بھیجے تھے، بیر معونہ کے قریب یہ سب کے سب قبائل رعل اور ذکوان کے ہاتھون شہید ہوے، صرف ایک شخص بچ گیا جس نے مدینہ آکر اطلاع دی، سریہ مرثد بن ابی مرثد غنوی ۳ھ یہ دس مسلمانون کی جماعت تھی جو قبیلہ عضل اور قارہ کی درخواست پر ارشاد و تعلیم کے لئے بھیجی گئی تھی، مقام رجیع مین بنی لحیان نے حملہ کرکے ایک کے سوا سب کو شہید کر دیا، سریہ ابن ابی العوجاء ۷ھ اس مین ابن ابی العوجاء کی ماتحتی مین ستر مبلغین بنی سلیم کے پاس بھیجے گئے تھے، بنی سلیم نے ان کی دعوت کا جواب تیرون اور پتھرون سے دیا، مسلمانون نے بھی مجبوراً مقابلہ کیا، لیکن ابن ابی العوجاء کے سوا باقی سب شہید ہوئے، سریہ کعب بن عمیر ۸ھ یہ پندرہ مبلغین کی جماعت کعب بن عمرو غفاری کی ماتحتی مین ذات اطلاح اشاعت اسلام کے لئے بھیجی گئی تھی، یہان کے باشندون نے بھی بنی سلیم کی طرح تیر و تفنگ سے جواب دیا اور ایک کے سوا کل مسلمان شہید ہوئے،

اگرچہ یہ تبلیغی سرایا اپنی حفاظت کے لئے مسلح بھیجے جاتے تھے لیکن اُنھین خاص طور سے تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے، پھر بھی کبھی کبھی اتفاقیہ واقعات پیش آجاتے تھے

اگر یہ واقعات مسلمانون کی غلطی سے پیش آتے تو آنحضرت صلعم کو اس کا سخت صدمہ ہوتا اور آپ انکی پوری تلافی فرماتے تھے، فتح مکہ کے بعد آپنے خالد بن ولیدؓ کو تین آدمیون کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے بنی جذیمہ بھیجا اور چلتے چلتے تاکید فرمادی کہ "صرف اسلام کی دعوت دینا جنگ مقصود نہین ہے" لیکن خالدؓ نے غلطی سے تلوار اٹھادی اور بہت سے آدمی قتل ہوگئے، آنحضرت صلعم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی اور قبلہ رو کھڑے ہو کر فرمایا "خدایا مین خالدؓ کے اس فعل سے بری ہون" پھر حضرت علیؓ کو بھیجکر تمام مقتولین حتی کہ کتون تک کا خون بہا ادا فرمایا[1]،

اسی سلسلہ کی کڑی وہ سرایا بھی ہین جو مختلف اطراف مین بت شکنی کے لئے بھیجے گئے، سارے عرب مین صنمکدون کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، ہر ہر قبیلہ کا بت جدا تھا، اس لئے کوئی خطہ بتکدون سے خالی نہ تھا، فتح مکہ کے بعد اکثر قبائل مسلمان ہوچکے تھے اور انھون نے بت پرستی چھوڑدی تھی، لیکن صدیون کی پرستش کی وجہ سے ان کے دلون سے بتون کی ہیبت نہ مٹتی تھی اور وہ ان کو ہاتھ لگاتے ہوے ڈرتے تھے، طائف کے باشندون نے اسلام قبول کرتے وقت یہ شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک نہ توڑا جائے، لیکن آنحضرت صلعم نے مسترد فرمادیا، اس وقت انھون نے کہا اچھا ہم اپنے ہاتھون سے نہ توڑین گے، اس قسم کے خوف و ہراس کو مٹانے کے لئے راسخ العقیدہ مسلمان بتکدون کو توڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ سریہ خالد بن ولیدؓ عزی کے صنم کدہ کو، سریہ عمرو بن العاصؓ سواع کے بتخانے کو، سریہ سعد بن زیدؓ مناۃ کے صنم خانے کو، سریہ ابو سفیان ومغیرہ لات کی پرستش گاہ کو، سریہ جریرؓ ذی الخلصہ کے مندر کو، سریہ طفیل بن عمرو ذی الکفین کی مورت کو، سریہ علی بن ابی طالبؓ فلس کی عبادت گاہ کو توڑنے کے لئے بھیجے گئے تھے،

اس کے علاوہ ۶ھ مین سریہ عکاشہ بن محصن، سریہ علی بن ابی طالبؓ ۷ھ مین سریہ عمر بن الخطابؓ

---

[1] طبری ص ۱۶۵۱،

۸ھ میں، سریہ کعب بن عمرو چھوٹے چھوٹے سرایا مختلف سمتوں میں دشمنوں کی خبریں لے کر بھیجے گئے اور سرایا بھی ہیں، لیکن ان کا استقصا مقصود نہیں ہے، ان سب کے حالات ابن سعد اور زرقانی سے لئے گئے ہیں،

مذہبی انتظامات

تبلیغ و دعوتِ اسلام آنحضرت صلعم کا اصلی کام نہ صرف عرب بلکہ ساری مخلوق کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دنیا اور سارے عالم میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت تھا، لیکن کفار عرب کی مسلسل مزاحمت اس راہ میں سنگِ گراں بنی رہی، اس مزاحمت کی مدافعت نے جنگ کی شکل اختیار کرلی جس کے حالات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ یہ لڑائیاں مقصود بالذات نہ تھیں لیکن ان مزاحمتوں کے باوجود تبلیغ اسلام کا کام برابر جاری رہا اور آہستہ آہستہ اسلام پھیلتا رہا، اور جس قدر مزاحمتیں دور ہوتی گئیں، اسلام کی اشاعت کی رفتار بڑھتی گئی، تاآنکہ فتح مکہ کے بعد جب قریش کی قوت کا خاتمہ ہوگیا اور عربوں کا مذہبی مرکز کعبۃ اللہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا، اس وقت سارے عرب میں اسلام کی روشنی پھیل گئی اور یہی رسالت کا حقیقی کارنامہ ہے،

آنحضرت صلعم نے تبلیغ اسلام کے مختلف طریقے اختیار فرمائے، ابتدا میں تن تنہا، اشخاص سے مل کر، مجمعوں میلوں اور قبائل میں جاکر خدا کا پیغام پہنچاتے تھے، اس راہ میں آپ نے جو جو تکلیفیں اور صعوبتیں اٹھائیں، اس کے حالات اوپر گذر چکے، سابقین اولین اور انصار کی ابتدائی جماعت کا اسلام جو درحقیقت تبلیغ اسلام کا سنگِ بنیاد ہے، اسی دور کے مساعی کا نتیجہ ہے،

اس کے بعد جوں جوں اسلام میں تقویت آتی گئی، اس فریضہ کی ادائی میں اور زیادہ وسعت ہوتی گئی، تربیت یافتہ مبلغین اور چھوٹی چھوٹی تبلیغی جماعتیں مختلف قبائل اور مقامات میں بھیجی جانے لگیں، جس قبیلہ کا کوئی آدمی مسلمان ہوجاتا تھا وہ خود جاکر اپنے قبیلہ میں اسلام کی اشاعت کرتا تھا، امرا، اور فرمانرواؤں کے نام دعوت اسلام کے خطوط بھیجے گئے، ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے

ان مساعی کے ساتھ ایسے قدرتی اسباب بھی پیدا ہوتے گئے جو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بن گئے، اگرچہ سارا عرب کفر و بت پرستی میں مبتلا تھا، لیکن بعثت نبوی کے قبل ہی سے ان میں کچھ خدا پرست یا کم از کم متلاشی حق بھی موجود تھے، ورقہ بن نوفل، عبد اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ انہی متلاشیانِ حق میں تھے، اس جماعت میں سے جنھوں نے اسلام کا زمانہ پایا وہ خود اس دولت سے سرفراز ہوئے اور اپنے ساتھ اپنی زیر اثر جماعت کو بھی اس سے نوازا، مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ خود مسلمان ہوئے اور اپنے پورے قبیلہ کو مسلمان بنایا، پھر قبیلہ غفار کے اثر سے اس کا ہم جوار قبیلہ غفار مسلمان ہوا۔[1]

حضرت سلمان فارسیؓ بھی ان لوگوں میں تھے جو سالہا سال سے دین حق کی تلاش میں سرگرداں تھے، ان کے علاوہ متعدد متلاشیانِ حق، آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے بعض حالات میں خود قریش کی مخالفت تبلیغ کا سبب بنجاتی تھی، وہ آنحضرت صلعم کو "صابی" یعنی بے دین اور مجنون مشہور کرتے تھے، اور لوگوں کو آپکے پاس جانے سے روکتے تھے، اس سے ان میں قدرۃً آپ سے ملنے کا شوق پیدا ہوتا تھا اور وہ آپ سے ملنے کے بعد مسحور ہو جاتے تھے قبیلہ ازدشنوءہ کے رئیس ضماد بن ثعلبہ زمانہ جاہلیت کے آنحضرت صلعم کے دوست تھے ایک مرتبہ وہ مکہ آئے تو سنا محمد کو جنون ہو گیا ہے، انھیں جھاڑ پھونک میں دخل تھا، اس لئے ازراہ محبت و ہمدردی آپکے علاج کے لیے پہنچے آپنے ان کو کلام اللہ کی چند آیتیں سنائیں، ان کے سحر آفرین اثر سے وہ مسلمان ہو گئے، پھر ان کی دعوت پر ان کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[2]

طفیل بن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، قبائل پر شعراء کا بڑا اثر تھا، اس لئے قریش نے عمرو کو آنحضرت صلعم سے ملنے سے روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن ایک مرتبہ اتفاقیہ اس نے آپ کو

---

[1] مسلم باب اسلام ابی ذر، [2] مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ،

قرآن پڑھتے سن لیا اور اس کے اثر سے مسلمان ہوگیا، اس کے قبیلہ پر اس کے اسلام کا بڑا اثر پڑا[١]۔ بعض لوگ آپ کے دعویٰ نبوت کے حالات سنکر آپ سے ملنے کے شوق میں آتے تھے، اور نبوت کی پرتاثیر باتیں سنکر مسلمان ہوجاتے تھے، عمرو بن عبسہ ان ہی بزرگوں میں تھے، یہ آپ کے دعویٰ نبوت کے حالات سنکر مکہ آئے اور آنحضرت صلعم سے مل کر نبوت اور اسلام کے متعلق چند سوالات کر کے آپ کی پیروی پر آمادہ ہوگئے، لیکن اس وقت آپ کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے تھے، اس لئے واپس کردیا کہ اس حالت کے بدلنے کے بعد آنا، چنانچہ اس وقت وہ واپس چلے گئے اور ہجرت کے بعد دوبارہ حاضر خدمت ہوئے[٢]۔

اس طرح اسلام آہستہ آہستہ پھیلتا رہا، ۵ھ کے بعد جب غزوۂ احزاب میں مسلمانوں نے قریش، کنانہ، غطفان اور اسد کے متحدہ قبائل کو شکست دی اور قریش کا اثر کسی قدر کم ہوا، اس وقت ان قبائل نے جو اسلام کی طرف مائل تھے، لیکن قریش کے خوف سے اس کے اظہار کی ہمت نہ پڑتی تھی، وفود بھیجنے شروع کئے، چنانچہ قبیلہ مزینہ چار سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوا[٣]۔

اسی زمانہ میں قبیلہ اشجع کے سو آدمی مدینہ آئے اور آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہم لڑنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ہمارے آپ کے درمیان معاہدہ ہوجائے، آنحضرت صلعم نے قبول فرمایا، پھر صلح کے بعد یہ لوگ خود بخود مسلمان ہوگئے[٤]۔

قبیلہ جہینہ ان ہی قبائل کے آس پاس آباد تھا، وہ بھی آنحضرت صلعم کی دعوت پر مسلمان ہوگیا اور اکثر غزوات میں مسلمانوں کا شریک حال رہا[٥]۔

لیکن صلح حدیبیہ تک اشاعت اسلام کی رفتار سست رہی، صلح حدیبیہ کے بعد جب

---

١ زرقانی و مسلم کتاب الایمان، ٢ صحیح مسلم باب الاوقات التی نہی عن الصلوٰۃ فیہا، ٣ طبقات ابن سعد جزو اول قسم ٢ ص ٣٨، ٤ ایضاً ص ٤٨، ٥ اصابہ ج اول

مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا اس وقت مسلمانوں کے اخلاق و عمل اور اسلام کے زندہ پیکر کو دیکھ کر اور ان سے اسلام کو سمجھ کر بکثرت کفار مسلمان ہوئے طبری کا بیان ہے، کہ

"کوئی سمجھدار آدمی ایسا نہ تھا جس نے اسلام پر گفتگو کے بعد اس کو قبول نہ کر لیا ہو، جتنے لوگ شروع سے اس وقت تک مسلمان ہوئے تھے، صرف دو برسوں کے اندر ان کے برابر یا ان سے زیادہ تعداد میں مسلمان ہوئے[1]"

پھر بھی فتح مکہ تک یہ رفتار مقابلۃً سست رہی لیکن فتح مکہ کے بعد ہر طرف سے لوگ قبول اسلام کی جانب پیشقدمی کرنے لگے، اس کا سبب یہ تھا کہ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش سارے عرب کے مقتدا اور پیشوا تھے، اور سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں، فتح مکہ کے بعد جب کعبہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا اور قریش کی قوت ختم ہو گئی، اس وقت قبائل اسلام کی طرف ٹوٹ پڑے،

بخاری کی روایت ہے کہ عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے کہ محمد کو ان کی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلعم ان پر غالب آگئے تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی[2]

فتح مکہ کے بعد ایک طرف قبائل نے خود قبول اسلام کی جانب سبقت کی، دوسری طرف قریش کی قوت ختم ہونے کے بعد آنحضرت صلعم کو زیادہ آزادی اور وسعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کا موقع ملا، اور آپنے ہر طرف دعاۃ اور مبلغین روانہ فرمائے، ان میں سے بعض مبلغین اور مقامات کے نام یہ ہیں،

حضرت علی رضؓ	قبیلہ ہمدان، جذیمہ اور مذحج،

[1] طبری ص ۱۵۵۱، [2] بخاری باب فتح مکہ،

خالد بن ولیدؓ،	اطراف مکہ،
مغیرہ بن شعبہؓ،	بحرین
عمرو بن العاصؓ،	عمان،
وبر بن یخنسؓ	ابنائے فارس،
مہاجر بن ابی امیہؓ،	حارث بن عبد کلال شہزادۂ یمن،

عرب کے تمام صوبوں مین یمن سب سے زیادہ زرخیز و سیر حاصل اور عرب مین تمدن و تہذیب کا نہایت قدیم مرکز ہے، حمیر اور سبا کی عظیم الشان حکومتین یہین تھین، ہجرت سے پہلے یہان اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی، چنانچہ قبیلۂ دوس مین اسلام پھیل چکا تھا، لیکن یہان کا سب سے ممتاز اور بڑا قبیلہ ہمدان تھا، ۸ھ کے آخر مین آنحضرت صلعم نے خالد بن ولیدؓ کو ہمدان مین دعوتِ اسلام کے لئے یمن بھیجا، یہ چھ مہینے تک دعوت دیتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوئے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے انھین واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو ان کی جگہ بھیجا، آپ کی کوششون سے پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا،[1]

یمن ہی مین ایک دوسرا ممتاز قبیلہ مذحج تھا، ۱۰ھ مین آنحضرت صلعم نے ان مین تبلیغ اسلام کی خدمت بھی حضرت علیؓ کے سپرد کی، انھون نے جا کر اسلام کی دعوت دی لیکن اسکا جواب تیر اور پتھرون سے ملا، حضرت علیؓ نے بھی مدافعت کی، اس مدافعت مین بیس مذحجی کام آئے، باقی بھاگ نکلے، اس کے بعد خود رؤسائے قبائل نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، اور دوسرون کی طرف سے اسلام کا اعلان کیا،[2]

حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی دعوتِ اسلام

---

[1] زرقانی [2] ابن سعد حصہ مغازی

کے لئے یمن کے اضلاع مین بھیجے گئے[۱] یمن کے قریب ہی نجران کا علاقہ تھا، یہ عرب مین عیسائیت کا مرکز تھا، ان مین تبلیغ کی خدمت مغیرہ بن شعبہؓ کے سپرد ہوئی، عیسائیون نے قرآن پر بعض اعتراضات کئے، مغیرہؓ اُس کا جواب نہ دے سکے اور واپس چلے آئے[۲]، اس کے بعد خود ان عیسائیون کا ایک وفد مدینہ آیا،

نجران مین عیسائیون کے علاوہ مشرکین بھی آباد تھے ان مین ایک قبیلہ حارث بن زیاد تھا، ۱۰ھ مین آنحضرت صلعم نے خالد بن ولیدؓ کو نجران بھیجا، ان کی کوششون سے سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا[۳]

بحرین ایران کے حدود حکومت مین داخل تھا، یہان عرب قبائل بھی آباد تھے ان مین عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم مشہور خاندان تھے، عبد القیس کے قبیلہ کے ایک شخص منقذ بن حبان ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ مین مدینہ آئے، اور آنحضرت صلعم کی دعوت پر مسلمان ہوگئے، آنحضرت صلعم نے انکو ایک فرمان عطا کیا، وطن واپس جانے کے بعد منقذ نے اسلام کو مخفی رکھا، لیکن ان کی بیوی نے ایک دن ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اپنے باپ منذر سے شکایت کی انھون نے منقذ سے دریافت کیا، اور خود مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلعم کا فرمان لوگون کو پڑھ کر سنایا، اسے سن کر پورے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا[۴]

۸ھ مین آنحضرت صلعم نے علاء حضرمی کو بحرین بھیجا، اس زمانہ مین یہان حکومت ایران کی جانب سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اس نے اسلام قبول کیا، اور اس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہان مقیم تھے مسلمان ہوگئے[۵]، بحرین کے علاقہ ہجر کا حاکم سیبخت آنحضرت صلعم کی دعوت پر اسلام لایا،[۶]

عمان مین قبیلہ ازد تھا، عبید اور جعفر یہان کے حاکم تھے ۸ھ مین آنحضرت صلعم نے ابوزید

---

[۱] بخاری کتاب المغازی، [۲] ترمذی تفسیر سورۂ مریم، [۳] زرقانی ج ۳ ص ۱۱۲، [۴] زرقانی، [۵] ایضاً، [۶] فتوح البلدان بلاذری ذکر بحرین،

انصاری اور عبد بن الجلندی کو دعوتِ اسلام کا خط دے کر عمان بھیجا، ان دعوت پر دونوں سرداروں
نے اسلام قبول کر لیا، اور ان کی ترغیب سے یہان کے تمام عرب مشرف با سلام ہوئے[1]،

ان مقامات کے علاوہ عرب کے مختلف حصوں مین آنحضرت صلعم نے مبلغین روانہ فرمائے،
جنھون نے عرب کے گوشہ گوشہ مین اسلام کی روشنی پھیلائی، لیکن ان سب کا استقصار مقصود نہین ہے،
مبلغین کے علاوہ بعض آدمیون نے دور دراز مقامات سے آکر خود اسلام قبول کیا
اور واپس جاکر اپنے قبیلہ مین اسلام کی اشاعت کی، ان مین سے بعضون کے واقعات اوپر
گذر چکے ہین، ان مین طفیل بن عمرو دوسی، عروہ بن مسعود ثقفی، عامر بن شہر ہمدانی، ضمام بن ثعلبہ سعدی،
منقذ بن حبان، اور ثمامہ بن اثال کے نام لائقِ ذکر ہین،

عمال: جو مقامات اسلام کے زیرِ اثر آتے تھے وہان زکوٰۃ، عشر اور جزیہ وصول کرنے کے لئے جو
عمال بھیجے جاتے تھے وہ تحصیلِ مال کے ساتھ تبلیغ و ارشاد کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان
مین سے بعضون کے نام یہ ہین،

مہاجر بن ابی امیہ،	عامل صنعاء یمن	علاء حضرمی،	عامل بحرین،
زیاد بن لبید،	عامل حضرموت	حضرت ابو موسیٰ اشعری رض،	عامل زبید و عدن
خالد بن سعید	عامل صنعاء یمن	حضرت معاذ بن جبل رض،	عامل جند
عدی بن حاتم،	قبیلہ طے (اپنا وطن بھی یہی تھا)	جریر بن عبد اللہ بجلی،	ذو الکلاع حمیری

وفود: یہ آنحضرت صلعم کی جانب سے اسلام کا تبلیغی نظام تھا، اس کے علاوہ فتح مکہ کے بعد جب قبائل
نے خود قبولِ اسلام کی جانب سبقت کی تو بہت سے قبائل کے وفود نے مدینہ آکر اسلام قبول کیا
یا اپنے اپنے مقامات پر قبول کر چکے تھے، پھر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر اس کی تصدیق

[1] فتوح البلدان ذکر عمان،

کی بعض صرف سیاسی معاہدہ کے لئے آتے تھے اور آنحضرت صلعم سے گفتگو کے بعد مسلمان ہو جاتے تھے، یا محض معاہدہ کر کے واپس چلے جاتے تھے، اس قسم کے وفود کی تعداد باختلاف روایت پندرہ سے لے کر سو سے اوپر تک ہے، یہ وفود مختلف اوقات میں آتے رہے لیکن زیادہ تعداد بلکہ دو چار کے باقی کل فتح مکہ کے بعد آئے ان میں بعض کے نام یہ ہیں،

مزنیہ، اسد، تمیم، عبس، فزارہ، مرہ، ثعلبہ، محارب، سعد بن بکر، کلاب، عقیل بن کعب، بنی البکاء، کنانہ، اشجع، باہلہ، سلیم، ہلال بن عامر، عامر بن صعصعہ، ثقیف، ربیعہ، عبد قیس، بکر بن وائل، تغلب، حنیفہ، شیبان، طے، مراد، زبید، کندہ، صدف، سعد ہذیم، بلی، بہراء، عذرہ، سلامان، جہنیہ، کلب، جرم، ازد، غسان، حارث بن کعب، ہمدان، نخع، بجیلہ، خثعم، اشعریین، ازد، دوس، اسلم، جذام، مہرہ اور حمیر وغیرہ،

ان میں سے چند کے سوا اکثر دولت اسلام سے مشرف ہوئے، ابن سعد نے طبقات میں ان کے تفصیلی حالات لکھے ہیں[1]،

غرض چند برسوں کے اندر اندر سارے عرب میں اسلام پھیل گیا،

دعاۃ اور معلمین کی تعلیم دنیا کے بیشتر مذاہب میں مذہبی فرائض کی ادائی کے لئے خاندان اور طبقات مخصوص ہیں، یہودیوں میں اس خدمت کے لئے ایک مخصوص خاندان تھا، اس کے علاوہ دوسرا اسے انجام نہ دے سکتا تھا، عیسائیوں میں اگرچہ خاندان کی تخصیص نہ تھی لیکن ایک طبقہ نے ان خدمات کو اپنے لئے خاص کر لیا تھا، ہندوؤں میں برہمن کے علاوہ دوسرا اس کا مجاز نہیں، دوسری قوموں میں کم وبیش یہی حال ہے،

لیکن اسلام میں ہر مسلمان داعی مذہب، مبلغ، معلم، واعظ اور محتسب ہے، لیکن بغیر مذہبی تعلیم اور شریعت کے اوامر و نواہی سے واقفیت کے یہ فرض صحیح طور سے ادا نہیں کیا جا سکتا

[1] ابن سعد ج اول ق ۲ میں ان وفود کے تفصیلی حالات ہیں،

اور ہر شخص کو پوری تعلیم و تربیت کا موقع نہین مل سکتا، اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی جماعت تیار کیجائے جو شریعت کے اوامر و نواہی کی واقفیت کے ساتھ، شب و روز آنحضرت صلعم کی خدمت مین رہ کر اس طرح اسلامی رنگ مین ڈوب جائے کہ اس کی گفتار، کردار، نشست و برخاست، قول و عمل، ہر شے اسلامی تعلیمات کا زندہ نمونہ بنجائے،

آنحضرت صلعم نے مذہبی تعلیم و تربیت کے دو طریقے رکھے تھے، ایک غیر مستقل، جسمین عرب کے مختلف قبائل کے آدمی مدینہ آکر چند دن قیام کر کے ضروری مسائل سیکھ کر واپس جاتے تھے اور اپنے قبیلہ کو تعلیم دیتے تھے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ "عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کر کے دین مین تفقہ حاصل کرتا تھا"[1] اس قسم کے متعلمین کے حالات حدیث و طبقات کی کتابون مین بکثرت ہین، انھین چند دن تعلیم دینے کے بعد آپ ان کے قبیلہ مین واپس بھیج دیتے تھے، چنانچہ مالک بن الحویرث کی سفارت کو بیس دن کی تعلیم کے بعد حکم دیا کہ "اپنے خاندان مین واپس جاؤ، اور ان مین رہکر ان کو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے، اسی طرح نماز پڑھو"[2]

دوسرا طریقہ مستقل درس و تعلیم کا تھا، اور اس کے لئے صفہ کی درسگاہ مخصوص تھی، اس مین وہ لوگ تعلیم حاصل کرتے تھے، جو علائق دنیاوی سے کنارہ کش ہو کر اپنے کو دینی تعلیم اور عبادت و ریاضت کے لئے وقف کر دیتے تھے، اس درسگاہ مین دو حلقے تھے، ایک درس و تعلیم کا، دوسرا ذکر و فکر اور عبادت و ریاضت کا، سنن ابن ماجہ مین ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کاشانۂ اقدس سے برآمد ہوئے تو مسجد مین دو حلقے تھے، ایک حلقہ کے لوگ تلاوت و دعا مین مصروف تھے، اور دوسرے حلقہ کے تعلیم و تعلم مین، آپ نے دونون کی تحسین فرمائی اور خود یہ ارشاد

---

[1] تفسیر خازن تفسیر آیہ وما کان المومنون لینفروا کافۃ، [2] بخاری باب رحمۃ البہائم،

قرأۃ مین مصروف معلم بنا کر بھیجا گیا ہون، درس و تعلیم کے حلقہ مین بیٹھ گئے[1]،

صفہ کی درسگاہ مین رسول اللہ صلعم کے علاوہ اکابر صاحب علم صحابہ بھی تعلیم دیتے تھے، حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ مین نے اصحاب صفہ مین سے چند لوگون کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی، ان مین سے ایک شخص نے مجھ کو کمان ہدیہ دی[2]،

ان کا سارا وقت درس و تعلیم مین گذرتا تھا، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ مین سے ستر اشخاص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس مین مشغول رہتے تھے[3]،

حضرت ابوہریرہؓ جو اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے بیان ہے کہ ہمارے مہاجر بھائی بازارون مین اپنی کاروبار مین لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی کھیتی باڑی کی دیکھ بھال مین، مین محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت صلعم کی خدمت مین گذرتا تھا، اور جن اوقات مین وہ لوگ موجود نہ ہوتے تھے مین موجود رہتا تھا، اور جن چیزون کو وہ بھلا دیتے تھے مین محفوظ رکھتا تھا[4]،

اصحاب صفہ کی زندگی نہایت پر مشقت اور پر محن تھی، کھانے کا کوئی سہارا نہ تھا، پہننے کے لئے صرف ایک کپڑا ہوتا تھا جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنون کی طرف چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونون کا کام دیتا تھا[5]،

ان مین سے کچھ لوگ دن کو شیرین پانی بھر لاتے اور جنگل سے لکڑیان چن لاتے اور ان کو بیچ کر ان کی آمدنی سے گذر اوقات کرتے تھے[6]،

اس درسگاہ کے تعلیم یافتہ لوگون کو قراء کہا جاتا تھا، یہ لوگ تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لئے

---

[1] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، [2] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی کسب المعلم،
[3] مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷، [4] مسلم فضائل ابی ہریرہ، [5] بخاری [6] مسلم کتاب الامارۃ باب
ثبوت الجنۃ للشہید،

مختلف مقامات پر بھیجے جاتے تھے، چنانچہ قبیلۂ عرنیہ کی درخواست پر ان ہی میں سے ستر قرار کتاب وسنت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، جن کو ان لوگون نے دھوکے سے شہید کر دیا تھا[1]،

عہد نبوی میں ان قرار کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہو گئی تھی، چنانچہ یمامہ کی جنگ مین جو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی آغاز عہد صدیقی مین ہوئی، ستر حفاظ شہید ہوئے،

تعمیر مساجد | اسلام کا سب سے بڑا مقصد عبادت اور تسبیح وتقدیس الٰہی تھا، اس لئے مسجد کی تعمیر سب سے مقدم فرض تھا، عبادت وریاضت کے علاوہ مسجد مسلمانون کی اجتماعی زندگی کا مرکز بھی تھی، جہان مسلمان دن مین پانچ مرتبہ جمع ہوتے تھے، اسی لئے رسول اللہ صلعم نے نماز باجماعت کی سخت تاکید فرمائی ہے،

جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تھا تو اس کے لئے مسجد ضروری ہو جاتی تھی، بڑی بڑی آبادیون مین ایک ایک مقام پر کئی کئی مسجدون کی ضرورت پیش آجاتی تھی، چنانچہ عہد نبوی مین صرف مدینہ مین مسجد نبوی کے علاوہ نو مسجدین تھین جن مین علٰحدہ علٰحدہ نماز ہوتی تھی، ان کے نام یہ ہین:

مسجد بنی عمرو، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی راتج، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد بنی اسلم، مسجد جہینہ،

ان کے علاوہ مختلف مقامات پر حسب ذیل مساجد کے نام ملتے ہین،

مسجد بنی خدرہ، مسجد بنی امیہ (انصار کا ایک قبیلہ) مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی الحبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد ابی فیصلی، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد النابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بلحارث بن خزرج، مسجد بنی حطمہ، مسجد الفضیح، مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبدالاشہل، مسجد واقم، مسجد بنی معاویہ،

---

[1] مسلم کتاب الامارت باب ثبوت الجنۃ للشہید،

مسجد عائشہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل، مسجد الشجرہ[1]،

غرض آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت عرب کے گوشہ گوشہ مین خدائے واحد کا گھر تعمیر ہو گیا تھا جہان ہر روز پانچ وقت اسکا نام لیا جاتا تھا،

ائمۂ نماز — مساجد کی تعمیر کے ساتھ ان کے لئے ائمہ بھی مقرر فرماتے تھے، معمولاً ہر قبیلہ کے بڑے حافظ قرآن کو یہ منصب عطا ہوتا تھا اور اس مین آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کا فرق نہ تھا، غلام آقاؤن کی امامت کرتے تھے، ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ مین جو مہاجرین آچکے تھے، حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ اُن کی امامت کرتے تھے، آپنے امام کے انتخاب کے لئے یہ اصول مقرر فرمایا تھا کہ "جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا ہوا گر اس وصف مین سب برابر ہون تو ان مین جو سب سے زیادہ سنت سے واقف ہو، اگر اس مین بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر اس مین بھی برابر ہون تو جس کی عمر زیادہ ہو[2]"

جن جن مقامون پر مدینہ سے عمال مقرر ہو کر جاتے تھے عموماً وہی وہان کے امام بھی ہوتے تھے[3] بعض بڑے مقامون پر عامل اور امام کے فرائض علٰحدہ علٰحدہ دو شخصون سے بھی متعلق ہوتے تھے،

سیرت کی کتابون مین عہد نبویؐ کے امامون کی نام بہ نام تفصیل نہین ملتی، مختلف روایات اور بیانات سے حسب ذیل امامون کا پتہ چلتا ہے،

مصعب بن عمیرؓ	مدینہ منورہ	ہجرت نبوی سے پہلے مدینہ مین انصار کی امامت کرتے تھے،
سالمؓ (حضرت ابو حذیفہؓ		ہجرت نبویؐ سے پہلے مہاجرین مدینہ

[1] عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۴۶۸، [2] مسلم [3] مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۸،

کے آزاد کردہ غلام)	مدینہ	کی امامت کرتے تھے،
ابن ام مکتوم رضؓ	؍؍	موذن تھے اور آنحضرت صلعم کے مدینہ سے باہر تشریف لیجانے کے زمانہ مین امامت کی خدمت بھی انجام دیتے تھے،
حضرت ابوبکرؓ،	؍؍	آنحضرت صلعم کے مرض الموت مین امامت کی خدمت انجام دی تھی،
عتبان بن مالکؓ،	بنی سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
معاذ بن جبلؓ	بنی سلمہ	اپنے قبیلہ کے امام تھے،
ایک انصاریؓ،	مسجد قبا	؍؍
عمرو بن سلمہؓ،	بنی جرم	؍؍
اسید بن حضیرؓ	؍؍	؍؍
انس بن مالکؓ یا کوئی اور صحابی،	بنی نجار	؍؍
مالک بن حویرثؓ،	.	؍؍
عتاب بن اسیدؓ	مکہ	؍؍
عثمان بن ابی العاصؓ،	طائف	؍؍
ابوزید انصاریؓ،	عمان	؍؍

موذنین غالباً اذان کی خدمت کے لئے کوئی خاص شخص نہین ہوتا تھا، تاہم چند بزرگ اس خدمت کے لئے مخصوص تھے،

حضرت بلالؓ	مدینہ منورہ	مسجد نبوی
ابن ام مکتومؓ		〃
سعد القرظؓ	عوالی مدینہ	مسجد قبا
ابو محذورہ جمحیؓ	مکہ	مسجد حرام

غرض آنحضرت صلعم نے دنیا سے سفر کرنے سے پیشتر خدائے واحد کی عبادت کے جملہ انتظامات مکمل فرمائے،

تاسیس حکومتِ الٰہی

آنحضرت صلعم کی بعثت کا حقیقی مقصد، دعوتِ توحید، اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفوس تھا، اس کے علاوہ دوسرے کام ضمنی تھے اور صرف اس حد تک جس حد تک مذکورہ بالا مقاصد کے حصول میں معاون اور قیامِ امن کے لئے ضروری تھے، اسلام دنیا میں شاہنشاہی قائم کرنے کے نہیں، بلکہ اسے مٹانے اور اس کے خرابہ پر خلافتِ الٰہی قائم کرنے کے لئے آیا تھا اور اپنے ساتھ ایک دائمی شریعت اور ایک مکمل قانون لایا تھا، جو انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن تھا، اس قانون کے تحفظ نفاذ اور قیامِ امن کے لئے ایک نظام کی ضرورت تھی، اس لئے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ خلافتِ الٰہیہ کی بھی تشکیل ہوتی گئی یہ کوئی شاہنشاہی نظام نہ تھا، بلکہ اسلام کی محدود ضروریات کے مطابق ایک سادہ اور مختصر نظامِ حکومت تھا، وقتاً فوقتاً جو ضروریات پیش آتی جاتی تھیں ان کے مطابق نظام بنتا جاتا تھا،

اگرچہ ذاتِ اقدس جملہ مذہبی و انتظامی امور کا مرجع تھی لیکن تنہا ایک ذات عظیم الشان

ؔ ان کے نام حدیث کی تمام کتابوں میں ہیں،

مذہبی ذمہ داریوں کے ساتھ انتظامی امور کی متکفل نہیں ہوسکتی تھی، اس لیئے آپنے مختلف شعبے قائم کرکے انھیں اکابر صحابہ کرام کے متعلق فرمادیا تھا، وہ سادہ نظامِ حکومت یہ تھا،

فوج اور امیر العسکری چونکہ اسلام جنگ و جدل کے لیئے نہیں آیا تھا اس لیئے اس کی کوئی باقاعدہ اور منتظم فوج بھی نہ تھی، لیکن حق و باطل کی معرکہ آرائی کے وقت ہر مسلمان مجاہد تھا، اور ابوبکر صدیق رضؓ سے لے کر ایک معمولی غلام تک میدانِ جہاد میں سربکف نظر آتا تھا، بڑے بڑے معرکوں میں آنحضرت صلعم بہ نفسِ نفیس قیادت فرماتے تھے، بدر، احد، خیبر اور فتح مکہ وغیرہ میں آپ ہی امیر العسکر تھے کہ ان معرکوں کا مقصد خونریزی اور فتح نہ تھا، بلکہ فوج کی اخلاقی و روحانی نگرانی اور اصول وآئینِ جنگ کی تاسیس بھی تھا، مجاہدینِ اسلام کی جن جزئی بے اعتدالیوں پر آپنے گرفت فرمائی اس کی تصریح غزوات کے حالات میں موجود ہے لیکن چھوٹے چھوٹے سرایا میں کبار صحابہ امیر العسکر ہوتے تھے جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں،

افتا افتا کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے، لیکن بعض صاحبِ علم صحابہ بھی اس خدمت کو بجالاتے تھے،

مقدمات کا فیصلہ مدینہ اور حوالی مدینہ کے قضیے آپ خود فیصل فرماتے تھے، لیکن دور دراز مقامات پر وہ صاحبِ علم صحابہ جو معلم بنا کر بھیجے جاتے تھے اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت علی رضؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو آپنے یمن کا قاضی مقرر فرمایا تھا، بعض اور مثالیں آئندہ آئیں گے،

کاتب آپ دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجتے تھے، قبائل و اقوام سے تحریری معاہدے ہوتے تھے، مسلمان قبائل اور عمال و محصلین کو احکام و ہدایات بھیجتے تھے، اس لئے کتابت کا شعبہ نہایت ضروری تھا، اس کا کوئی باضابطہ محکمہ نہ تھا لیکن بہت سے صحابہ اس خدمت کو انجام دیتے تھے، حضرت زید بن ثابت رضؓ انصاری اور آخر میں امیر معاویہ کاتبِ وحی تھے،

احتساب یعنی قوم کے اخلاق و عادات، بیع وشراء اور معاملات داد وستد کی نگرانی کا باقاعدہ محکمہ عہد نبوی میں نہ تھا، لیکن اس کی بنیاد اسی زمانہ میں پڑگئی تھی، آپ بہ نفس نفیس ان امور کی نگرانی فرماتے تھے، لوگوں کو جزئیات اخلاق کی تعلیم دیتے تھے اور اس قسم کی فروگذاشتوں پر مواخذہ فرماتے تھے، تجارت میں آپنے بہت سی اصلاحات جاری کیں اور ان پر سختی کے ساتھ عمل کرایا، جو لوگ تخمینہ سے غلہ خریدتے تھے، ان کو اس بات پر سزا دیجاتی تھی کہ اپنے گھروں میں منتقل کرنے سے پہلے اس کو خود اسی جگہ بیچ دیں[1]،

کبھی کبھی تحقیقات کے لئے خود بازار تشریف لیجاتے تھے، ایک بار آپ بازار سے گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے پوچھا، اس نے جواب دیا بارش سے بھیگ گیا ہے، فرمایا تو اس کو اوپر کیوں نہیں کر دیا کہ ہر شخص کو نظر آتا، جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ہم میں سے نہیں ہیں[2]،

عمال کا جائزہ فرائض احتساب میں سب سے مقدم فرض عمال کا احتساب ہے، چنانچہ جب عمال زکوٰۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تھے تو آپ جائزہ لیتے تھے کہ انھوں نے کوئی ناجائز طریقہ تو نہیں اختیار کیا ہے، ایک مرتبہ ایک صحابی ابن اللیتبہ کا جو صدقہ وصول کر کے لائے تھے جائزہ لیا، انھوں نے کہا یہ مال مسلمانوں کا ہے، اور یہ مجھ کو ہدیۃً ملا ہے، آپنے فرمایا "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا" اس کے بعد ایک عام خطبہ دیا جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی[3]،

حکام اور ولاۃ مقدمات کے فیصلہ، اقامت عدل اور قیام امن کے لئے مختلف مقامات پر حکام و ولاۃ مقرر فرمائے، ان حکام اور ان کے مقاموں کے نام یہ ہیں،

باذان بن ساسان	بہرام گور کے خاندان سے تھے، سلاطین عجم میں سب سے پہلے

[1] بخاری کتاب البیوع [2] صحیح مسلم کتاب الایمان [3] بخاری کتاب الاحکام،

	مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان کو یمن کا والی مقرر فرمایا،
شہر بن باذانؓ،	باذان بن ساسان کے بعد صنعار کے والی مقرر ہوئے،
خالد بن سعیدؓ بن العاص،	شہر بن باذان مارے گئے تو ان کی جگہ والی مقرر ہوئے،
مہاجر بن ابی امیہؓ مخزومی،	آپ نے ان کو کندہ اور صدف کا والی مقرر فرمایا تھا لیکن وہ ابھی روانہ نہ ہوئے تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا،
زیادہ بن لبیدؓ انصاری،	والی حضرموت،
معاذؓ بن جبل،	والی جند،
عمروؓ بن حزم،	والی نجران،
یزیدؓ بن ابی سفیان،	والی تیمار،
عتاب بن اُسیدؓ،	والی مکہ،
علیؓ بن ابی طالب،	متولی اخماس یمن،
عمروؓ بن العاص،	والی عمان،
علاءؓ بن حضرمی،	والی بحرین،

محصلین اگرچہ مسلمانوں کا جوش ایمان ہر قبیلہ کو اپنے صدقات و زکوٰۃ خود لاکر پیش کرنے پر آمادہ کردیتا تھا، لیکن ایک وسیع ملک کے محاصل کی تحصیل کے لئے ایک باقاعدہ نظام کی ضرورت تھی، اس ضرورت کے لئے آنحضرت صلعم نے ہر قبیلہ مین صدقہ اور زکوٰۃ کے محصل مقرر فرمائے، عموماً ہر قبیلہ کے سردار کو یہ منصب سپرد ہوتا تھا، ان کے نام یہ ہین،

مقام	نام محصل	مقام	نام محصل
بنو لیث	ابو جہم بن حذیفہ	طے و بنی اسد	عدی بن حاتم
بنی ہذیم	ایک ہذیمی	بنی عمرو	صفوان بن صفوان
مدینہ	عمر فاروق	بنو حنظلہ	مالک بن نویرہ
نجران	عبیدہ بن الجراح	غفار و اسلم	بریدہ بن حصیب اسلمی
شہر خیبر	عبداللہ بن رواحہ	سلیم و مزینہ	عباد بن بشر الاشہلی
حضر موت	زیاد بن لبید	جہینہ	رافع بن مکیث جہنی
صوبہ یمن	ابو موسیٰ اشعری	بنو سعد	زبرقان بن بدر
"	خالد بن ولید	"	قیس بن عاصم
بحرین	آبان بن سعید	بنو فزارہ	عمرو بن العاص
تیمار	عمرو بن سعید بن العاص	بنو کلاب	ضحاک بن سفیان کلابی
تحصیل خمس	محمید بن جزر	بنو کعب	بسر بن سفیان الکعبی
بنو تمیم	عیینہ بن حصن فزاری	بنو ذبیان	عبداللہ بن اللتبیہ

یہ محصلین قوانین صدقات و زکوٰۃ کے عالم ہوتے تھے انکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جسمین بہ تصریح بتا دیا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد مین زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے، چھانٹ کر مال لینے اور حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی،

محاصل کے اقسام اور اُس کے مصارف

عہد نبوی مین محاصل کی پانچ قسمین تھین غنیمت، ف، زکوٰۃ، جزیہ اور خراج، **غنیمت** یعنی جو مال دشمنون سے فتح کے موقع پر ملتا تھا یہ کوئی مستقل آمدنی نہ تھی، اس کو قرآن نے خدا کی ملک قرار دیا ہے اور اس کا پانچوان حصہ خدا اور رسول کے نام

سے حکومت کے مصالح اور اغراض کے لئے مخصوص کر دیا ہے، یعنی یہ سپاہیون کی ملکیت نہین ہے، بلکہ امامِ وقت مصالح کی بنا پر جس مصرف مین چاہے اس کو صرف کر سکتا ہے،

لیکن ایک دو موقع کے علاوہ رسول اللہ صلعم خمس نکالنے کے بعد کل مالِ غنیمت مجاہدین مین برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے، سوار سپاہیون کو تین حصے ملتے تھے، اور پیدل کو ایک بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ سوار کو دو ملتے تھے[1] خمس کا مال بھی عموماً آپ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور غریب الدیار مسافرین مین تقسیم فرما دیتے تھے،

زکوٰۃ، صرف مسلمانون پر فرض تھی اور چار مدون سے وصول ہوتی تھی، نقد روپیہ پھل[1] اور پیداوار[2]، مویشی[3] (باستثنائے گھوڑے) اسباب وسامانِ تجارت[4]،

دو سو درہم چاندی اور بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی، پیداوار کی زکوٰۃ کے لئے پیداوار کا پانچ وسق سے زیادہ ہونا ضروری تھا، مویشیون کی زکوٰۃ مختلف جنس کی مختلف تعداد کے لحاظ سے ہے، پیداوار مین جو بارش یا بہتے پانی سے ہوتی ہے، اس مین دسوان حصہ ہے اور جو آبپاشی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس مین بیسوان حصہ[5]،

زکوٰۃ کے مصرف کی تعیین خود قرآن نے کر دی ہے، فقراء، مساکین، نو مسلم، وہ غلام جن کو آزاد کرانا ہو، مقروض، مسافر، محصلینِ زکوٰۃ کی تنخواہین،

جزیہ، غیر مسلم رعایا سے اُن کی حفاظت کی ذمہ داری کے معاوضہ مین لیا جاتا تھا، اسکی تعداد متعین نہ تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے زمانہ مین ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتین اور بوڑھے اس مین داخل نہ تھے،

[1] ابوداؤد حکم ارض خیبر، [2] ایضاً کتاب الزکوٰۃ باب العروض اذا کانت للتجارۃ [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ و بخاری ج اول ص ۲۰۱،

خراج غیر مسلم کاشتکاروں سے حق مالکانہ کے معاوضہ مین زمین کی پیداوار کا جس قدر حصہ باہمی مفاہمت سے طے ہو جائے، خیبر، فدک، وادی القرٰی اور تیما، وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا،

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیون کی تنخواہ اور جنگی مصارف مین صرف ہوتی تھی جو کچھ وصول ہو کر آتا تھا، آنحضرت صلعم اسی وقت مجاہدین مین تقسیم فرما دیتے۔ ان سب کے نام درج رجسٹر تھے، اہل وعیال والون کو دو حصے ملتے تھے اور مجرد کو ایک۔

شریعت کی تاسیس وتکمیل تمام مذاہب عالم مین یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ تنہا دعاؤن اور عبادات کا مجموعہ نہین ہے، بلکہ اپنے پیروون کے تزکیہ اخلاق، اوران کی اُخروی فوز وفلاح کے ساتھ ان کے جملہ دنیاوی ضروریات کا بھی کفیل ہی اس لئے وہ اپنے ساتھ ایسا مکمل قانون لایا جو مسلمانون کی روحانی تربیت کے ساتھ ان کی دنیاوی اور مادی زندگی کے تمام شعبون پر بھی حاوی ہے، اور امت مسلمہ کے لئے دستور حیات بھی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے اسلام مین اصولی ضابطہ موجود ہے، اس قانون کو اسلامی اصطلاح مین شریعت کہتے ہین، اس قانون کی تاسیس کا آغاز بعثت نبوی سے ہوا اور اختتام آپ کی وفات پر یعنی کامل تیئیس سال کی مدت مین حسب ضرورت بہ تدریج مکمل ہوتا رہا، اس کی چار شاخین ہین، عقائد، عبادات، معاملات اور عام اخلاق ان مین سے دو یعنی عقائد وعبادات خدا اور بندہ کے درمیانی تعلقات اور تزکیہ روح واخلاق سے متعلق ہین، اور دو یعنی معاملات اور اخلاق انسانون کے باہمی تعلقات سے متعلق ہین، عقائد مین توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، اور حشر ونشر اور سزا وجزا، پر ایمان، عبادات مین نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پر عمل (حلال وحرام کے ضوابط بھی اسی سے متعلق ہین،) معاملات، وراثت وصیت، وقف، نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات تجارت

اور لین دین وغیرہ، یعنی مسلمانون کی دنیاوی معاشرتی زندگی سے متعلق ضوابط و قواعد، اخلاق، انسانون کے ایک دوسرے کے ساتھ اخلاقی فرائض،

کلام اللہ مین ان سب کے متعلق اصولی احکام موجود ہین، رسول اللہ صلعم نے اپنے قول سے ان کے جزئیات کی تشریح فرماکر اور عملاً ان کو برت کر دکھایا، اور اپنی زندگی مین ایک جماعت نمونہ عمل بنادی، اسلامی شریعت خود ایک مستقل اور وسیع موضوع ہے، لیکن اسکی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے، یہ مذہب اسلام پر لکھنے والے کا کام ہے،

حجۃ الوداع

جب سارے عرب مین اسلام پھیل چکا، خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آچکی، اسلام کے عقائد، اعمال اور شریعت کے اصول و فروع کی تکمیل ہوچکی، حکومت الٰہی کا قیام عمل مین آچکا، اور سارے عالم کی رہنمائی کے لئے ایک جماعت تیار ہوچکی، اس وقت یہ حکم نازل ہوا،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ	جب خدا کی مدد آچکی اور تم نے دیکھ لیا کہ
النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ	لوگ خدا کے دین مین فوج در فوج داخل
اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ	ہو رہے ہین تو خدا کی حمد کی تسبیح پڑھو اور
اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا	استغفار کرو، خدا توبہ قبول کرنے والا ہے،

اسلئے آنحضرت صلعم کو یہ منشاے الٰہی معلوم ہوگیا کہ اب آپ کے کام ختم ہوچکے اور دنیا مین آپکے رہنے کی ضرورت باقی نہین رہی، اس لئے آنحضرت صلعم نے جزیرۃ العرب کے مسلمانون کے سامنے خصوصاً اور ساری دنیا کے لئے عموماً اسلام، اس کی شریعت اور اخلاق کے تمام اساسی اصولون کا اعلان کرنے کے لئے حج کا اعلان فرمایا، اس خبر کے پھیلتے ہی مسلمانون کا ایک انبوہ

شرف ہمرکابی کے لئے امنڈ آیا، اور ۲۶ ذیقعدہ سنہ ۱۰ھ کو آپ مدینہ سے مکہ روانہ ہوئے، تمام ازواجِ مطہرات ساتھ تھیں، ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا، اس وقت انسانوں کے ہجوم کا یہ حال تھا کہ آگے پیچھے، دائیں بائیں جہاں تک نظر جاتی تھی انسانوں کا دریا متلاطم نظر آتا تھا، آنحضرت صلعم لبیک فرماتے تو عام مسلمانوں کی صدائے بازگشت سے دشت و جبل گونج اٹھتے تھے، مکہ کے قریب مقام سرف میں قیام فرمایا، دوسرے دن غسل کر کے مکہ میں داخل ہوئے کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا "اے خدا اس گھر کو اور زیادہ شرف و عزت دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فراغت کے بعد مقام ابراہیم میں دوگانہ ادا کیا، پھر کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور یہ الفاظ ارشاد فرماتے:

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے لئے سلطنت، ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے، اور تمام چیزوں پر قادر ہے، کوئی خدا نہیں، مگر وہ اکیلا، خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی، اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی"[1]

پھر صفا سے اتر کر کوہ مروہ پر تشریف لے گئے اور طواف و سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان لوگوں کو جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں تھے عمرہ تمام کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا، پنجشنبہ کے دن آٹھویں تاریخ منیٰ میں قیام فرمایا،

خطبۃ الوداع نویں ذی الحجہ کو نماز فجر کے بعد مسلمانوں کے ساتھ عرفات تشریف لے گئے، اور ناقہ پر سوار ہو کر وہ آخری اور مشہور و معروف خطبہ دیا، جو تاریخ اسلام میں خطبۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے، یہ خطبہ اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور عطر ہے، یہ پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے

---

[1] ابوداؤد،

پورے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم مٹا دیئے گئے چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا،

"ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں"[1]

مخلوق الٰہی طبقات ومراتب کے امتیاز سے بٹی ہوئی تھی، غلام آقا کی ہمسری نہین کر سکتے تھے، اشرفا ادنیٰ طبقون سے بالاتر مخلوق سمجھے جاتے تھے عامی، علماء کے ساتھ گفتگو کرنے کے مجاز نہ تھے، آپنے یہ ساری حدین توڑ کر انسانیت کی ناہموار سطح کو برابر کردیا،

"لوگو! ہان بے شک تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، ہان عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہین، مگر تقویٰ کے سبب سے"[2]

اسلام کے رشتہ نے انسانون کو باہم بھائی بنادیا،

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سب مسلمان آپس مین بھائی بھائی ہین[3]

غلاموں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہئے،

تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ"[4]

عرب مین اگر ایک شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوجاتا تھا تو قاتل ومقتول کے قبائل مین پشتہا پشت تک انتقام کا سلسلہ جاری ہوجاتا تھا، اور ایک ایک قتل کے بدلہ مین سیکڑون برس تک خون کی ندیاں بہتی رہتی تھین، آپ نے اس جاہلی حمیت کو مٹا دیا، اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا خون ہدر کیا،

---

[1] ابو داؤد، [2] ایضاً ومسلم [3] مسند احمد بن حنبل، [4] مستدرک حاکم ج اول ص ۹۳، [5] ابن سعد،

جاہلیت کے تمام خون (انتقام) باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کے)

ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں[1]،،

سارے عرب میں نہایت وسیع سودی کاروبار پھیلا ہوا تھا، سرمایہ دار غربا کا خون چوستے تھے، ہر مقروض اپنے قرضخواہ کا غلام تھا، آپ نے اس دام کا خلق اللہ جس کا صید زبون تھی تار تار الگ کر دیا، اور سب سے پہلے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود[2] باطل کیا،،

،،جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان عباس بن مطلب کا سود باطل کرتا ہوں[3]،،

عورتوں کا کوئی درجہ نہ تھا، ان کی حیثیت ملک و جائداد سے زیادہ نہ تھی، ان کو حقوق میں مساوات عطا ہوئی،

''عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے[4]،،

عرب میں جان و مال کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی، جسکو جو چاہتا تھا قتل کر دیتا تھا اور جس کا مال چاہتا تھا، چھین لیتا تھا، ان دونوں کی حرمت قائم کی گئی،

،،تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے[5]،،

پھر آپ نے امت کی رہنمائی کے لئے ہدایت ربانی کا مجموعہ امت کے سپرد کیا اور تاکید فرمائی،

،،میں تم میں ایک چیز چھوڑتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے،

---

[1] مسلم و ابو داؤد، [2] حضرت عباس سودی کاروبار کرتے تھے اور بہت سے لوگوں کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، [3] مسلم و ابو داؤد، [4] ایضاً، [5] طبری و ابن ہشام، [6] بخاری و مسلم،

وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ![1]

اس کے بعد چند اصولی احکام بیان فرمادئے،

"خدا نے ہر حق دار کو (از روے وراثت) اس کا حق دیدیا، اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہین ہے"

"لڑکا اس شخص کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، زنا کار کے لئے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے،

جو شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوی کرے اور جو غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے اس پر خدا کی لعنت ہے،

ہاں عورت کو اپنے شوہر کے مال مین سے اسکی اجازت کے بغیر کچھ لینا جائز نہین ہے، قرض ادا کیا جائے، عاریت واپس کیجائے، عطیہ لوٹایا جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے،[2]

یہ احکام بیان فرماکر مجمع سے سوال کیا،

"تم سے خدا میری نسبت پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟"[3]

صحابہ نے عرض کی "ہم کہین گے آپنے خدا کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا" آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا،

"اے خدا تو گواہ رہنا! اے خدا تو گواہ رہنا! اے خدا تو گواہ رہنا!"[4]

عین اس وقت جب آپ نبوت کے آخری فرائض ادا فرما رہے تھے، یہ آیت نازل ہوئی[5]

[1] صحاح، [2] یہ احکام حدیث اور سیرت کی مختلف کتابون مین ہین، [3] مسلم وابوداؤد، [4] ایضاً
[5] بخاری ومسلم،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج ہم نے تمھارے دین کو مکمل کر دیا، اور
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ	اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمھارے لئے
الْاِسْلَامَ دِيْنًا ہ	مذہب اسلام کا انتخاب کیا،

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے، اور کھڑے ہو کر قبلہ رو دیر تک دعا مین مصروف رہے، آفتاب ڈوبتے وقت یہان سے روانہ ہوئے، مزدلفہ پہنچکر مغرب کی نماز ادا فرمائی، رات بھر آرام کرکے نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے، مزدلفہ کی طرف کوچ فرمایا، راستہ مین سائلین حج کے مسائل پوچھتے جاتے تھے، آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسکِ حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے[1] جمرہ پہنچکر رمی جمار کیا اور لوگون سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"مذہب مین غلو اور مبالغہ سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی قومین اسی سے برباد ہوئین،"

اسی دوران مین یہ بھی فرمایا،[2]

"حج کے مسائل سیکھ لو مین نہین جانتا کہ شاید اس کے بعد مجھے دوسرے حج کی نوبت آئے"

رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد منٰی کے میدان مین تشریف لائے، حضرت بلال کے ہاتھ مین ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید رض پیچھے بیٹھے ہوئے چادر سے سایہ کئے ہوئے تھے، آگے پیچھے دائین بائین ایک لاکھ مسلمانون کا مجمع تھا، ۲۳ سالہ فرائض نبوت اور جانکاہ محنت کے ثمرات و نتائج نگاہون کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول و اعتراف حق کا نور برس رہا تھا، اب ایک نئی شریعت نئے نظام اور نئے عالم کا آغاز ہو رہا تھا، اس لئے ارشاد فرمایا،

---

[1] ابن ماجہ و سنن نسائی، [2] مسلم و ابوداؤد،

"ابتدا میں خدا نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کر پھر اسی نقطہ پر آگیا"[1]

ابراہیم خلیل اللہ کے طریقۂ عبادت حج میں عربوں نے اپنے اغراض کی بنا پر بہت سی ترمیمیں کردی تھیں، حج کے مہینوں میں خونریزی حرام ہے، اس لئے جنگجو عرب جنگ کے جواز کے لئے مہینوں کو گھٹا بڑھا دیتے تھے، لیکن اب پھر حج اپنی اصلی شکل وصورت میں آرہا تھا، اس لئے آپ نے اعلان فرمایا،

"سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار مہینے قابل احترام ہیں، تین متواتر ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ میں ہے"[2]

دنیا میں عدل وانصاف اور امن وامان کا مدار تین چیزوں پر ہے، جان مال اور آبرو کی حفاظت آنحضرت صلعم ایک دن پہلے کے خطبہ میں اس کی حرمت کے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن جنگجو اور خون آشام عربوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے، زیادہ تاکید کی ضرورت تھی، اس لئے دوبارہ آپ نے نہایت بلیغ انداز میں اس کا اعادہ فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر پوچھا،

"کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہے، لوگوں نے عرض کیا، خدا اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتا ہے، آپ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے، پھر ارشاد ہوا، یہ کونسا مہینہ ہے؟ لوگوں نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر کچھ دیر سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟" لوگوں نے کہا ہاں بیشک ہے، پھر پوچھا یہ کونسا شہر ہے" لوگوں نے بدستور جواب دیا، آپ نے پھر سکوت کے بعد فرمایا "کیا یہ بلدۃ الحرام نہیں ہے؟" لوگوں نے عرض کیا ہاں بیشک ہے،

[1] بروایت ابی بکرہ [2] ایضاً،

اس طریقۂ استفسار سے جب لوگون کے دلون مین یہ خیال پوری طرح جاگزین ہوگیا کہ آج کا دن، مہینہ اور شہر سب محترم ہے یعنی اس دن، اس مقام پر جنگ و خونریزی جائز نہین تو فرمایا،

"تمھارا خون، تمھارا مال اور تمھاری آبرو (تاقیامت) اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن، اس مہینہ مین اور اس شہر مین محترم ہے"[1]

قومون کے لئے سب سے زیادہ تباہ کن ان کی باہمی خانہ جنگی ہے، اس لیے مسلمانون کی متحدہ قومیت کے دوام و ثبات کے لئے فرمایا،

"ہان میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو تمکو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا، اور وہ تم سے تمھارے اعمال کی بازپرس کرے گا"[2]

یہ ظلم عالمگیر تھا کہ اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہوتا تھا تو سارا خاندان مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اصلی مجرم کے فرار ہوجانے کی صورت مین باپ کے عوض مین بیٹے اور بیٹے کے بدلہ مین باپ سے مواخذہ کیا جاتا تھا، اس ظلم کی ان الفاظ مین بیخکنی فرمائی گئی،

"ہان مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہان باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہین اور بیٹے کے جرم کا باپ ذمہ دار نہین"[3]

قبل از اسلام عرب کی پراگندگی اور بدنظمی کا ایک بڑا سبب ان کی خودسری تھی کہ ان کا ہر فرد اپنی جگہ اپنے کو حکمران سمجھتا تھا اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری عار شمار کرتا تھا، چنانچہ مسلمانون کی شیرازہ بندی کے لئے انھین انقیاد و طاعت کی تعلیم دی،

"اگر کٹی ہوئی ناک کا کوئی حبشی بھی تمھارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو"[4]

---

[1] بروایت ابوبکرہ [2] ایضاً، [3] ابن ماجہ و ترمذی، [4] مسلم،

اس وقت سارا عرب اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا، کفر و شرک کا نام و نشان باقی نہ رہ گیا تھا، تمام مخالف قوتیں پامال ہوچکی تھین، اس کا اعلان ان الفاظ مین فرمایا،

"ہان شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر مین اسکی پرستش قیامت تک نہ کیجائے گی، البتہ چھوٹی چھوٹی باتون مین اس کی پیروی کروگے اور وہ اس پر خوش ہوگا"[1]

خطبہ کے آخر مین ایک مرتبہ پھر اسلام کے فرائض یاد دلائے،

"اپنے پروردگار کو پوجو، پانچون وقت کی نماز پڑھو، مہینہ بھر کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے"[2]

خطبہ تمام کرنے کے بعد مجمع سے مخاطب ہوکر پوچھا،

الا ھل بلغت — کیون مین نے پیغام خداوندی سنا دیا؟

سب نے جواب دیا، "ہان" فرمایا،

اللھم اشھد، — اے خدا تو گواہ رہنا،

پھر لوگون سے فرمایا،

فلیبلغ الشاھد الغائب، — جو لوگ اس وقت موجود ہین وہ ان کو پہنچا دین جو موجود نہین ہین،

خطبہ کے اختتام کے بعد آپنے تمام مسلمانون کو الوداع کہا[3]،

اس خطبہ کے بعد بقیہ مناسکِ حج ادا فرمائے، ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ ہی مین قیام رہا، ۱۳ ذی الحجہ کو یہان سے نکل کر وادیِ محصب مین قیام فرمایا، پچھلے پہر کو اٹھ کر خانہ کعبہ تشریف

---

[1] ابن ماجہ و ترمذی، [2] مستدرک حاکم [3] صحیح مسلم،

لے گئے اور آخر ہی طواف کر کے وہین فجر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد مدینہ کی طرف کوچ فرمایا،
راستہ مین مقام خم غدیر مین صحابہ کے سامنے ایک مختصر خطبہ دیا،

"حمد وثنا کے بعد اے لوگو! مین بھی بشر ہون، ممکن ہے خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور
مجھے (موت) قبول کرنا پڑے، مین تمہارے درمیان دو بھاری چیزین چھوڑتا ہون
ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے، خدا کی کتاب کو مضبوطی سے
پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہین مین اپنے اہلبیت کے بارہ مین تمکو خدا کو یاد دلاتا ہون"

وفات

جزیرۃ العرب سے کفر و شرک کے استیصال، اسلام کی اشاعت، شریعت و مکارم اخلاق کی تکمیل، حجۃ الوداع مین تکمیل دین کے آخری فرائض سے سبکدوشی اور الیوم اکملت لکم دینکم کی تصدیق کے بعد آنحضرت صلعم کی بعثت کا مقصد پورا ہوچکا تھا، اس کے بعد روح قدسی کو عالم جسمانی مین رہنے کی ضرورت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لئے حجۃ الوداع ہی مین آپ نے مسلمانون کو الوداع کہا اور مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد عالم آب و گل چھوڑنے اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کی تیاریون مین مصروف ہوگئے، زیادہ وقت تسبیح و تہلیل مین بسر ہونے لگا،

شہدا مین شہدائے احد نے بڑی بے کسی سے جان دی تھی، اس کا آنحضرت صلعم کے دل پر بڑا اثر تھا، اس لئے مدینہ سے واپسی کے بعد ان سے رخصت ہونے کے لئے ان کی قبرون پر تشریف لے گئے، اور ان سے اس طرح رخصت ہوئے جس طرح ایک مرنے والا اپنے اعزہ کو وداع کہتا ہے[1]۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز،

اس کے بعد ایک مختصر خطبہ دیا جس مین فرمایا،

"مین تم سے پہلے حوض پر جا رہا ہون، اس کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھکو تمام دنیا کے خزانون کی کنجی دی گئی ہے، مجھ کو اس کا خوف نہین ہے کہ میرے بعد تم شرک مین مبتلا ہو گے، البتہ اس سے ڈرتا ہون کہ دنیا مین نہ مبتلا ہو جاؤ اور اس کے لئے آپس مین کشت و خون نہ کرو اور اس طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے کی قومین ہلاک ہوئین[1]"

اوپر غزوات مین گذر چکا ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ کو رومیون نے شہید کر دیا تھا، آنحضرت صلعم نے آغاز علالت سے ایک دن پہلے ان کے لڑکے اسامہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لیکر جائین اور اپنے والد کے خون کا انتقام لین،

۱۸ یا ۱۹ صفر ۱۱ھ کو آپ مسلمانون کے گورغریبان جنۃ البقیع تشریف لے گئے وہان سے واپس ہوئے تو مزاج ناساز ہو گیا، بیماری کی حالت مین بھی آپ ازراہ عدل باری باری سے ازواج مطہرات کے گھرون پر بسر فرماتے تھے، جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے یہان مستقل قیام فرمایا،

جب تک چلنے کی طاقت رہی نماز مسجد مین ادا فرماتے رہے، آخری نماز مغرب کی پڑھائی، بعض روایتون مین ہے کہ ظہر کی، عشاء کی نماز کے لئے کئی مرتبہ مسجد کا قصد کیا، مگر مرض کی شدت و نقاہت سے ہر مرتبہ غش آگیا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، حضرت عائشہؓ نے معذرت کی کہ وہ رقیق القلب ہین، آپ کی جگہ ان سے نہ کھڑا ہوا جائے گا، لیکن آپ نے دوبارہ حکم دیا، اسکے بعد کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھاتے رہے،[2]

---

[1] بخاری، [2] بخاری باب الامامۃ و ابن سعد وفات نبوی،

واقعۂ قرطاس | وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "دوات کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے"، حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا رسول اللہ کو مرض کی شدت ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے، جو ہمارے لئے کافی ہے، اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا بعض کہتے تھے تعمیل ارشاد کیجائے، بعض حضرت عمرؓ کی تائید کرتے تھے، اس اختلاف پر جب شور و غل بڑھا تو لوگوں نے کہا آپ مرض کی شدت میں بے حواسی کی باتیں کرتے ہیں، آپ سے پھر پوچھ لو، دوبارہ جب لوگوں نے استفسار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے میری حالت پر چھوڑ دو، میں جس مقام میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔[1]

[1] قرطاس کی روایت خفیف تغیر کے ساتھ بخاری اور مسلم کے مختلف ابواب میں ہے، یہ واقعہ اہل سنت اور شیعوں کے درمیان بڑا معرکۃ الآراء مبحث بن گیا ہے شیعوں کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلعم حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، جسے حضرت عمرؓ نے روک دیا سنی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو واقعی مرض کی شدت تھی، دین مکمل ہو چکا تھا شریعت کا کوئی حکم تعلیم کے لئے باقی نہ رہ گیا تھا، خود قرآن نے الیوم اکملت لکم دینکم کی آیت سے تکمیل دین کی مہر کر دی تھی، ایسی حالت میں حضرت عمرؓ نے مرض کی شدت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا، اگر کوئی ضروری اور دینی حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے نہ رک سکتے تھے، پھر اس کے بعد چار دن تک زندہ رہے، مرض میں اتنی تخفیف بھی ہوئی کہ آپ نے خطبہ دیا، اس میں آپ بیان فرما سکتے تھے یا زبانی لکھوا دیتے، یہ محض قیاس ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، ممکن ہے آپ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے رہے ہوں، بخاری میں ایک روایت بھی ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی بکرؓ کو بلا کر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے، لیکن پھر اسے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا خدا اور اہل اسلام ابوبکرؓ کے سوا کسی کو پسند نہ کریں گے"، پھر قرطاس کی روایت کے یہ الفاظ قابل غور ہیں "دعونی

اس کے بعد آپ نے چند وصیتین فرمائین،

"کوئی مشرک عرب میں نہ رہنے پائے، سفراء کا اسی طرح احترام کیا جائے جس طرح آپکے زمانہ میں کیا جاتا ہے، تیسری راوی کو یاد نہین رہی[۱]،

اس دن نماز ظہر کے وقت طبیعت کو کچھ سکون ہوا تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے، مسجد تشریف لے گئے جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا اور ان کے پہلو مین بیٹھ کر نماز پڑھائی[۲]،

نماز کے بعد خطبہ دیا، یہ آپ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا،

"خدا نے اپنے بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتون کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں ان کو لے، اس نے خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں۔ . . .

سب سے زیادہ میں جس کی دولت وصحبت کا ممنون ہون وہ ابوبکر ہیں، اگر میں دنیا میں کسی کو اپنی امت میں سے دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے، مسجد کے رخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہان تم سے پہلے قومون نے اپنے پیغمبرون اور بزرگون کی قبرون کو عبادت گاہ بنا لیا ہے، دیکھو تم ایسا نہ کرنا میں تم کو منع کرتا ہون[۳]،

اس کے بعد انصار کے متعلق جو اسلام کے قوت بازو تھے، فرمایا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲) فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ یعنی مجھے میری حالت پر چھوڑ دو جس مقام پر مین ہون وہ اس سے بہتر ہے جسکی طرف تم مجھے بلاتے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ کسی لا معلوم شخص کے جواب میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے، لیکن پھر لکھانا مناسب نہ سمجھا، [۱] بخاری باب وفات النبی صلعم و مسلم کتاب الوصیۃ، [۲] بخاری و مسلم، [۳] بخاری و مسلم مناقب ابی بکر و مسلم باب النہی عن بناء المسجد علی القبور،

اَیُّھَاالنَّاس مین انصار کے بارہ مین تم کو وصیت کرتا ہون، عام مسلمان بڑھتے جائین گے لیکن انصار اس طرح کم ہوکر رہ جائین گے، جس طرح کھانے مین نمک وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کر چکے، اب تمھین ان کا فرض ادا کرنا چاہیئے، وہ میرے (جسم مین بمنزلہ) معدہ کے ہین جو تمھارے نفع ونقصان کا متولی (یعنی خلیفہ) ہو اس کو چاہیئے کہ ان مین سے جو نیکو کار ہون، ان کو قبول کرے، اور جن سے خطا سرزد ہو ان کو معاف کردے[1]

اوپر اسامہ بن زیدؓ کو انکے والد کے خون کے انتقام کے لئے بھیجنے کا ذکر گذر چکا ہے، بعض لوگون کو (روایتون مین تصریح ہے کہ وہ منافق تھے) اسامہ کی سرداری پر اعتراض تھا کہ بڑے بوڑھون کو ہوتے ہوئے ایک نوجوان کو یہ منصب کیون عطا ہوا، اس اعتراض کے متعلق فرمایا،

اگر اسامہ کی سرداری پر تم کو اعتراض ہے، تو اس کے باپ کی سرداری پر بھی تم اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا اور مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا اور اب اس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہے[2]

اسلام کی شریعت کے تمام احکام منجانب اللہ ہین، آنحضرت صلعم کا صرف یہ کام تھا کہ اپنے قول وفعل سے بندون تک ان کو پہنچا دین، دوسرے مذاہب کے پیرؤون نے اپنے پیغمبرون کو واضع قانون مان کر اور پیغمبری منصب کی تعیین مین افراط کرکے اس کا درجہ شرک بلکہ کفر تک پہنچا دیا، اس لئے مسلمانون کو اس غلطی سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا،

"حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کیجائے، مین نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب مین حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے[3]"

سارے الہامی مذاہب مین انسان کی جزا وسزا اس کے ذاتی اعمال پر ہے، بعض مذاہب

---

[1] بخاری مناقب انصار [2] بخاری مناقب زید بن حارثہ و بعث اسامہ [3] مسند امام شافعی باب استقبال القبلۃ و ابن سعد وفات نبوی،

کے پیرو‌ون نے غلطی سے اپنے پیغمبرون کے اعمال کو اپنے اعمال کا کفارہ سمجھ لیا مسلمانون کو اس غلطی سے بچانے کے لئے آپ نے فرمایا،

"اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے یہان کیلئے کچھ کر لو مین تمھین خدا سے نہین بچا سکتا"[1]

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرہ مین تشریف لائے متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبرون بلکہ مقدس بزرگون (سینٹ) کے مزارات اور یادگارون کی تعظیم مین اتنا غلو کرتے تھے کہ اس کی سرحد شرک و بت پرستی تک پہنچ جاتی تھی، مسلمانون کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے عین بیماری کی شدت مین ارشاد ہوا،

"یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھون نے پیغمبرون کی قبرون کو عبادتگاہ بنالیا"[2]

جس قدر وصل حبیب کی منزل قریب ہوتی جاتی تھی، دنیا اور اس کے سامانون سے علیحدگی اختیار فرماتے جاتے تھے حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیان رکھوائی تھین ان کے متعلق دریافت فرمایا،

"عائشہ! وہ اشرفیان کہان ہین؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ جاؤ ان کو اس کی راہ مین خیرات کردو"[3]

مرض کی حالت یکسان نہ تھی کبھی شدت ہو جاتی تھی کبھی افاقہ نظر آتا تھا، وفات کے دن یعنی دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرۂ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا پردہ ہٹا کر دیکھا لوگ نماز فجر مین مشغول تھے، یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن [illegible] تھا دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا [illegible]

---

[1] مسند [illegible] باب استقبال القبلہ و ابن سعد [illegible]، [2] بخاری باب [illegible] نبوی مسلم باب النہی [illegible] مسند احمد بن حنبل ج ۲ [illegible] تیری،

غشی ہونے لگی، اس حالت میں یہ الفاظ فرمائے،

مع الذین انعم اللہ علیھم، ان لوگوں کے ساتھ جن پر خدا نے انعام فرمایا

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ، خداوندا بڑا رفیق ہے،

اسی حالت میں اپنے ہاتھ سے مسواک فرمائی، سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی اور زبان مبارک سے نکلا

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم، نماز، اور غلام!

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی، اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے، اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا

بل الرفیق الاعلیٰ، اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق درکار ہے

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی،[1]

حضرت ابوبکرؓ کا استقلال

اس حادثۂ عظیم نے صحابہ اور مقربین خاص کو دیوانہ بنا دیا، حضرت عمرؓ کو فرط محبت و عقیدت میں آپ کی وفات کا یقین نہ آتا تھا، اور وارفتگی کے عالم میں تلوار کھینچکر کہتے تھے، جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ صلعم نے وفات پائی اس کا سر قلم کر دوں گا،

وفات کے دن صبح کو آپ کی طبیعت بحال دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپکی اجازت سے جہاں ان کی بیوی رہتی تھیں چلے گئے تھے، وہاں سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلعم کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد نبوی کے دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا تھا، آپ سیدھے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لیگئے اور رخ انور سے نقاب اٹھا کر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، اور رو کر کہا،

"میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا کی قسم آپ پر دو موتیں جمع نہیں ہوسکتیں،

[1] وفات کے حالات بخاری کے مختلف الواب سے ماخوذ ہیں،

وہ موت جو آپ کے لئے مقدر تھی آچکی اس کے بعد دوسری موت نہ آئے گی[1]

حجرہ سے نکل کر دیکھا تو حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے، یہ بڑا نازک وقت تھا، اگر محرم اسرار نبوت کی دینی بصیرت اس وقت مسلمانوں کی دستگیری نہ کرتی تو معلوم نہیں کیا نتائج نکلتے آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" لیکن انھوں نے وارفتگی میں کچھ نہ خیال کیا، تو آپ نے الگ مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ بصیرت آموز تقریر فرمائی،

"جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے، اور جو خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی،

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، — محمد صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں،

یہ تقریر ایسی دلنشین تھی کہ وارفتہ محبت صحابہ کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے[2]

تجہیز و تکفین وفات کے دن شام ہو چکی تھی، تجہیز و تکفین اور قبر کنی کے مراحل رات سے پہلے انجام نہ پا سکتے تھے، صحابہ علیحدہ بیخود و مبہوت ہو رہے تھے، اس لئے تجہیز و تکفین دوسرے دن شنبہ کو عمل میں آئی غسل وغیرہ کی سعادت اعزہ خاص، حضرت علیؓ، فضل بن عباس، قثم بن عباس، اسامہ بن زید کے حصہ میں آئی، حضرت ابو طلحہؓ نے قبر کھودی، اور باری باری سے مسلمانوں نے بلا امام نماز جنازہ پڑھی اور سہ شنبہ ۱۳ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۶۳۲ء کو کونین کی یہ دولت حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی پاک و مطہر زمین کے سپرد کی گئی،

متروکات شہنشاہ کونین نے اپنے بعد جو میراث چھوڑی وہ یہ تھی، ام المومنین حضرت جویریہؓ کے

---

[1] بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت، [2] ایضاً

بھائی عمرو کا بیان ہی کہ رسول اللہ صلعم نے انتقال کے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم و دینار نہ غلام نہ لونڈی نہ اور کچھ صرف اپنا سپید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جسے عام مسلمانون پر صدقہ کر گئے[۱]

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم نے نہ دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ نہ بکری[۲] بہرحال اگر کچھ چھوڑا تھا تو یہی چیزین تھین اور ان کے متعلق بھی ارشاد فرما چکے تھے "ہم انبیا کا کوئی وارث نہین ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانون کا حق ہے[۳]"،

عمرو بن حویرث کی روایت مین جس زمین کا تذکرہ ہی اس سے مراد، مدینہ، خیبر اور فدک کے چند باغ ہین، اس لئے کہ آپکے متروکات مین صرف یہی جائداد و زمین تھی،

مدینہ کی جائداد مین ایک بنی نضیر کی جائداد تھی اور چند باغ تھے جو مخیرق نام ایک یہودی نے آپ کو وصیتہً ہبہ کئے تھے، لیکن صحیح بخاری کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ اسی وقت مستحقین مین تقسیم فرما دیئے تھے[۴]

خیبر اور فدک کا مسئلہ عہد صحابہ سے مسلمانون مین مختلف فیہ چلا آتا ہے، ایک جماعت کے نزدیک یہ جائداد بطور تولیت کے آپکے پاس تھی، دوسری جماعت اسے رسول اللہ صلعم کی ذاتی اور قابل میراث جائداد قرار دیتی ہے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ آپکے چچا حضرت عباسؓ اور اکثر ازواج اسے بطور میراث کے تقسیم کرانا چاہتے تھے، لیکن حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور دوسرے صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہے آنحضرت صلعم اپنی زندگی مین اسکی آمدنی جن مصارف مین صرف فرماتے تھے اس مین تغیر نہ ہوگا[۵] آپ نے اپنی زندگی ہی مین ان جائدادون کی آمدنی کے مصارف متعین فرما دیئے تھے، بنو نضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لئے مخصوص تھی، فدک کی آمدنی مسافرون کیلئے

---

[۱] بخاری کتاب الوصایا، [۲] ابوداؤد [۳] بخاری کتاب الوصایا و کتاب الفرائض [۴] بخاری باب فرض الخمس و فتح الباری ج ۶ ص ۱۴۰ [۵] بخاری کتاب الفرائض،

وقف تھی، خیبر کی آمدنی کے دو حصے، عام مسلمانون پر صرف فرماتے تھے، اور ایک حصہ ازواج مطہرات کے مصارف کے لئے عطا فرماتے تھے، جو بچ جاتا تھا وہ غریب مہاجرین پر صرف ہوتا تھا[۱]،

حضرت عمرؓ نے اپنے اخیر عہد خلافت مین حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائداد ان دونون کی تولیت مین دے دی تھی لیکن حضرت علیؓ نے اس پر قبضہ کر لیا، خیبر اور فدک حضرت عمرؒ بن عبد العزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ مین رہے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے انھین اہلبیت کو واپس کر دیا،

ازواج مطہرات رسول اللہ صلعم نے عالم شباب مین صرف ایک سن رسیدہ اور بیوہ خاتون پر قناعت فرمائی، پھر زوال شباب کے بعد مختلف مصالح کی بنا پر مختلف اوقات مین گیارہ شادیان کین،

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلی شادی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہوئی، یہ خاندان قریش کی ایک چالیس سالہ اور پاکیزہ اخلاق خاتون تھین، طاہرہ ان کا لقب تھا، پانچوین پشت پر رسول اللہ صلعم سے ان کا نسب ملجاتا ہے، ان کے والد خویلد ایک معزز قریشی اور یہ خود بڑی صاحب ثروت تھین، اُن کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی تھی، ان کے انتقال کے بعد عتیق ابن عائذ کے ساتھ عقد ہوا، ان کے انتقال کے بعد آنحضرت صلعم کے عقد مین آئین اس وقت حضرت خدیجہؓ کا سن چالیس سال کا تھا، اور رسول اللہ صلعم کا پچیس سال کا، ایک کے سوا آنحضرت صلعم کی کل اولادین ان ہی کے بطن سے ہوئین، ان کی تفصیل آیندہ آئے گی، آنحضرت صلعم کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی زندگی بھر دوسرا نکاح نہین فرمایا، ہجرت مدینہ سے

---

[۱] ابو داؤد باب صفایا رسول اللہ صلعم،

کئی سال پہلے مکہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا گو ان کے بعد رسول اللہ صلعم نے متعدد شادیاں
کیں لیکن ان کی محبت کا نقش کبھی نہ مٹا،

حضرت سودہؓ بنت زمعہ

حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد آپ بہت پریشان اور غمگین رہتے تھے،
اس افسردگی خاطر کو دور کرنے کے لئے سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا، یہ
بھی بیوہ تھیں ان کے پہلے شوہر کا نام سکران بن عمرو تھا آغاز دعوت اسلام میں دونوں میاں
بیوی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت کا شرف حاصل ہوا،
حبشہ سے واپسی کے کچھ دنوں بعد سکران کا انتقال ہو گیا، ان کے انتقال کے بعد سودہؓ
رسول اللہ صلعم کی زوجیت میں آئیں، ان کے زمانہ وفات کے بارہ میں بڑا اختلاف ہے،
بروایت صحیح حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں انہوں نے وفات پائی،

حضرت عائشہؓ

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، سنہ ۱۰ بعثت میں آنحضرت صلعم نے
ان سے مکہ میں نکاح کیا، اس کے تین سال بعد مدینہ میں ان کی رخصتی ہوئی، حضرت عائشہؓ بڑی ذہین
زیرک اور فہیم تھیں، رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو نسوانی احکام و مسائل کی تعلیم دینے کے لئے
انھیں خاص طور سے اس کی تعلیم و تربیت دی، وہ نہ صرف امہات المومنین میں بلکہ بہت سے
صاحب علم صحابہ کے مقابلہ میں علم میں ممتاز تھیں، بڑے بڑے صحابہ مہمات مسائل میں ان کی
طرف رجوع کرتے تھے انھوں نے ۹ سال آنحضرت صلعم کی رفاقت میں گذارے، سنہ ۵۷ میں
۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی،

حضرت حفصہؓ

یہ حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں یہ بھی بیوہ تھیں، ان کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ
کے ساتھ ہوئی تھی، خنیس غزوہ بدر میں زخمی ہوئے، اور اس کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے،
ان کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم نے عقد فرمایا، ان کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی، سنہ ۴۵ھ

میں ان کا انتقال ہوا۔

ام المساکین حضرت زینبؓ ان کا نام زینبؓ تھا، فقرا اور مساکین کو بہت کھلاتی پلاتی تھیں اسلئے "ام المساکین" کنیت ہوگئی تھی۔ ان کے پہلے شوہر حضرت عبداللہ بن جحشؓ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد رسول اللہ صلعم نے ان سے نکاح فرمایا، لیکن اس شرف کے حصول کے دو ہی تین مہینوں کے بعد زینبؓ انتقال کر گئیں، خود آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ انتقال کے وقت تیس سال کی عمر تھی۔

حضرت ام سلمہؓ ہند نام تھا، ام سلمہ کنیت، والد کا نام سہیل تھا، ان کی پہلی شادی ان کے چچیرے اور آنحضرت صلعم کے رضاعی بھائی عبداللہ بن عبدالاسد کے ساتھ ہوئی تھی، ان ہی کیساتھ آغاز اسلام میں اسلام لائیں اور ہجرت حبشہ کے شرف سے مشرف ہوئیں، عبداللہ بن عبدالاسد غزوۂ احد میں زخمی ہوئے اور اس کے صدمہ سے سنہ ۴ھ میں انتقال کر گئے، عبداللہ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئیں، آپ کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں، انکے سنہ وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، واقعۂ کربلا کے چند سال پہلے یا اسی سنہ ۶۱ھ میں انتقال کیا، اس وقت ۸۴ سال کی عمر تھی، علمی اعتبار سے حضرت عائشہؓ کے بعد ان ہی کا درجہ تھا۔

حضرت زینبؓ آنحضرت صلعم کی پھوپھیری بہن تھیں، ان کی شادی خود رسول اللہ صلعم نے اپنے متبنی اور غلام حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ کر دی تھی، لیکن دونوں میں نہ بن سکی اور طلاق ہوگئی، زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت صلعم نے نکاح فرمایا، یہ بڑی عابدہ زاہدہ اور فیاض اور حسین و جمیل تھیں، ان اوصاف کی بنا پر آنحضرت صلعم انھیں بہت محبوب رکھتے تھے، امہات المومنین میں یہی حضرت عائشہؓ کی ہمسر تھیں، آنحضرت صلعم کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے ان ہی کا انتقال ہوا، سنہ ۲۰ھ میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت جویریہؓ یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی تھین، اُن کی پہلی شادی مسافع ابن صفوان سے ہوئی تھی، جو غزوہ مریسیع مین مسلمانون کے ہاتھون قتل ہوا، اس غزوہ مین بہت سے لونڈی غلام گرفتار ہوے، ان ہی مین جویریہ بھی تھین، یہ ثابت بن انصاری کے حصہ مین پڑین ذی وجاہت خاندان کی خاتون تھین، اس لئے غلامی کو غیرت نے گوارا نہ کیا، ۱۹ وقیہ سونے پر ثابت سے رہائی کی شرط قرار پائی، لیکن پاس کچھ نہ تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر اپنی گذشتہ عظمت اور موجودہ نکبت بیان کرکے مدد کی طالب ہوئین، آپنے انکی رضا سے ثابت کی رقم ادا کرکے ان سے شادی کرلی، اس رشتہ کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانون نے رسول اللہ صلعم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلام آزاد کردیئے، ۵۰ھ مین ۶۵ سال کی عمر مین انتقال ہوا،

حضرت ام حبیبہؓ اصل نام رملہ ہے، ام حبیبہؓ کنیت لیکن کنیت کی شہرت نے نام کی جگہ لے لی، یہ بھی خاندان قریش سے تھین، اپنے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ساتھ آغاز اسلام مین مشرف باسلام ہوئین اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی دوسری ہجرت مین حبشہ گئین، حبشہ مین ان کے شوہر نے عیسوی مذہب اختیار کرلیا لیکن یہ خود اسلام پر قائم رہین، اس لئے عبیداللہ نے ان سے علٰحدگی اختیار کرلی، آنحضرت صلعم کو یہ واقعات معلوم ہوئے تو آپنے نجاشی شاہ حبش کی وساطت سے ان کے پاس شادی کا پیام بھیجا، انھون نے قبول کرلیا، اور ان کی جانب سے خالد بن سعید اموی اور آنحضرت صلعم کی جانب سے نجاشی کی وکالت مین چارسو دینار پر عقد ہوا، نجاشی نے رسول اللہ صلعم کی جانب سے مہر کی رقم ادا کی اور ولیمہ کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ کو شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین مدینہ بھیج دیا، انھون نے ۴۴ھ مین وفات پائی،

حضرت میمونہؓ ان کے والد کا نام حارث تھا، ان کی پہلی شادی مسعود بن عمرو الثقفی کے ساتھ ہوئی تھی، اس نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد ابو رہم بن عبد العزی نے نکاح کیا، ان کا انتقال ہو گیا، تو ان کے بعد رسول اللہ صلعم کے عقد میں آئین، ان کے سنہ وفات مین اختلاف ہے، بہ روایت صحیح ۵۱ سنہ مین مقام سرف مین انتقال کیا،

حضرت صفیہؓ اصل نام زینب ہی، یہ امام وقت کے پانچوین حصے (خمس) مین پڑی تھین جسے "صفی" کہتے ہین، اس لئے صفیہ کہلائی گئین، نسلًا اور مذہبًا یہودیہ تھین، ان کے ناںہال اور دادھیال دونون مین سرداری تھی، ان کا باپ حیی بن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا رئیس تھا، اور ان کی مان بنی قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھین، ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم یہودی سے ہوئی تھی، اس نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق نے نکاح کیا، کنانہ جنگ خیبر مین مارا گیا، صفیہ کے باپ اور بھائی بھی اس جنگ مین کام آئے اور وہ خود گرفتار ہوئین، حضرت دحیہ کلبیؓ نے انکو اپنے لئے منتخب کیا، بعض صحابہ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ آپ نے بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیسہ کو دحیہ کو دیدیا، وہ تو صرف آپ کے لائق ہین، ان کے کہنے پر ایک رئیسہ کی عزت قائم رکھنے کے لئے حضرت دحیہؓ کو دوسری لونڈی دیدی اور صفیہ کو ازدواج سے عزت بخشی، آنحضرت صلعم ان کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے، حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ جنھین ازواجِ مطہرات مین زیادہ خصوصیت حاصل تھی کبھی کبھی حضرت صفیہؓ پر طعن و طنز کرتی تھین، رسول اللہ صلعم ان کی دلجوئی فرماتے تھے،

اولاد امجاد آنحضرت صلعم کی اولاد امجاد کی تعداد کے بارہ مین بڑا اختلاف ہے، مختلف روایتون سے ان کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے، لیکن متفق علیہ بیان یہ ہے کہ چھ اولادین تھین، دو صاحبزادے قاسم اور ابراہیم اور چار صاحبزادیان، زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ

زہرا بعض روایتون مین دو اور صاجزادون طیب اور طاہر کا نام بھی ملتا ہے، ان مین حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے باقی کل حضرت خدیجہؓ سے،

ان مین قاسم سب سے پہلی اولاد تھے، ان کی پیدائش نبوت سے گیارہ بارہ سال پیشتر ہوئی تھی، لیکن بچپن ہی مین انتقال کر گئے، آنحضرت صلعم کی کینت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر تھی۔

سب سے آخری اولاد حضرت ابراہیم تھے، یہ ۸ھ مین پیدا ہوئے، اور کل سوا دو مہینے زندہ رہے، ان کی موت کے دن اتفاق سے سورج گہن ہوا، لوگون مین مشہور ہوگیا کہ ابراہیم کی موت اس کا سبب ہے، رسول اللہ صلعم نے تردید فرمائی کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیان ہین، کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا،

صاجزادیون مین زینب سب سے بڑی تھین، یہ قاسم کے بعد پیدا ہوئین، ان کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص کے ساتھ ہوئی تھی، آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین ۸ھ مین انتقال کیا، ایک لڑکا علی اور ایک لڑکی امامہ یادگار چھوڑی، آنحضرت صلعم امامہ سے بڑی محبت فرماتے تھے، نماز کی حالت مین بھی ان کو جدا نہ کرتے تھے،

زینب سے چھوٹی رقیہ تھین، ان کی شادی قبل از اسلام ابولہب کے لڑکے عتبہ کے ساتھ ہوئی تھی، ظہور اسلام کے بعد ابولہب نے اپنی کینہ پروری مین عتیبہ سے طلاق دلوادی، طلاق کے بعد حضرت عثمانؓ سے شادی ہوئی، ان کا انتقال بھی آنحضرت صلعم کی زندگی مین غزوۂ بدر کے زمانہ مین ہوا، ان ہی کی تیمارداری کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بدر مین شریک نہ ہوسکے تھے،

رقیہ سے چھوٹی ام کلثوم تھین، ان کی شادی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ کے ساتھ ہوئی، انھین بھی ابولہب نے طلاق دلوادی تھی، حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم

نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کردی، شادی کے چھ سال بعد تک زندہ رہین
۹ھ مین انتقال کیا،

سب سے چھوٹی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ تھین، ان کا نکاح حضرت علیؓ سے ہوا
چونکہ لڑکیون مین یہ سب سے چھوٹی تھین اوران کے علاوہ سب اولادین آنحضرت صلعم
کی زندگی مین، انتقال کرگئی تھین، اس لئے آپ انکو بہت محبوب رکھتے تھے، حضرت علیؓ
نے ان کی زندگی مین دوسرا نکاح کرنا چاہا تو آپ نے سخت ناپسندیدگی ظاہر فرمائی کہ "میری
لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچیگا، مجھے بھی اس سے اذیت ہوگی" آپ کی
ناراضی دیکھ کر حضرت علیؓ نے نکاح کا ارادہ ترک کردیا، اور حضرت فاطمہؓ کی زندگی بھر
دوسری شادی نہین کی، آنحضرت صلعم کے وصال کے چھ مہینہ بعد حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہوا
ان کے پانچ اولادین تھین، حضرت حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ، ام کلثومؓ، زینبؓ، محسنؓ کا انتقال بچپن
مین ہوگیا تھا،

اخلاق نبوی

جس طرح اسلام اپنی تعلیمات کے لحاظ سے دوسرے مذاہب مین ممتاز ہے
اسی طرح اس کے پیغمبر کو ان تعلیمات کے نمونۂ عمل کے لحاظ سے دوسرے انبیاء و رسل پر
امتیاز حاصل ہے،

محمد رسول اللہ صلعم کے علاوہ کسی پیغمبر کی زندگی کو مکارم اخلاق کے عملی نمونہ کی حیثیت سے
نہین پیش کیا جاسکتا، آپ نے دنیا کو جن مکارم اخلاق کا سبق دیا، آپ کی زندگی اس کی
عملی تفسیر تھی، خود قرآن نے آپ کے اخلاق کا یہ جامع مرقع پیش کیا ہے،

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ، — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو،

آپ کی ذات گرامی مکارم اخلاق کی جملہ جزئیات کا مجسم پیکر تھی،

رقتِ قلب، زہد وورع، عفت وعصمت، حسنِ معاملہ، حسنِ خلق، عدل و انصاف، جود وسخا، ایثار وقربانی محبت ورحمت، زہد وقناعت، صداقت وامانت، تواضع ومساوات، ضبط وحلم عفو ودرگذر، حسنِ سلوک، دشمنون، کفار ومشرکین اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ برتاؤ، عیادت وتعزیت، مہمان نوازی، سادگی وبے تکلفی، مسکینون اور محتاجون کی دلجوئی، صبر وشکر، شرم وحیا، عزم واستقلال، شجاعت وشہامت، گداگری اور سوال سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، ہدیہ دینا اور قبول کرلینا، تعظیم وبیجا مداحی کی ناپسندیدگی، دوسرون کی حاجت روائی وغیرہ،

غرض ذاتِ گرامی شرافتِ انسانی کے جملہ اوصاف وکمالات کی جامع تھی، ان کے واقعات سے حدیث کی کتابین معمور ہین،

اسلام کی تعلیمات کا اثر اسلام کی اصولی تعلیمات جستہ جستہ اسلام کی تاسیس وتکمیل اور حجۃ الوداع مین گذرچکی ہین، ان کی تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہین، ان تعلیمات اور رسول اللہ صلعم کے عملی نمونہ نے چوتھائی صدی کے اندر اندر وحشی عربون کی کایا پلٹ دی، جس کا ثبوت آیندہ صفحات مین ملیگا،

ظہورِ اسلام سے پہلے عرب کی خصوصًا اور سارے عالم کی عمومًا جو اخلاقی اور مذہبی حالت تھی، اس کی ناتمام تصویر اوپر دکھائی جاچکی ہے، لیکن تھوڑے ہی مدت مین وہی عرب دنیا کے معلم اخلاق بنگئے اور پھر ان کے اثر سے یہ روشنی سارے عالم مین پھیلی، آج دنیا مین جہان کہین بھی توحید کی کرن نظر آتی ہے، وہ اسلام ہی کے آفتابِ عالمتاب کا پرتو ہے،

حضرت ابوبکر صدیق رض

۱۲ سنہ ہجری مطابق ۶۳۳ سنہ ۶ء

تا ۱۳ سنہ ھ مطابق ۶۳۴ سنہ ء

مختصر حالات

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپکے قدیم رفیق اسلام کے سب سے پرانے جان نثار، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رض آپکے جانشین منتخب ہوئے،

آپ کا نام عبداللہ کنیت ابوبکر اور صدیق عتیق لقب ہے، والد کا نام قحافہ تھا، آپ قریش کی شاخ بنی تمیم سے تعلق رکھتے تھے، چھٹی پشت پر آپ کا نسب آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے آپکا گھر زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز چلا آتا تھا، قریش کے نظام سیاسی مین خونبہا کے مال کی امانتداری کا عہدہ آپ ہی کے گھر مین تھا، اسلام سے پہلے حضرت ابوبکر رض کا شغل تجارت تھا، آپ ابتدا ہی سے بڑے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت مین بھی آپکا دامن اخلاق عرب کے شائع عام مفاسد سے بالکل پاک رہا اور اسی زمانہ سے لوگون پر آپکے حسن خلق، راستبازی اور متانت و سنجیدگی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور شرفاے مکہ مین آپ بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے،

آپ تقریبًا آنحضرت صلعم کے ہم عمر تھے، فطرت کی یکسانیت کی وجہ سے بچپن ہی سے دونون مین گہرے تعلقات و روابط پیدا ہو گئے تھے، ان روابط کی وجہ سے دونون ایک دوسرے کے اخلاق و سیرت سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلعم نے جب وقت سب سے پہلی

مرتبہ اسلام کی دعوت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے بلاشک وشبہہ کے اس کی تصدیق کی، اس صلہ مین آپ کو "صدیق" کا معزز لقب ملا، قبول اسلام کے بعد وہ اسلام کی تبلیغ مین آنحضرت صلعم کا دست راست بن گئے، اور راہ خدا مین جان ومال اور عزت وآبرو سب نثار کردی، اور میدان جان نثاری مین کوئی دوسرا صحابی آپ سے بازی نہ لیجا سکا بعض بعض مواقع پر گھر کا سارا اثاثہ خدا کی راہ مین دیدیا، آنحضرت صلعم نے پوچھا کچھ اہل وعیال کے لئے بھی چھوڑا ہے؟ عرض کیا انکے لئے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے، آپ کی کوشش سے بڑے بڑے لوگ اسلام لائے، رسول اللہ صلعم پر ان کی ان قربانیون کا اتنا اثر تھا، کہ آپ فرماتے تھے کہ جان ومال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہین ہے چونکہ صحابہ کی جماعت مین حضرت ابوبکرؓ اسلام کے سب سے بڑے ادا شناس اور اسرار نبوی کے محرم تھے اس لئے وہ قدرۃً نیابت نبوی کے سب سے زیادہ اہل ومستحق تھے، چنانچہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی مین خاص خاص مواقع پر اس کا شرف حاصل ہوتا تھا، آنحضرت صلعم کے مرض الموت مین جب آپ مین نقل وحرکت کی طاقت نہ رہی، اس وقت آپ نے نبوت کا سب سے بڑا منصب یعنی مسجد نبوی کی امامت کا شرف آپ کو عطا فرمایا، یہ درحقیقت آپ کی جانشینی کی طرف اشارہ تھا، لیکن چونکہ اسلام کا نظام جمہوری تھا، اور آپ اپنی جانب سے کسی کو اپنا جانشین نامزد کرکے اس جمہوریت کو توڑنا نہ چاہتے تھے، اس لئے صراحۃً کسی کو جانشین نامزد نہیں فرمایا، اس سے بڑھ کر یہ کہ آپ کی صحبت اور آپ کی تعلیم نے آپکے حاشیہ نشینون مین ایسی صحیح بصیرت اور قوت فیصلہ پیدا کردی تھی کہ آپکے بعد اسلامی نظام کے قیام مین کسی غلطی کا امکان باقی نہ رہ گیا تھا، اس لئے آپنے آیندہ کے بارے مین بالکل سکوت فرمایا،

سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت خلافت، مدینہ مین منافقون کی جماعت جن کا شعار دوستی کے پردہ مین اسلام کا شیرازہ بکھیرنا تھا، ہمیشہ سے موجود تھی، اور ہر موقع پر اپنی اسلام کی دشمنی کا ثبوت دیتی تھی،

۱؎ ترمذی مناقب ابی بکرؓ، ۲؎ بخاری باب فضائل ابی بکرؓ، ۳؎ بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ۔

چونکہ رسول اللہ صلعم نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہین فرمایا تھا، اس لئے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اس جماعت کو فتنہ انگیزی کا موقع مل گیا، چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ہی جبکہ جسد اطہر بھی آنکھون سے نہان نہ ہوا تھا، منافقین کی سازش سے آپ کی جانشینی کا مسئلہ چھڑ گیا، اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ مین جمع ہو کر جانشینی کا دعویٰ کیا، یہ مسئلہ ایسے ناوقت چھڑا تھا کہ اگر فوراً اس کا تدارک نہ کیا جاتا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی اور عجب نہین کہ آنحضرت صلعم کے وصال کے ساتھ ہی اسلام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کو بروقت اس کی اطلاع ہو گئی آپ فوراً حضرت عمرؓ اور امین الامت حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے، یہان دیکھا تو دوسرا گل کھلا ہوا تھا، انصار مدعی تھے کہ آنحضرت صلعم کی جانشینی مین انھین بھی حصہ ملنا چاہیے اور قریش کے ساتھ ان کی جماعت کا بھی ایک امیر یا نائب الرسول ہونا چاہیے، لیکن ایک شخص کے دو جانشین ہونے کے نتائج بالکل ظاہر ہین، اس لئے اس صورت کے قبول کرنے کے معنی خود اپنے ہاتھون اسلامی نظام کا درہم برہم کرنا تھا، یہ ہو سکتا تھا کہ تنہا انصاریون ہی کو یہ منصب ملجاتا لیکن اس مین یہ مشکل تھی کہ اولاً خود قریش پھر دوسرے عرب قبائل خاندانِ قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کے آگے سر نہین جھکا سکتے تھے، پھر انصاریون مین خود اوس و خزرج دو متقابل جماعتین موجود تھین ان مین سے جسے بھی یہ منصب دیا جاتا دوسرا اسے تسلیم نہ کرتا،

اس نازک موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت نرمی اور آشتی سے انصار کو سمجھایا اور برمحل تقریر کی کہ "مجھے تم لوگون کے فضائل و مناقب اور تمھاری خدمات اسلامی سے انکار نہین لیکن عرب، قریش کے علاوہ اور کسی خاندان کی سیادت تسلیم نہین کر سکتے، پھر مہاجرین اپنے تقدم فی الاسلام اور آنحضرت صلعم کے ساتھ خاندانی تعلق رکھنے کی وجہ سے آپ کی جانشینی کے زیادہ مستحق ہین، یہ ابوعبیدہ اور عمر بن الخطاب موجود ہین، ان مین سے جس کے ہاتھون پر چاہو

بیعت کرلو، یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں مین ہاتھ دے کر فرمایا کہ آپ ہم سب مین بزرگ، ہم سب مین بہتر اور رسول اللہ صلعم کے سب سے مقرب ہین، اس لئے ہم آپکے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہین،[1] حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت ہر جماعت مین ایسی محترم تھی کہ اس انتخاب پر کسی کو کوئی اعتراض نہین ہو سکتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی بیعت کے ساتھ مسلمان بیعت کے لئے ٹوٹ پڑے اور حضرت ابوبکرؓ کی برمحل تقریر اور بیعت مین حضرت عمرؓ کی پیشقدمی سے ایک زبردست انقلاب ہوتے ہوتے بچ گیا،

اس کے دوسرے دن مسجد نبویؐ مین عام بیعت ہوئی، اور ربیع الاول ۱۱ھ مین حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے،

بیعت عام کے بعد آپنے حسب ذیل تقریر فرمائی،

"لوگو! مین تم پر حاکم بنایا گیا ہون، حالانکہ مین تمہاری جماعت مین سب سے بہتر نہین ہون، اگر مین اچھا کام کرون تو میری اطاعت کرو، اور اگر کجروی اختیار کرون تو مجھے سیدھا کردو، سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت، تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہان تک کہ مین دوسرون سے اس کا حق اس کو نہ دلادون، اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہان تک کہ مین اس سے دوسرون کا حق نہ حاصل کرلون، یاد رکھو جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے، اور جس قوم مین بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس کو عام مصیبت مین مبتلا کر دیتا ہے، اگر مین خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرون تو میری اطاعت کرو، اور اگر اس کی نافرمانی کرون تو تم پر میری اطاعت لازم نہین۔"[2]

حضرت علیؓ کی بیعت مین تاخیر کا سبب

بیعت عام کے بعد کچھ دنون تک حضرت علیؓ اور آپکے ساتھ بعض اور صحابہ نے توقف کیا، اس توقف نے مسلمانون مین عجیب بحثین پیدا کر دی ہین، ممکن ہے

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، [2] طبقات ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۲۹،

حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ اپنے گوناگون تعلقات کی وجہ سے خلافت کے متوقع رہے ہون، لیکن یہ نہ صرف غلط بلکہ آپ کی ذات پر اتہام ہے، کہ خلافت نہ ملنے کے ملال مین آپ چھ مہینہ تک جمہور مسلمانون سے الگ رہے، حضرت ابوبکرؓ کے استفسار پر آپنے خود اس توقف کا جو سبب بیان فرمایا، وہ یہ ہے،

"مین آپ کی امارت ناپسند نہین کرتا، لیکن مین نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن نہ جمع کرون گا اس وقت نماز کے سوا اپنی چادر تک نہ اوڑھون گا[1] حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکرؓ کے فضائل کا اعتراف فرمایا، کہ آپ کو خدا نے جو رتبہ دیا ہے اس پر ہم کو حسد نہین ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہم اس کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہین، کیونکہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قرابت کی وجہ سے ہم اسے اپنا حق سمجھتے تھے، یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، آپنے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے کہ مین رسول اللہ صلعم کے رشتہ دارون کو اپنے رشتہ دارون سے زیادہ عزیز رکھتا ہون، رسول اللہ صلعم کے متروکہ جائداد مین مین نے آپ کے طرزِ عمل سے سرِ مو انحراف نہین کیا ہے، اس صاف دلی کی گفتگو کے بعد دونون کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام مین حضرت علیؓ کے توقف بیعت پر آپ کی جانب سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے سب کے سامنے آپ کے فضائل کا اعتراف فرمایا،[2]

قبائل مین شورش و انقلاب کا آغاز

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا آغاز بڑی مشکلات اور بڑے اہم حوادث کیساتھ ہوا، لیکن آپنے اپنے تدبر، عاقبت اندیشی اور مذہبی بصیرت سے ان سب پر قابو حاصل کر لیا، سب سے اہم انقلاب عرب کا ارتداد تھا، بہت سے قبائل نے آنحضرت صلعم کی زندگی

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱، [2] بخاری باب غزوۂ خیبر،

مین اسلام تو قبول کر لیا تھا، لیکن ان کے دلون مین وہ راسخ نہ ہوا تھا، اس لئے آپ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے، دوسری جانب متعدد جھوٹے مدعیانِ نبوت اٹھ کھڑے ہوئے، بہت سے قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا، غرض حضرت ابوبکرؓ کے مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی ہر طرف انقلاب کے آثار نمودار ہو گئے، ان مشکلات کے ساتھ ساتھ موتہ کی مہم علیحدہ درپیش تھی، آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت مین حضرت زید بن حارثہ کے خون کا انتقام لینے کیلئے ان کے لڑکے اسامہ بن زیدؓ کی ماتحتی مین فوج بھیجنے کے لئے حکم دیا تھا، ابھی یہ مہم روانہ نہ ہوئی تھی[1] کہ آپ کا انتقال ہو گیا، اس حادثہ کے بعد جب عرب مین انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے، تو صحابہ نے مخالفت کی کہ ایسی حالت مین فوج کو مرکز خلافت سے دور بھیجنا مناسب نہین ہے، اس مہم سے پہلے ان انقلابات کا تدارک ضروری ہے، مگر حضرت ابوبکرؓ نے نہایت سختی کے ساتھ انکار کیا، اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، اگر مدینہ مین اتنا سناٹا ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگین نوچین تب بھی مین اس مہم کو جسے رسول اللہ صلعم نے روانگی کے لئے حکم دیا، نہین رد کر سکتا[2]

اسامہ بن زید کی مہم

غرض ان ہی حالات مین فوج روانہ کی اور خود پاپیادہ مدینہ کے باہر تک اُسے رخصت کرنے کے لئے نکلے، رخصت کرتے وقت ہدایت کی کہ خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی سے بچنا، مثلہ نہ کرنا، بوڑھوں بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، ہرے بھرے اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا، کھانے کے علاوہ جانوروں کو بے کار ذبح نہ کرنا،[3]

چالیس دن کے بعد یہ مہم اپنا کام پورا کرکے فاتحانہ مدینہ واپس آئی، حضرت ابوبکرؓ نے شہر سے نکل کر اس کا استقبال کیا،

[1] بعض روایتون کے مطابق روانہ ہو چکی تھی، لیکن تھوڑی دور جا کر آنحضرت صلعم کے انتقال کی خبر سنکر رک گئی تھی [2] تاریخ الخلفاء ص ۶۷، [3] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۷۱، [4] طبری ۱۸۵۰،

بظاہر ایسے نازک وقت مین حضرت ابوبکرؓ کا فوج روانہ کرنا مصلحت اور تدبر کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا اثر نہایت اچھا پڑا، اس سے ایک طرف بیرونی طاقتون کے دلون پر خوف بیٹھ گیا، دوسرے طرف انقلاب کرنے والون کو اس کا یقین ہوگیا کہ مسلمانون کی قوت کافی ہے، ورنہ ایسے حالات مین جبکہ اندرونی قبائل مین بغاوت بپا ہے وہ بیرونی دشمنون کے مقابلہ مین اتنی بڑی فوج نہین بھیج سکتے تھے،

مدعیان نبوت کا استیصال

آنحضرت صلعم کی زندگی ہی مین بعض مدعیان نبوت پیدا ہوگئے تھے مسیلمہ کذاب نے اسی زمانہ مین نبوت کا دعوی کیا تھا، لیکن آپ کی زندگی مین یہ جھوٹی آواز صور صداقت کے سامنے نہ اُبھر سکی تھی، آپ کی وفات کے بعد اور بہت سے حوصلہ مندون کے دماغ مین یہ سودا سما گیا، چنانچہ اسود عنسی، طلیحہ بن خویلد کئی مدعیان نبوت پیدا ہوگئے، مرد تو مرد عورتیں تک اس خبط مین مبتلا ہوگئی تھین، چنانچہ قبیلہ تمیم کی ایک عورت سجاح بنت خویلد بھی نبوت کی دعویدار بن گئی تھی، اور مسیلمہ کذاب سے شادی کر لی تھی،

موتہ کی مہم کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان جھوٹے نبیون کے استیصال کی طرف توجہ فرمائی، مسیلمہ کی مہم حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کے سپرد ہوئی، عکرمہ ان کی مدد پر مامور ہوے، خالد بن ولید، طلیحہ بن خویلد کی طرف بڑھے طلیحہ اور اس کے متبعین کو قتل و گرفتار کرکے تیس قیدیون کو مدینہ روانہ کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا، پھر تجدید اسلام کرکے مسلمان ہوگیا، ایک روایت یہ ہے کہ جنگ کی نوبت نہین آئی طلیحہ کے اتباع مین زیادہ تر قبیلہ طے تھا، اس کے سردار حضرت عدی بن حاتمؓ نے اسے دوبارہ مسلمان بنا لیا، باقی دوسرے اتباع کو خالد بن ولیدؓ نے شکست دے کر قتل و گرفتار کیا، طلیحہ شام بھاگ گیا اور وہان جاکر مسلمان ہوگیا، حضرت شرحبیل بن حسنہ اور عکرمہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ مین تھے، عکرمہ نے پیشقدمی کرکے شرحبیل سے

پہلے پہنچکر مسیلمہ کے اتباع بنی حنیفہ پر حملہ کر دیا، لیکن انھیں شکست ہوئی، اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ طلیحہ سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے انھیں شرحبیل کی مدد کے لئے بھیجا، مسیلمہ کے اتباع چالیس ہزار کی تعداد میں جمع تھے، حضرت خالد بن ولیدؓ نے ایک خونریز جنگ کے بعد بنی حنیفہ کو نہایت فاش شکست دی، مسیلمہ وحشی بن حرب کے ہاتھوں مقتول ہوا، اسکی بیوی سجاح جو خود مدعیہ نبوت تھی شوہر کے مقتول ہونے کے بعد بھاگ گئی، اس جنگ میں بہت سے حفاظ قرآن صحابہ شہید ہوئے، تیسرے اسود عنسی کی جماعت میں خود اختلاف پیدا ہو گیا، اور وہ اپنے ایک ساتھی قیس بن مکشوح کے ہاتھوں نشہ کی حالت میں مارا گیا، غرض چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔[1]

خودسر مرتد امراء کا استیصال مدعیان نبوت کے بعد ان مرتد سرداروں کی طرف توجہ کی جو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن آپکے بعد پھر مرتد گئے اور اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران بن بیٹھے چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں لقیط بن مالک نے عمان میں اور متعدد سرداران قبائل نے کندہ کے علاقہ میں مرتد ہو کر خودسری کا اعلان کر دیا، حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن حضرمیؓ حذیفہ بن محصنؓ اور زیاد بن لبید کو علی الترتیب ان سرداروں کے مقابلہ کے لئے بھیجا، علاء نے نعمان کا استیصال کیا، حذیفہ نے لقیط کو قتل کیا، اور زیاد نے فرمانروایان کندہ کو زیر کرکے دوبارہ اسلام پر قائم کیا۔[1]

منکرین زکوٰۃ کی تادیب ان سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ منکرین زکوٰۃ کا تھا، یہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے صرف زکوٰۃ کے منکر تھے، اس لئے ان پر تلوار اٹھانے کے بارہ میں بعض صحابۂ کبار نے اختلاف کیا، اور کہا "جو لوگ توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور صرف زکوٰۃ دینے کے منکر ہیں، ان پر کس طرح تلوار اٹھائی جا سکتی ہے"! اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ اپنی دینی بصیرت اور عرفان شریعت سے

---

[1] یہ واقعات طبری اور ابن اثیر وغیرہ میں بہت مفصل ہیں، ہم نے محض خلاصہ لکھا ہے،

فرمایا "خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلعم کی زندگی مین بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ مین دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو مین اس کے مقابلہ مین جہاد کرونگا" آپ کے اصرار پر آخر مین حضرت عمرؓ کو آپ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا کہ اگر آج انھین زکوٰۃ نہ دینے پر چھوڑ دیا جائے تو کل صوم وصلوٰۃ کے منکر ہوجائین گے اور اسلام ایک خانہ ساز تماشہ بنجائیگا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ تمام منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلہ مین فوجین بھیجین، آپ کو اس معاملہ مین اتنا غلو تھا کہ بنی عبس و بنی ذبیان کے مقابلہ مین خود گئے، اور انھین زیر کیا، آپ کی اس مستعدی اور استقامت سے چند دنون مین تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کردی، بعضون نے خود مدینہ حاضر ہوکر بیت المال مین داخل کی، اس طرح صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت، اصابت رائے اور استقلال و استقامت سے وہ تمام فتنے جو آنحضرت صلعم کے بعد دفعۃً بپا ہوگئے تھے، دب گئے اور اسلام نے گویا دوبارہ زندگی پائی

فتوحات

ایران وروم کی مخالف حکومتین اندرونی انقلابات کے بعد عرب کے ناگزیر سیاسی حالات کی بنا پر بیرونی دشمنون کی طرف توجہ کرنی پڑی، اس زمانہ مین جزیرۃ العرب دو عظیم الشان مخالف سلطنتون کے درمیان مین گھرا ہوا تھا، ایران مین ساسانی اور شام مین رومی دونون حکومتین عربون کی پرانی دشمن تھین اور ہمیشہ سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہتی تھین، خصوصًا ایرانیون نے کئی مرتبہ عرب کو زیر فرمان کرنے کی کوشش کی تھی اور ساسانی سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سابور بن اردشیر نے حجاز اور یمن دونون کو باجگذار بنالیا تھا، سابور ذی الاکتاف

سلہ بخاری ج اول ص ۱۸۸

ایک مرتبہ یمن و حجاز فتح کر کے مدینہ تک پہنچ گیا تھا، یہ عربون کا اتنا شدید دشمن تھا کہ جو عرب گرفتار ہو کر اس کے قبضہ مین جاتے تھے اس کے شانے اکھڑوا دیتا تھا، اس لئے عربون مین وہ ذوالاکتاف یعنی "شانے والے" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن عرب کسی بیرونی طاقت سے دبنے والے نہ تھے، جب انھین موقعہ ملتا تھا، نہ صرف اُن سے گلوخلاصی حاصل کر لیتے تھے بلکہ ان کا ملک دبا بیٹھتے تھے، چنانچہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق مین چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کر لی تھین، اسی سلسلہ کے ایک فرمانروا نے حیرہ کو دارالسلطنت بنایا تھا، غرض عربون اور ایرانیون مین نہایت قدیم رقابت چلی آرہی تھی، ایرانی عربون کو نہایت تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۶ھ مین جب آنحضرت صلعم نے دعوت اسلام کے سلسلہ مین خسرو پرویز شہنشاہِ ایران کو خط لکھا تو وہ سخت غضبناک ہوا، نامۂ مبارک چاک کر کے پھینک دیا اور کہا میرا غلام ہو کر مجھے یون لکھتا ہے، اور فوراً یمن کے عامل کے نام آنحضرت صلعم کی گرفتاری کا فرمان لکھا، پہلے یہ تحقیر کا جذبہ تھا اس کے بعد جب اسلام نے سارے عرب کو متحدہ طاقت بنا دیا، اس وقت ساسانی حکومت اسے خطرہ کی نگاہ سے دیکھنے لگی تھی،

ایران کی سیاسی حالت اس زمانہ مین ایران کی حکومت روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھی، خسرو پرویز تک نہایت قوی تھی، اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا شیرویہ تخت نشین ہوا، اس نے اپنے تمام بھائیون کو قتل کرا دیا، یہ کل آٹھ مہینہ تخت پر رہا، اس کے بعد اس کا صغیر السن لڑکا تخت پر بیٹھا، اسے ایک درباری افسر قتل کر کے خود بادشاہ بن بیٹھا، چند دنون کے بعد دوسرے درباریون نے اسے قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا، ایک سال بعد یہ بھی مرگیا، اس وقت شاہی خاندان مین ایک صغیر السن بچہ یزدگرد کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، اس لئے

شاہی خاندان کی ایک عورت بوران دخت کو اس شرط کے ساتھ تخت پر بٹھایا گیا کہ یزدگرد کے سن شعور کو پہنچنے کے بعد وہ بادشاہ بنایا جائے گا،

عراق پر عرب قبائل کا حملہ

ان پیہم انقلابات و حوادث نے ایران کی گذشتہ عظمت و شان برباد کردی تھی، اور ایرانی سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی، اس وقت ایران کے ہمسایہ عرب قبائل کو جو ہمیشہ سے ایرانیوں کے تختہ مشق بنتے چلے آرہے تھے، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ عراق کے عرب قبیلہ وائل کے دو سرداروں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید عجلی نے تھوڑی سی جمعیت فراہم کر کے حیرہ اور ابلہ پر تاخت شروع کردی، گو ایران کی حکومت پر زوال طاری ہو چکا تھا تاہم اس گئی گذری ہوئی حالت میں بھی وہ عرب سرداروں کے بس کی نہ تھی، اس لئے مثنیٰ نے مدینہ جا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے باقاعدہ عراق پر حملہ کی اجازت حاصل کی، مثنیٰ خود مسلمان تھے لیکن ان کا قبیلہ عیسائی تھا، مدینہ سے واپس ہو کر انھوں نے سب سے پہلے اپنے قبیلہ کو مسلمان بنایا، اس کے بعد اسے لے کر عراق روانہ ہوئے

عراق پر فوجکشی اور فتوحات

اس وقت حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیانِ نبوت اور مرتدین کی مہم سے فراغت پا چکے تھے، لیکن ابھی واپس نہ ہوئے تھے، مثنیٰ کی درخواست پر حضرت ابوبکر رضی نے انھیں راستہ ہی سے ان کی مدد کے لئے عراق جانے کا حکم دیا، چنانچہ وہ فوجیں لیے ہوئے سیدھے عراق روانہ ہو گئے، اور مثنیٰ کو ساتھ لے کر بانقیا اور بار سوا کے حاکموں کو مطیع کرتے ہوئے ابلہ پہنچے، یہاں آکر انھوں نے عراق کے ایرانی حاکم ہرمز کو لکھا کہ "یا اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو، ورنہ تم کو ایک ایسی قوم سے لڑنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنی تم زندگی کی تمنا رکھتے ہو" ہرمز نے یہ خط اردشیر کے پاس ایران بھجوا دیا، اور خود خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ کے لئے نکلا، مقام کاظمہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا، ایرانیوں نے اپنے پیروں کو زنجیروں

سے جکڑ لیا تھا تاکہ میدان سے منھ نہ مڑنے پائے، لیکن مسلمانون نے اس زنجیر آہن کے بھی ٹکڑے کر دیئے، ایرانیون نے نہایت فاش شکست کھائی اور ہرمز مارا گیا،

دوسری طرف اردشیر نے ہرمز کا خط پاتے ہی قارن کی ماتحتی مین ایک فوج گران ہرمز کی مدد کے لئے روانہ کر دی تھی، اس کو مقام مذار مین ہرمز کی شکست کی خبر ملی، یہ خبر سنکر قارن یہین ٹھہر گیا، ہرمز کی شکست خوردہ فوج بھی مذار پہنچ گئی خالدؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ مذار پہنچے، دونون مین مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد ایرانیون نے نہایت فاش شکست کھائی، ان کی تین ہزار سپاہ کام آئی اور قارن، انوشجان اور قباذ تمام بڑے بڑے افسر مارے گئے اس شکست اور فوج کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو اردشیر کو نہایت سخت رنج ہوا، اس نے ایران کے ممتاز بہادر اندرزغر اور بہمن جاذویہ کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ روانہ کیا، یہ دونون سپہ سالار ایرانی سپاہ کے علاوہ حیرہ اور کسکر کے تمام باشندون اور عیسائی عربون کو ساتھ لیتے ہوے ولجہ مین آکر خیمہ زن ہوے،

خالد بن ولیدؓ کو اس اجتماع کی خبر ہوئی تو وہ مقابلہ کے لئے بڑھے، ایرانیون کے لشکرگاہ کے قریب پہنچکر تھوڑی سی فوج ساحل کے نشیب مین چھپا دی، اور خود آگے بڑھ کر صف آرا ہوئے ایرانی پہلے سے تیار تھے، دونون مین نہایت خونریز جنگ ہوئی جب ایرانی تھک گئے تو تازہ دم مسلمانون نے کمین گاہون سے نکل کر حملہ کر دیا، ایرانی اس حملہ کی تاب نہ لاسکے اور بدحواس ہو کر بھاگ نکلے مسلمانون نے ہر طرف سے گھیر کر قتل کرنا شروع کر دیا، اور بے شمار ایرانی مارے گئے، اندرزغر جان بچا کر بھاگ نکلا لیکن کچھ دور آگے جاکر پیاس کی شدت سے مر گیا،

اس جنگ مین بہت سے عیسائی عرب بھی جنھون نے ایرانیون کا ساتھ دیا تھا مارے گئے تھے اس لئے اس کے انتقام مین اور تمام عیسائی قبائل بہمن جاذویہ سے جو الیش مین پڑا ہوا تھا

جا کرمل گئے، کسکر کی فتح کے بعد خالد بن ولیدؓ الیس پہنچے اور ایرانیوں اور عربوں دونوں کو شکست دے کر ان کی بہت بڑی تعداد زندہ گرفتار کرکے قتل کرا دی، الیس سے فراغت کے بعد امغیشیا پہنچے، لیکن یہاں کے باشندے ان کا رخ دیکھ کر پہلے شہر خالی کر چکے تھے،

امغیشیا کے بعد خالدؓ فرات کے راستہ سے حیرہ کی طرف بڑھے، حاکم حیرہ نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی اپنے لڑکے آزادبہ کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے آگے بھیج دیا تھا، اس نے فرات کا بند باندھ دیا تھا، اس لئے کچھ دور چل کر کشتیاں رک گئیں، یہ صورت دیکھ کر مسلمان کشتیوں سے اتر پڑے، فرات کے دہانہ پر آزادبہ کا مقابلہ ہوا، آزادبہ شکست کھا کر مارا گیا،

آزادبہ کو ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے فرات کا بند کھول کر حیرہ کا راستہ لیا، آزادبہ حیرہ چھوڑ کر آگے جا چکا تھا، اہل شہر نے دروازے بند کر لئے، اس لئے خالدؓ نے محاصرہ کر لیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، آخر میں اہل شہر نے محاصرہ سے گھبرا کر ایک لاکھ نوے ہزار سالانہ پر صلح کر لی، خالدؓ نے یہ عہد نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کیا کہ اہل حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے، ہم اس کے معاوضہ میں ان کی حفاظت کرینگے اور اگر ان کی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ رقم ان پر واجب نہ رہیگی، اور اگر وہ بدعہدی کریں تو ہم بری الذمہ ہیں، مسلمانوں کی ان فتوحات اور خالدؓ کے حسن سلوک سے حیرہ کے قرب وجوار کے باشندوں نے بھی بیس ہزار درہم پر صلح کر لی اور جنوبی عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا،

اس دوران میں اردشیر مر گیا تھا، اور ایران کے اندرونی اختلافات اور زیادہ بڑھ گئے تھے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے پوری قوم متحد تھی، چنانچہ انھوں نے اپنے اندرونی اختلافات کو مٹا کر فرخ زاد کو بادشاہ بنایا، ایرانی فوجیں اس وقت شمالی عراق میں عین التمر سے لیکر انبار اور فراض تک پھیلی ہوئی تھیں، جنوبی عراق کی تسخیر کے بعد خالد بن ولیدؓ اس کی حفاظت

کے لئے قعقاع بن عمرو کو چھوڑ کر انبار پہنچے، ایرانی فوجین قلعہ بند تھین،
خالدؓ نے محاصرہ کر کے قلعہ پر حملہ شروع کر دیا، لیکن ایرانی خندق کے اُس پار سے تیر بازی
کر رہے تھے، اس لئے مسلمانون کا حملہ کامیاب نہ ہوتا تھا، یہ صورت دیکھ کر خالد نے بھی تیر بازی
کا حکم دے دیا اور مسلمانون نے تیر برسا کر ہزارون آنکھین بیکار کر دین، اس سے ایرانی گھبرا گئے
اور خالد نے خندق پٹوا کر فوجین پار اتار دین، ایرانی تیر باری سے پہلے ہی گھبرا چکے تھے، مسلمانون
کے خندق عبور کرنے کے بعد ان کے اوسان اور خطا ہو گئے اور انھون نے سپر ڈال کر صلح کر لی،

ایک طرف خالد نے انبار کا معرکہ سر کیا، دوسری طرف بہرام چوبین کا لڑکا تازہ دم
فوجین لے کر عین التمر پہنچ گیا، عربی قبائل مین، تمر، تغلب اور ایاد وغیرہ بھی اس کے ساتھ تھے
اس لئے انبار کا معرکہ سر کرنے کے بعد خالد عین التمر پہنچے، بہرام چوبین کا لڑکا بڑا متعصب تھا، اگرچہ
عرب قبائل نے اس کا ساتھ دیا تھا، لیکن اس نے قومی عصبیت مین انھین آگے کر دیا، بعض
ایرانی اس پر معترض ہوے تو جواب دیا کہ ان کی قوم نے ہمارا ملک تباہ کیا ہے، اس لئے
ان ہی کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے کٹنا چاہئیے، مقام کرخ مین دونون کا مقابلہ ہوا، خالد
نے عربون کے سردار عقہ بن عقہ کو گرفتار کر لیا، اس کی گرفتاری کے بعد عربون نے سپر ڈالدی،
خالد نے ان کی بہت بڑی تعداد گرفتار کر لی اور ان کی قوم فروشی کی سزا مین انھین قتل کر دیا،
اس کے بعد ایرانیون کے مقابلہ کے لئے جو قلعہ مین محفوظ تھے پہنچے، انھون نے نکل کر مدافعت
کی، لیکن ناکام ہو کر پھر قلعہ مین گھس گئے، خالد نے بزور شمشیر قلعہ فتح کر لیا، اور معمولی خراج کے
علاوہ اور مفتوحہ علاقہ پر کوئی ٹیکس نہین لگایا[1]،

عراق و شام کی سرحد دومۃ الجندل مین عہد نبوی سے عربی عیسائی قبائل مسلمانون کے

---

[1] یہ تمام واقعات طبری ابن اثیر ۱۲ھ و ۱۳ھ اور فتوح البلدان بلاذری فتوح عراق سے ملخصاً ماخوذ ہین،

خلاف سازشین کیا کرتے تھے، غزوۂ تبوک اسی سلسلہ مین ہوا تھا، اور خالدؓ نے یہان کے ایک فرمانروا اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرکے مطیع بھی بنایا تھا، سازشون کا یہ سلسلہ اب تک قائم تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تدارک کے لئے عیاض بن غنمؓ کو مامور فرمایا، یہ مہم تنہا ان کے بس کی نہ تھی، اس لئے انھون نے خالد بن ولیدؓ سے جو قریب ہی موجود تھے مدد مانگی، وہ فوراً مدد کو پہنچے، اکیدر بن عبدالملک کو ایک مرتبہ خالد کا تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے اس نے دوسرے فرمانروا جودی وغیرہ کو جنگ سے روکا، مگر جودی نہ مانا، اکیدر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور عیاض اور خالد نے دومۃ الجندل کا محاصرہ کرلیا، جودی نے مقابلہ کیا، اور شکست کھا کر مارا گیا، خالد نے پھاٹک توڑ کر قلعہ پر قبضہ کرلیا، بنی کلب کو ایک مسلمان عاصم نے امان دے دی، باقی قبائل قتل کر دیئے گئے،

ادھر خالدؓ دومۃ الجندل کی مہم مین مشغول تھے، دوسری طرف عراق مین عرب قبائل نے ایرانیون کو عراق واپس لینے کے لئے ابھارا، اور زرمہر اور روزبہ عربون کو ساتھ لیکر حصید اور خنافس کی طرف بڑھے، اس درمیان مین خالد بن ولید دومۃ الجندل کی مہم سے فراغت حاصل کرکے حیرہ پہنچ گئے، اور یہ صورت حال معلوم کرکے قعقاع اور ابو لیلی کی مدد کے لئے جو ایرانیون کے مقابلہ کے لئے خنافس جا رہے تھے، خنافس روانہ ہوگئے، عین التمر مین ان سے ملاقات ہوئی، یہان سے خالد نے قعقاع کو حصید اور ابو لیلی کو خنافس بھیجا، قعقاع نے حصید پہنچکر زرمہر اور روزبہ کو شکست دے کر قتل کر دیا، باقی شکست خوردہ فوج خنافس چلی آئی، عین اس وقت جب ابو لیلی یہان پہنچے تھے، انھین دیکھ کر ایرانی مصیخ کی طرف ہٹ گئے، خالدؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ قعقاع، اور ابو لیلی وغیرہ کو لیتے ہوئے مصیخ پہنچے اور شبخون مار کر ایرانیون کو نہایت فاش شکست دی،

دوسری طرف عرب سردار ربیعہ ابن بدیل اور ہذیل عرب قبائل کو لئے ہوئے ایرانیوں کی مدد کے لئے ثنی اور بشر میں مقیم تھے، اس لئے مصیخ کے بعد خالد اور ان کے ہمراہیوں نے ملکر ثنی اور بشر میں عربوں پر شبخون مارا ہذیل کے علاوہ باقی سب مقتول ہوئے اس کے بعد وہ بشر کے عرب جتھوں کو صاف کرتے ہوئے، فراض کے ارادہ سے رضاب آئے،

فراض نہایت اہم مقام تھا، یہاں، شام عراق اور جزیرہ کی سرحدیں ملتی تھیں، اس لئے اپنی حفاظت کے لئے رومی بھی ایرانیوں کے ساتھ مل گئے، اور ان تینوں کی متحدہ فوجیں فراض میں جمع ہوئیں، اس لئے خالد کو ان کے مقابلہ کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑا اور فراض پہنچکر ازسر نو فوجیں مرتب کیں، ایک طرف ایرانی، عرب اور روم کی متحدہ طاقت تھی، دوسری طرف تنہا مسلمان، درمیان میں فرات حائل تھا، ایرانی، رومی اور عرب نشۂ نخوت میں فرات کو پار کر کے اس پار چلے آئے، لب ساحل فریقین کا مقابلہ ہوا، اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں تین تین طاقتیں تھیں، لیکن ان کے جوش جہاد اور سرفروشی نے تینوں کو نہایت فاش شکست دی، شکست خوردہ فوجوں کے عقب میں دریا حائل تھا اور سامنے مسلمان تھے، اس لئے انھیں بھاگنے کا بھی راستہ نہ ملا اور قریب قریب کل فوجیں برباد ہوگئیں، اس اہم معرکہ کے بعد خالد بن ولید جنگ ملتوی کر کے ثنی کو عراق چھوڑ کر حج کو چلے گئے، وہاں سے واپس ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے شام کی مہم پر جہاں عرصہ سے جنگ چھڑی ہوئی تھی بھیجدیا، اس لئے سردست عراق کی مہم رک گئی،

عرب اور رومیوں کے تعلقات

شام پر عربوں کی فوجکشی کا سبب یہ تھا کہ ان کی دوسری ہمسایہ حکومت رومیوں کی تھی، رومیوں کی مرکزی حکومت قسطنطنیہ میں تھی، عرب کے پڑوس شام میں ہرقل رومیوں کے ماتحت حکومت کرتا تھا، یہ حکومت گو ایرانیوں کی طرح

عربون کو تحقیر کی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی لیکن دونون قومون مین قدیم رقابت چلی آرہی تھی، چنانچہ زمانۂ جاہلیت مین حبشہ کے عیسائیون نے رومیون ہی کے اشارہ سے عربون کی مرکزیت توڑنے کے لئے کعبۂ یمانی بنایا تھا، ظہور اسلام کے بعد شام کے رومی مسلمانون کے سخت دشمن ہوگئے تھے، چنانچہ ۶ھ مین انھون نے آنحضرت صلعم کے ایک سفیر حضرت دحیہ کلبیؓ کو جو قیصر کے پاس اسلام کا دعوت نامہ لے کر گئے تھے لوٹ لیا تھا، اور دوسرے سفیر حارث ابن عمرو کو شرجیل حاکم بصریٰ نے جن کے پاس وہ خط لے گئے تھے قتل کردیا تھا، اسی کے انتقام مین غزوۂ موتہ ہوا تھا، پھر ۹ھ مین رومیون نے مدینہ پر حملہ کی تیاریان کین اور آنحضرت صلعم کو ان کی مدافعت کے لئے نکلنا پڑا لیکن جنگ کی نوبت نہین آئی آنحضرت صلعم کی وفات تک ہر وقت رومیون کے حملہ کا خطرہ لگا رہتا تھا، اسی خطرہ کے انسداد اور شہدائے موتہ کے انتقام کے لئے رسول اللہ صلعم مرض الموت مین اسامہ بن زیدؓ کو شام بھیجنے کا ارادہ فرمارہے تھے کہ آپ کا وصال ہوگیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے اسکی تکمیل کی غرض ظہور اسلام کے بعد سے مسلمانون اور شامی رومیون کے تعلقات نہایت کشیدہ ہوگئے تھے، اور مدینہ پر ان کے حملہ کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا،

شام پر فوجکشی اور فتوحات

ان اسباب کی بنا پر رومیون کی جانب سے اطمینان حاصل کرنے کے لئے ان سے ایک مرتبہ کھل کر نپٹنا ضروری تھا، اس لئے ۱۳ھ مین حضرت ابوبکرؓ نے کبار صحابہ کے مشورہ سے شام پر فوجکشی کا فیصلہ کیا، اور شام کے ہر ہر حصہ پر علٰحدہ علٰحدہ فوجین روانہ کین، دمشق کی مہم پر یزید بن ابی سفیان مامور ہوئے حمص پر ابو عبیدہ بن جراح، اُردن پر شرجیل بن حسنہ اور فلسطین پر عمرو بن العاص اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح ان سب

ل سیرۃ ابن ہشام ج اول ص ۲۳۰،

کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے، ان فوجون کی مجموعی تعداد ستائیس ہزار تھی،

مسلمانون کی فوجکشی کے وقت ہرقل والی شام حمص مین تھا، اس کو مسلمانون کی پیشقدمی کی خبر ہوئی تو اس نے تمام مسلمان افسرون کے مقابلہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ فوجین روانہ کین، تاکہ مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوسکین، چنانچہ جس وقت مسلمانون نے شام کی سرحد مین قدم رکھا، اس وقت انھین قدم قدم پر رومی جتھون کا سامنا ہوا، ان کی کثرت کا اندازہ کرکے مسلمانون نے حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی اور دار الخلافہ سے مزید فوجین مدد کیلئے طلب کین، اس وقت مدینہ مین فوج موجود نہ تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن ولیدؓ کو جو عراق مین تھے حکم دیا کہ وہ عراق کا انتظام مثنیٰ کے ہاتھون مین چھوڑ کر شام چلے جائین، اس حکم پر وہ فوراً شام روانہ ہوگئے اور راستہ مین، احدرد ار، شوی، قصم اور مرج راہط وغیرہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان لڑتے ہوئے شام پہنچے،

سرزمین شام مین قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلے بصریٰ پر فوجکشی کرکے یہان کے بطریق کو شکست دی، شکست کھانے کے بعد اہل بصری نے اس شرط پر صلح کرلی کہ "وہ جزیہ ادا کرینگے اور مسلمان اس کے معاوضہ مین ان کی حفاظت کرینگے"[1] ادھر خالد بصری مین تھے دوسری طرف عمرو بن العاصؓ فلسطین کے مورچہ پر تھے، اور ان کے مقابلہ کے لئے اجنادین مین رومیون کا عظیم الشان لشکر جمع تھا، اسلئے بصریٰ سے فراغت کے بعد خالد بنؓ ولید عمرو بنؓ العاص کی مدد کے لئے روانہ ہوگئے، اور رومیون کو شکست دیکر اجنادین پر قبضہ کرلیا، اجنادین کے بعد شام کے صدر مقام دمشق پہنچے اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ مل کر دمشق کا محاصرہ کیا، کامل تین مہینہ تک محاصرہ جاری رہا، ابھی دمشق کا محاصرہ جاری تھا، کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوگیا۔

علالت اور حضرت عمرؓ کا استخلاف | جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ مین حضرت ابوبکرؓ بیمار پڑے، پندرہ دن بخار

[1] فتوح البلدان بلاذری

رہا، آپ خلقۃً بہت ناتوان تھے، عمر کے تقاضے اور اس علالت نے بہت جلد نڈھال کر دیا۔ نشست و برخاست سے معذور ہوگئے، آپ کی علالت مین حضرت عمرؓ امامت کرتے تھے جب زندگی سے مایوس ہوگئے تو اکابر صحابہ کو بلا کر ان سے آیندہ اپنے جانشین کے بارہ مین مشورہ کیا، اور اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا، حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف نے کہا کہ "ان کی اہلیت مین کوئی شبہہ نہین، لیکن وہ کسی قدر سخت ہین" حضرت عثمانؓ نے فرمایا، "ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے" حضرت طلحہؓ عیادت کو آئے ہوے تھے، انھون نے بھی حضرت عمرؓ کی درشتی مزاج اور تشدد کی شکایت کی اور کہا "جب وہ آپ کے سامنے اتنے سخت ہین تو آپ کے بعد نہ جانے کیا کرینگے" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا، "جب ان پر خلافت کا بار پڑیگا، تو آپ نرم پڑجاینگے" ایک صحابی نے کہا کہ "آپ عمر کی درشتی مزاج کے باوجود ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے ہین، خدا کو آپ کیا جواب دینگے" فرمایا مین عرض کرونگا کہ "خدایا مین نے تیرے بندون مین سے ایسے شخص کو منتخب کیا تھا جو ان سب مین اچھا تھا"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو بلا کر وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوائے تھے کہ ضعف سے غش آگیا، حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھدیا، تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا تو تحریر پڑھوا کر سنی، حضرت عمرؓ کا نام سنکر بے اختیار زبان سے اللہ اکبر نکل گیا اور فرمایا "خدا تم کو جزاے خیر دے تم نے میرے دل کی بات لکھدی" وصیت نامہ مکمل کرانے کے بعد اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے لیجا کر صحابہ کے عام مجمع مین سناؤ اور خود بالاخانہ پر جاکر حاضرین سے فرمایا کہ "مین نے اپنے کسی عزیز کو خلیفہ نہین بنایا، بلکہ اس شخص کو منتخب کیا ہے جو تیرے نزدیک تم سب مین بہتر ہے" سب نے بالاتفاق اس حسن انتخاب کی تائید کی، اس کے بعد حضرت عمرؓ کو بلا کر ضروری وصیتین کین[1]،

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۴۲،

آخری وصیتین اور وفات

انتخاب خلیفہ کی اہم ذمہ داری سے فراغت کے بعد ذاتی امور کی طرف متوجہ ہوے، حضرت عائشہؓ کو بلاکر فرمایا کہ "میرے بعد بیت المال کا جو قرض میرے ذمہ ہے اُسے ادا کرنا، میرے پاس مسلمانون کے مال سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیان ہین اسے عمرؓ کے پاس بھجوا دینا، اس کے علاوہ اگر کوئی اور چیز نکل آئے تو اسے بھی بیت المال مین داخل کرا دینا، کفن کے متعلق فرمایا کہ "میرے بدن پر جو کپڑا ہے اسی کو دھو کر کفن دینا" پھر پوچھا آج کون دن ہے، معلوم ہوا دوشنبہ، پوچھا رسول اللہؐ نے کس دن انتقال فرمایا تھا، عرض کیا گیا اسی دن فرمایا میری بھی یہی آرزو ہے، یہ آرزو پوری ہوئی اور ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو دوشنبہ کا دن گذرنے کے بعد شب کو انتقال فرمایا، انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدتِ خلافت دو سال تین مہینہ دس۱۰ دن،

وصیت کے مطابق رات ہی کو تجہیز و تکفین ہوئی، آپ کی بیوی اسماء بنت عمیس نے غسل دیا، عمر فاروقؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور آقائے نامدار کے پہلو مین ساری عمر جس کی رفاقت مین گذری تھی سپرد خاک کئے گئے،

وفات کے بعد عبد اللہؓ، عبد الرحمنؓ، اسماءؓ، اور عائشہؓ (ام المومنین) کئی اولادین یادگار چھوڑین، ایک صاحبزادی وفات کے بعد پیدا ہوئین،

عہد صدیقی پر مختصر تبصرہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ تعلیم اسلام کا زندہ پیکر اور اخلاق نبوی کی مجسم تصویر تھے، آپ کے دور کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ اس مین کوئی کام ایسا نہین ہونے پایا، جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ مین نہ ہوا ہو، آپ کو کل سوا دو سال مسلمانون کی خدمت کا موقع ملا، اس قلیل مدت مین آپ نے مسلمانون کی وہ گرانقدر خدمات انجام دین، اور آیندہ حکمرانون کے لئے ایسا نمونہ چھوڑ گئے جو دوسرون سے برسون مین ممکن نہ تھا،

اپنے عہد میں آپ نے اس کا خاص لحاظ رکھا کہ کسی امر مین عہد نبوی سے سرِ مو تجاوز نہ ہونے پائے گو عہدِ رسالت کے قرب کے اثر سے اس کے تدارک کی ضرورت کم پیش آتی تھی، لیکن جہان ادنی شائبہ بھی نظر آتا تھا سختی کے ساتھ اس کا تدارک فرماتے تھے، جہانتک فتوحات اور نظام خلافت مین وسعت کا تعلق ہے، خلیفہ ثانی کا زمانہ آپکے زمانہ سے زیادہ مہتم بالشان تھا، لیکن یہ اسی بنیاد کا نتیجہ تھا جو ابوبکر صدیق رضؓ رکھ گئے تھے، آنحضرت صلعم کے وصال کے ساتھ ہی جدید الاسلام عربون نے جزیرۃ العرب مین شمع اسلام کو گل کردینا چاہا تھا اور قریب قریب سارا عرب مرتد ہوگیا تھا، جو قبائل اسلام پر قائم بھی تھے، انھون نے اسلام کے ایک رکن اعظم زکوٰۃ، دینے سے انکار کردیا تھا، جھوٹے مدعیان نبوت علحدہ اسلام کو زیر و زبر کردینا چاہتے تھے، ان نازک حالات مین محض ابوبکر صدیقؓ کی روشنضمیری اور استقلال نے اسلام کی کشتی کو بھنور سے نکالا، حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی منکرین زکوٰۃ پر تلوار اٹھانے کے خلاف تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ کے استقلال نے بزور ان سے زکوٰۃ وصول کرکے انھین اسلام پر دوبارہ قائم کیا،

ملکی انتظام چونکہ حضرت ابوبکرؓ کسی کام مین عہد نبوی سے سرمو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے، اسلیے آپکے زمانہ مین جملہ امور عہد رسالت کے نظام پر قائم رہے، اسکی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانہ مین کسی نظام کے بدلنے کی بھی زیادہ ضرورت محسوس نہین ہوئی، تمام اہم امور اکابر صحابہ کے مشورہ سے انجام پاتے تھے،[1]

جزیرۃ العرب، کو جسکی ابتک کوئی تقسیم نہ تھی، البتہ انتظامی سہولت کے خیال سے مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل مختلف صوبون مین تقسیم کردیا تھا،

---

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۲ صفحہ ۱۰۹،

حکام کے انتخاب مین احتیاط اوران کو مفید نصیحتین

آپ حکام کے انتخاب مین بڑی احتیاط برتتے تھے، اور حکومت کے عہدون کے لئے انہی بزرگون کا انتخاب فرماتے تھے جو عہدِ رسالت کے تربیت یافتہ تھے، عہدِ رسالت کے تمام حکام کو ان کے عہدون پر قائم رکھا، چنانچہ مکہ پر عتاب بن اسید، طائف پر عثمان بن ابی العاص، صنعار پر مہاجر بن ابی امیہ اور زبید پر زیاد بن لبید حاکم تھے، نئے حکام کا انتخاب اسی اصول کے ماتحت کرتے تھے اور تقرر کے وقت انہیں نہایت مفید نصیحتین فرماتے تھے!

ولید بن عقبہ محصلِ صدقات کو یہ نصیحت فرمائی،

"جلوت وخلوت مین خدا کا خوف رکھو جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے ایک ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے. جو کسی کے گمان مین بھی نہین آسکتا" جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ کم کر دیتا ہے، اور اس کا اجر دوبالا کر دیتا ہے، بیشک بندگانِ خدا کی خیرخواہی بہترین تقویٰ ہے، تم خدا کی ایسی راہ مین ہو، جس میں افراط اور تفریط اور ایسی چیزون سے غفلت کی گنجائش نہین جنمین مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لئے سستی اور تغافل کو راہ نہ دینا،[1]"

یزید بن ابی سفیان کو شام کی مہم مین جاتے وقت یہ نصیحتین فرمائین،

"اے یزید تمھاری قرابت داریان ہین، شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ، در حقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے مین ڈرتا ہون، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانون کا حاکم مقرر ہو اور ان پر کسی کو بلا استحقاق محض رعایت کے طور پر افسر بنادے تو اس پر خدا کی لعنت ہو، اور خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائیگا، یہانتک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا[2]"

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۰۸۳ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶،

مالی انتظام عہد صدیقی مین زکوٰۃ، عشر جزیہ اور غنیمت کی آمدنی مین کافی اضافہ ہوگیا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ نے کوئی خزانہ قائم نہین کیا، بلکہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی اسلامی ضروریات مین صرف کرنے کے بعد جو کچھ بچتا اس کو بلا تفریق، آزاد و غلام، ادنی و اعلیٰ مرد اور عورت عام مسلمانون مین تقسیم فرما دیتے، چنانچہ خلافت کے پہلے سال دس دس درہم اسی اصول پر تقسیم کئے، دوسرے سال بیس بیس درہم اس مساوات پر ایک شخص نے اعتراض کیا تو فرمایا فضل و منقبت اور شے ہے اس کو رزق کی کمی بیشی سے کوئی علاقہ نہین[1]

آخر عہد خلافت مین بیت المال کے لئے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی، لیکن اس مین کوئی رقم جمع کرنے کی نوبت نہ آئی، اسی لئے اس کی حفاظت کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، ایک مرتبہ کسی نے کہا آپ بیت المال کی حفاظت کے لئے کوئی محافظ کیون نہین مقرر فرماتے، فرمایا اس کی حفاظت کے لئے ایک قفل کافی ہے[2]، اکثر ایسا ہوتا کہ روپیہ تقسیم کر دینے کے بعد بیت المال مین جھاڑو پھروا دیتے، اسی کا نتیجہ تھا کہ وفات کے بعد جب بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو اس مین صرف ایک درہم نکلا[3]

فوجی نظام فوج کا بھی کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، بلکہ عہد رسالت کی طرح ضرورت کے وقت مسلمان خود ہی جوشِ جہاد مین جمع ہو جاتے تھے، عہد صدیقی مین اتنا البتہ اضافہ ہوا کہ ضرورت کے لحاظ سے فوج کی تقسیم قبائل اور دستون پر کردی گئی، جن پر علحدہ علحدہ افسر ہوتے تھے، اور ان سب پر ایک امیر العسکر ہوتا تھا، چنانچہ شام کی فوجکشی مین خالد بن ولیدؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور عمرو بن العاصؓ کے علحدہ علحدہ دستے تھے اور سب کے امیر العسکر حضرت ابو عبیدہؓ تھے، فوجون کو رخصت کرتے وقت ان کی اخلاقی نگہداشت کے لئے

[1] ابن سعد ق اول جزء ۳ ص ۱۵۱ [2] ابن سعد ج ۳ ق اص ۱۵۱ [3] ایضاً

مفید ہدایات فرماتے تھے، چنانچہ شام کے افسرانِ فوج سے یہ باتین ارشاد فرمائین،

"تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنھون نے اپنے آپ کو خدائی عبادت کے لئے وقف کر دیا ہے، ان کو چھوڑ دینا، مین تم کو دس وصیتین کرتا ہون، کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھل دار درختون کو نہ کاٹنا، کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا، کھانے کے سوا بکری اور اونٹ کو بیکار ذبح نہ کرنا، نخلستان نہ جلانا، مالِ غنیمت مین غبن نہ کرنا، اور بزدلی نہ دکھانا"[1]

فوجی اخلاق کی اس سے بہتر اور جامع تعلیم آج بھی ممکن نہین ہے،

بیت المال کی آمدنی سے فوجی اخراجات کے لئے ایک رقم الگ نکال لیتے تھے جس سے اسلحہ اور باربرداری کے جانور خریدتے تھے، اور جہاد کے اونٹون اور گھوڑون کی پرورش کیلئے بعض چراگاہین مخصوص کر دی تھین،

ذمیوں کے حقوق کی نگہداشت

آنحضرت صلعم نے آخروقت ذمیون کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی تھی، اس لئے حضرت ابوبکرؓ ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، عہدِ رسالت مین ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین بھی ان کو وہی حقوق حاصل رہے، اور آپ نے اس کی تجدید و توثیق فرمائی، اور نئے ذمیون کو بھی وہی حقوق عطا فرمائے، چنانچہ حیرہ کے عیسائیون کو از روے معاہدہ یہ حقوق دیئے،

"ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کئے جائیں گے اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس مین وہ ضرورت کے وقت دشمنون کے مقابلہ مین قلعہ بند ہوتے ہیں، ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶،

روکے جائین گے[1]

جزیہ کی شرح نہایت آسان تھی اور اس سے بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے، چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندون مین ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیون کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا[2]

تحفظِ دین تحفظِ دین مین بڑا اہتمام تھا، کوئی نئی بات جو عہدِ رسالت مین نہ تھی نہ ہونے دیتے تھے، اگرچہ اس عہد مین اس تدارک کی زیادہ ضرورت پیش نہ آتی تھی لیکن جہان اس کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نظر آتا تھا، اس کا تدارک فرماتے، اس کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کتابی صورت مین قرآن کی تدوین سے محض اس بنا پر تامل تھا کہ آنحضرت صلعم نے ایسا نہیں فرمایا، حدیثون کی روایت مین بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، تحفظِ دین کے لئے اکابر صحابہ کا محکمۂ افتا قائم تھا،

تدوینِ قرآن عہد صدیقی کا ایک بڑا کارنامہ کتابی شکل مین قرآن کی تدوین ہے، اس کا باعث یہ ہوا کہ عہد صدیقی کی لڑائیون خصوصاً یمامہ کی جنگ مین حفاظِ قرآن صحابہ کی بڑی تعداد شہید ہو گئی، اس وقت حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر حفاظِ قرآن کی شہادت کا یہ سلسلہ قائم رہا تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے انھون نے حضرت ابوبکرؓ سے جمعِ قرآن کی درخواست کی، حضرت ابوبکرؓ کو یہ عذر ہوا کہ جو کام رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، اسے مین کس طرح کرون، لیکن حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار سے آپ کے ذہن مین بھی اس کی مصلحت آگئی، چنانچہ آپ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہد نبوی مین کاتبِ وحی تھے، قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیا، ان کو بھی اس بارِ گران کے اٹھانے مین تامل ہوا، لیکن پھر ان کے ذہن مین

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، ۲۰ [2] ایضاً

بھی بات آگئی، چنانچہ انھوں نے مختلف لکھے ہوئے اجزاء، اور حفاظِ قرآن کے سینوں سے قرآن کی سورتوں کو جمع کر کے کتابی صورت مین مدون کر دیا[1]،

اس روایت سے ایک عام غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ عہد نبوی مین قرآن مرتب نہ تھا یعنی اسکی آیات اور سورتوں مین کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتون کے نام رکھے گئے تھے، یہ کام حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین ہوا، لیکن ایسا سمجھنا سراسر غلط ہے، قرآن کے احکام کی طرح اس کے آیات وسُور کی ترتیب اور ان کے نام بھی الہامی ہیں، اور حیاتِ نبوی مین قرآن کی پوری ترتیب ہو چکی تھی، موجودہ قرآن اسی ترتیب کے مطابق ہے، البتہ کتابی صورت مین پورا قرآن مدون نہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین یہی کام ہوا، حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

"اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "یتلو صحفا مطھرۃ" میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن صحیفون میں جمع ہے، قرآن صحیفون میں لکھا ہوا موجود تھا، لیکن اس کے اجزاء متفرق تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جو ان کے بعد محفوظ رہا، اور حضرت عثمانؓ نے اسکے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہرون میں بھیجے[2]

حدیث کی کتابون مین اس قسم کی بکثرت روایات ہیں کہ جب کوئی سورہ، آیت یا حکم نازل ہوتا تھا تو آنحضرت صلعم کاتبِ وحی صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ اسے فلان سورہ مین فلان آیۃ کے بعد لکھا جائے اور جب ایک سورہ ختم ہو جاتی تھی تو دوسری شروع ہوتی تھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیک وقت مختلف آیات نازل ہوتی تھین، آپ انھین مختلف سورتون مین لکھواتے تھے، اس طرح قرآن کے نزول کے ساتھ آپ کی ہدایت کے مطابق آیات وسُور کی ترتیب بھی ہوتی جاتی تھی، آپ کی نمازون کے سلسلہ مین اس قسم کی بہت سی روایات ہین کہ فلان فلان وقت

---

[1] بخاری ج ۲ باب جمع القرآن، [2] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰،

کی نماز مین آپنے فلان فلان سورتین پڑھین، اس سے معلوم ہوا کہ سورتون کے نام بھی متعین ہوچکے تھے، اس سلسلہ مین بخاری کی یہ روایت عہد نبوی مین ترتیبِ قرآن کا نہایت بین ثبوت ہے، ہر سال آپ کو ایک مرتبہ قرآن سنایا جاتا تھا اور وفات کے سال مین دو مرتبہ سنایا گیا، یہ مسلّم ہے کہ آپ کی وفات سے پہلے پورا قرآن نازل ہوچکا تھا، اس لئے پورے قرآن سنانے کے یہی معنی ہوسکتے ہین کہ وہ مرتب بھی تھا، بعض صحابہ کے پاس پورا قرآن جمع تھا اور وہ اسکا دورہ کرتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ مین نے قرآن جمع کیا تھا اور اسکو ایک رات مین تمام کردیتا تھا، رسول اللہ صلعم کو معلوم ہوا تو آپنے فرمایا کہ ایک مہینہ مین ختم کیا کرو، مین نے عرض کیا مجھ مین اس سے زیادہ کی طاقت ہے، فرمایا تو بیس دن مین پڑھا کرو، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ کی استطاعت ہے، فرمایا تو پندرہ دن مین پڑھا کرو، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ پڑھ سکتا ہون، فرمایا تو دس دن مین، مین نے عرض کیا اس سے زیادہ کی قوت ہے، فرمایا تو سات دن مین پڑھا کرو، اس سے زیادہ نہین[1]۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ عہد نبوی مین پورا قرآن مرتب تھا، اور صحابہ اس کا دورہ کرتے تھے، حفاظِ قرآن صحابہ کی موجودگی بھی اس کا ایک ثبوت ہے، پھر ان کی تعداد سیکڑون سے متجاوز تھی، اس قسم کی دو چار نہین معلوم کتنی روایتین ہین، لیکن ان کی تفصیلات مین پڑنے کا یہ موقع نہین،

علمی کمالات جماعتِ صحابہ مین صدیق اکبرؓ سب سے زیادہ اسرارِ شریعت کے محرم اور روح اسلامی کے دانائے راز تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، جملہ اسلامی علوم مین آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قرآن پاک کے فہم و تدبر مین ایسا ذہن وقاد اور نظر دقیق پائی تھی کہ ان کی نظران نکات تک بآسانی

---

[1] بخاری ج ۲

پہنچ جاتی تھی، جن کی طرف عام صحابہ کا ذہن بھی منتقل نہ ہو سکتا تھا،

سیرۃ الصدیق ذاتی حیثیت سے بڑے رقیق القلب، نرم خو، متواضع، خاکسار اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھے، اسلام سے قبل بھی آپ کا دامن اخلاق مراسم جاہلی سے داغدار نہ ہوا، خلافت سے پہلے تجارت کرتے تھے، خلافت کی ذمہ داری کے بعد یہ شغل جاری نہ رہ سکا، چنانچہ بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر کرا کے تجارت چھوڑدی، اور سارا وقت مسلمانوں کی صلاح و فلاح کی تدبیروں میں صرف کرنے لگے، رقیق القلب ایسے تھے کہ بات بات پر آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ محلہ والوں تک کا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے، اور پڑوسیوں کے مویشی تک چراتے اور ان کا دودھ دُوھ دیتے خلافت ملنے کے بعد ایک لڑکی کو جس کی بکری کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے، بڑی فکر ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ خلافت مجھ کو خلقِ خدا کی خدمت سے باز نہیں رکھ سکتی، زہد و عبادت کا یہ حال تھا کہ اکثر راتیں قیام میں اور اکثر دن روزوں میں گذرتے تھے، خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں چوبِ خشک نظر آتے تھے، رقت اتنی طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، عبرت پذیری کا یہ حال تھا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لئے دفتر عبرت تھا، کوئی سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا، چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو فرماتے پرندو تم خوش نصیب ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت تک کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں کاش ابوبکر تمہاری طرح ہوتا، بات بات پر آہ سرد کھینچتے تھے، یہاں تک کہ "اَوّاہ" لقب ہو گیا تھا،

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

سنہ ۱۳ھ مطابق سنہ ۶۳۴ء
تا سنہ ۲۴ھ مطابق سنہ ۶۴۵ء

تذکرۂ عمرؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض الموت مین حضرت عمرؓ کو نامزد کر گئے تھی چنانچہ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوے، آپ کا نام عمر اور فاروق لقب ہی، آپ قریش کی شاخ بنی عدی سے تعلق رکھتے تھے، آٹھوین پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلعم سے ملجاتا ہی آپکا خاندان زمانۂ جاہلیت مین بھی ممتاز تھا، قریش کی سفارت اور فیصل مقدمات کا عہدہ آپ ہی کے خاندان مین تھا، حضرت عمرؓ کو اسلام سے قبل عرب کے مرغوب فنون سپہ گری، اور خطابت سے بڑی دلچسپی تھی، معمولی نوشت و خواند سے بھی واقف تھے، معاش کا ذریعہ تجارت تھا، اسی سلسلہ مین دور دور کا سفر کر چکے تھے، ان سفرون نے بہت پختہ کار اور معاملہ فہم بنا دیا تھا، اس لئے قریش کی سفارت کا عہدہ ان کے متعلق تھا، ظہور اسلام کے وقت عمائد قریش کی طرح حضرت عمرؓ بھی اسلام اور مسلمانون کے سخت دشمن تھے، اسلام ان کی نگاہ مین سب سے بڑا جرم تھا، جس کا مجرم ہر سزا کا مستحق تھا، جو شخص نیا مسلمان ہوتا تھا حضرت عمرؓ اسکے دشمن ہوجاتے تھے، اور اسکو ہر امکانی اذیت پہنچانے مین دریغ نہ کرتے، لیکن تھے بڑے عالی دماغ اور شکوہ و دبدبہ کے اس لئے آنحضرت صلعم کو ان کے اسلام کی بڑی آرزو تھی اور آپ انکے اسلام کی دعا فرمایا کرتے تھے، یہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا کہ سنہ ۶ مین اسی دشمنِ اسلام کے بہن اور بھائی اسلام کے

حلقہ بگوش ہوگئی حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور اسی وقت بہنوئی کے یہان جا کر بہن اور بہنوئی کو مارتے مارتے بے دم کر دیا، لیکن ان کی زبان کلمۂ حق سے نہ پھری ان کا استقلال دیکھ کر دل نے کہا کہ اس دین مین ضرور کوئی بات ہے، چنانچہ بہنوئی سے قرآن سنانے کی خواہش کی، انھون نے چند آیتین سنائین، یہ سحر آفرین آیات سنکر بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے، اس وقت کم و بیش چالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے، لیکن ابتک کسی نے علانیہ عبادت کرنے کی جرات نہ کی تھی، بلکہ بہتیرے اسلام کا اظہار بھی نہین کر سکتے تھے، عمر فاروقؓ اسلام لائے تو دفعتہً حالت بدل گئی، یہ کسی سے دبنے والے نہ تھے، انھون نے خانۂ کعبہ مین جا کر نماز ادا کی، آنحضرت صلعم نے اس جرات پر فاروق کا لقب عطا فرمایا،

گو اور غریب مسلمانون کی طرح حضرت عمرؓ کو عمائد قریش نہین ستا سکتے تھے، پھر بھی جس حد تک بھی ممکن تھا باز نہ رہتے تھے، اسی حالت مین چند برسون تک مکہ مین رہے، اذنِ ہجرت کے بعد ہجرت کی، مکہ چھوڑنے سے پہلے جا کر خانہ کعبہ کا طواف کیا نماز ادا کی اور مشرکین سے برملا کہا جس مین جرات ہو باہر میدان مین آئے، لیکن کسی نے ہمت نہ کی،

ہجرت کے بعد بدرؓ و احد وغیرہ تمام بڑے بڑے معرکون مین شریک رہے، جنگ بدر مین اپنے اعزہ کو اپنے ہاتھون سے قتل کیا، غزوۂ تبوک مین آدھا مال خدا کی راہ مین دیدیا غرض قبول اسلام کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی طرح انھون نے بھی اپنی جان اور اپنا مال اسلام پر نثار کر دیا، ان کی جرات و شجاعت اور جان نثاری سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچی، ایثار و قربانی مین حضرت ابو بکرؓ کے بعد ان ہی کا درجہ تھا،

خلافت صحابہ مین حضرت عمرؓ کا تدبر اور ان کی صداقت و حق پرستی مسلم تھی، لیکن ان کے تشدد سے جو ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھا، ذرا لوگ ڈرتے تھے، چنانچہ استخلاف کے وقت بعض

لوگون نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا، لیکن انھون نے ان کے شبہات دور کر کے مطمئن کردیا اور تمام اکابر صحابہ نے اس انتخاب کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ جمادی الثانی ۱۳ھ مین تخت خلافت پر متمکن ہوئے،

عراق کی مہم اور فتوحات

آپ کی تخت نشینی کے وقت شام و عراق مین جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس لئے تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد حضرت عمرؓ کا سب سے مقدم فرض انکی تکمیل تھی، چنانچہ سب سے پہلے ان مہمون کی طرف توجہ کی، آپ کی بیعت کے سلسلہ مین عرب کے تمام حصون کے مسلمان مدینہ آئے ہوے تھے، آپ نے ان کے سامنے جہاد پر تقریر کر کے ان کو ایران کی مہم مین شرکت کے لئے ابھارا، لیکن اس پر ایک شخص نے بھی آمادگی ظاہر کی، آپ کئی دن تک مسلسل جوش دلاتے رہے، آخر مین مسلمانون مین حرارت پیدا ہوگئی اور بنی ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے اٹھ کر اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا، ان کی پیش قدمی پر ہر طرف سے آوازین بلند ہونے لگین، اور تمام مسلمان شرف جہاد حاصل کرنے کے لئے تیار ہوگئے، حضرت عمرؓ نے ابوعبید ثقفی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ ایران کی مہم پر روانہ کیا،

عراق کی گذشتہ معرکہ آرائیون نے ایرانیون کو بہت ہوشیار کردیا تھا، اس لئے انھون نے ازسرنو فوجی تنظیم کی، بوران دخت نے خراسان کے نامور مدبر اور مشہور بہادر رستم کو سپہ سالار مقرر کیا، اس نے ایرانیون کے مذہبی جذبات بھڑکا کر سارے ایران مین آگ لگادی اور پوری ایرانی قوم مسلمانون کے مقابلہ میں ہمہ تن جوش بنگئی اور چند دنون کے اندر عراق کے تمام مفتوحہ علاقون میں بغاوت پھیل گئی اور فراتی اضلاع مسلمانون کے قبضہ سے

نکل گئے،

جدید فوجی تنظیم کے سلسلہ مین بوران دخت نے ایران کے دو نامور بہادرون نرسی اور جابان کو رستم کی امداد پر مامور کیا تھا، یہ دونون فوجین بے کرد مختلف راستون سے مسلمانو کے مقابلہ کے لئے نکل چکے تھے، دوسری طرف سے ابو عبید آرہے تھے، مقام نمارق مین انکا اور جابان کا مقابلہ ہوگیا، ابو عبید نے اسے نہایت فاش شکست دی، اس کے دو ممتاز افسر مارے گئے اور وہ خود زندہ گرفتار ہوا، لیکن جس مسلمان نے اسے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا اس لئے جابان نے دو غلام دے کر رہائی حاصل کرلی، بعض مسلمانون نے پہچان کر دوبارہ گرفتار کرلیا، لیکن ابو عبید یہ کہکر کہ جس کو ایک مسلمان رہا کرچکا ہے اس سے بدعہدی نہین کیجاسکتی، چھوڑ دیا، جابان کو شکست دینے کے بعد ابو عبید آگے بڑھے اور مقام سقاطیہ مین دوسرے افسر نرسی کو بھی نہایت فاش شکست دی، اس کی شکست کے بعد سقاطیہ کے قرب و جوار کے ایرانی امرا نے اطاعت قبول کرلی،

ان پیہم شکستون کی خبر سنکر رستم نے مردان شاہ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ روانہ کیا، اور ایرانیون کا مقدس علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا ساتھ کردیا، مردان شاہ نے فرات کے ساحل پر فوجین اتارین، دوسری طرف مسلمان تھے، ہر فریق دریا کے پار جانے سے بچنا چاہتا تھا، لیکن ابو عبید جوش جہاد مین ایسے مخمور تھے کہ دوسرے مسلمان امرا کے اختلاف رائے کے باوجود فرات کو عبور کرکے اس پار چلے گئے، دریا پار ہوتے ہی جنگ چھڑ گئی، مسلمان جس میدان میں اترے وہ نہایت ناموزون تھا، ایرانی فوج مین دیو پیکر ہاتھی تھے، جن سے عربی گھوڑون کو کبھی سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے وہ ہاتھیون کو دیکھ کر بدک گئے اور مسلمانون کو پیدل ہوجانا پڑا، گھوڑون سے اتر کر انھون نے ہودون کی رسیان

کاٹ کاٹ کر فیل نشینون کو گرانا شروع کیا، ابو عبیدؓ نے لپک کر ایک ہاتھی پر وار کیا لیکن وار خالی گیا، اور ہاتھی نے ان کو سونڈ مین لپیٹ کر پیرون کے نیچے مسل ڈالا، ابو عبیدؓ کے شہید ہوتے ہی مسلمان پسپا ہو گئے لیکن جگہ بہت کم تھی، آگے ایرانی تھے اور پیچھے دریا، اس لئے پسپائی مین کئی ہزار مسلمان پانی مین غرق ہو گئے، مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بڑی مشکلون سے تین ہزار جانین بچائین

واقعہ بویب سنہ ۱۴ھ اور ایرانیون کی شکست

حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو آپ کو مسلمانون کی جانون کی بربادی کا سخت قلق ہوا، آپ نے اس کے انتقام کے لئے پرجوش خطبون سے عربون مین آگ لگا دی، عیسائی عرب بھی قومیت کے جوش مین مسلمانون کے ساتھ ہو گئے اور حضرت عمرؓ نے عبداللہ بجلی کی ماتحتی مین ایک تازہ دم فوج محاذ جنگ پر روانہ کی، دوسری طرف مثنیٰ نے اپنے طور پر سرحدی قبائل کی علٰحدہ ایک فوج تیار کر لی تھی،

بوران دخت کو ان تیاریون کی خبر ہوئی تو اس نے مہران بن جاذویہ کو بارہ ہزار منتخب بہادرون کے ساتھ مقابلہ کے لئے بھیجا، مسلمان بویب مین خیمہ زن تھے، اس لئے مہران سیدھا بویب آیا، اور فرات کو عبور کر کے اس کے اس پار صف آرا ہوا، مسلمان پہلے سے تیار تھے دونون مین نہایت سخت مقابلہ ہوا، گذشتہ جنگ مین جن مسلمانون کے پاؤن اکھڑ گئے تھے وہ اس کی تلافی مین اس بے جگری سے لڑے کہ قریب قریب سب نے درجہ شہادت حاصل کیا، مثنیٰ نے اپنے قبیلہ کو لیکر اس زور کا حملہ کیا کہ ایرانیون کی صفین درہم برہم ہو گئین اور وہ بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے، اس ریلے مین بنی تغلب کے ایک آدمی نے مہران کو قتل کر دیا، مثنیٰ فرات کے پل کو روک کر کھڑے ہو گئے اور جتنی ایرانی سپاہ نے اس کو عبور کرنے کی کوشش کی سب کو تہ تیغ کر دیا، اس معرکہ کے بعد مسلمان سارے عراق مین پھیل گئے،

ایرانیون کا جوش

اس شکست اور ایرانی فوجون کی بربادی کی خبر پایہ تخت پہنچی تو ایرانیون مین

بڑا جوش پھیل گیا، انھون نے بوران دخت کو تخت سے اتار کر اکیس سالہ یزدگرد کو تخت نشین کیا اور از سرِ نو فوجی انتظامات کر کے چند دنون مین تمام قلعون اور چھاؤنیون کو جنگی سامانون سے بھر دیا، ان انتظامات کے ساتھ ہی سازش کر کے تمام مفتوحہ علاقون مین بغاوت پھیلا دی اس بغاوت مین بہت سے علاقے مسلمانون کے قبضہ سے نکل گئے اور مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد پر ہٹ آئے، اور فوراً حضرت عمرؓ کو اس صورتِ حال کی اطلاع بھجوائی۔

حضرت عمرؓ کی تیاریان

حضرت عمرؓ کو یہ حالات معلوم ہوے تو آپنے تمام عرب کے نامور بہادرون رئیسون، خطیبون اور اہل الراے اشخاص کو مدینہ طلب کیا، آپ کی دعوت پر سارا عرب امنڈ آیا، انھین ساتھ لے کر آپنے بہ نفس نفیس نکلنے کا ارادہ کیا، مگر اکابر صحابہ نے مخالفت کی کہ آپ کا دار الخلافہ چھوڑنا مناسب نہین ہے، اس لئے آپنے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور عہدِ رسالت مین بڑے کارہاے نمایان کر چکے تھے، سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بیس ہزار فوج کے ساتھ ایران روانہ کیا، اور چلتے وقت بڑی بیش قیمت نصیحتین کین، اس فوج مین ستر بدری صحابی، تین سو بیعتِ رضوان کے جان نثار، اسی قدر فتح مکہ کے شریک ہونے والے اصحاب اور اتنے ہی صحابہ زادے تھے، حضرت عمرؓ تجارت کے سلسلہ مین سارے عراق کا سفر کر چکے تھے، اور یہان کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس لئے فوج کی نقل و حرکت، اس کی ترتیب و تنظیم اور مورچہ بندی سب اپنے ہاتھ مین رکھی، سعد بن وقاص کو ہدایت تھی کہ وہ ہر منزل اور ہر مرحلہ کا مفصل نقشہ بھیجتے جائین، چنانچہ انھون نے سب سے پہلی منزل شراف کا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ کر فوج کی تنظیم و پیش قدمی کے متعلق مختلف مفید ہدایات بھیجین[1]۔[2]

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۴، [2] طبری ص ۲۲۲۳ و ۲۲۲۹،

شراف کے بعد سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کا پورا نقشہ بھیجا، حضرت عمرؓ نے اسے دیکھ آیندہ پیشقدمی کے متعلق ہدایات بھیجیں[1]، اور حکم دیا کہ جنگ سے پہلے اسلامی سفیرون کو تبلیغِ اسلام کے لئے دربار ایران بھیجا جائے،

اسلامی سفارت اس حکم پر سعد بن ابی وقاص نے قادسیہ کے میدان مین مورچہ بندی کی، اور اشعث بن قیس کندی کو چند آدمیون کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا، انھون نے جاکر اسلام پیش کیا، رستم نے پوچھا تم کس ارادہ سے آئے ہو، مسلمانون نے جواب دیا، یزدگرد کے! دونون مین گفتگو ہوئی، آخر مین مسلمانون نے کہا کہ ہمارے نبیؐ کی پیشین گوئی ہے کہ ہم تمھاری زمین پر قابض ہونگے، رستم نے اس ارادہ کی تحقیر کے لئے تھوڑی سی خاک منگا کر دی کہ "تو ہماری زمین مین تمھارا یہ حصہ ہے" عمرو بن معدیکرب یہ خاک دامن مین لے کر لوٹ آئے اور اپنے ساتھیون سے کہا کہ ان کے ملک پر قبضہ کے لئے یہ فال نیک ہے، رستم کے بعد ان لوگون نے یزدگرد کے پاس جاکر اسلام پیش کیا، اس نے جوشِ غضب مین کہا اگر سفیرون کا قتل کرنا ناروا نہ ہوتا تو تم مین سے کوئی گردن سلامت نہ لیجا سکتا، اور رستم کو سخت تنبیہ کی کہ اس نے انھین کیون آنے دیا،[2]

رستم کو مسلمانون کا کافی تجربہ ہو چکا تھا اس لئے وہ جنگ سے بچنے کے لئے حیلے ڈھونڈھتا تھا، چنانچہ یزدگرد کے تاکیدی احکام کے باوجود جنگ کو ٹالتا رہا، اور قادسیہ پہنچنے کے بعد اس نے پھر کوشش کی اور سعد بنؓ وقاص کو لکھا کہ وہ گفتگو کے لئے دوبارہ آدمی بھیجین، انھون نے مغیرہؓ بن شعبہ کو چند آدمیون کے ساتھ بھیجا، رستم نے انھین مرعوب کرنے کے لئے بڑے ٹھاٹھ کا دربار آراستہ کیا، مغیرہ اس شان سے تھے کہ تلوار بھی قرینہ کی نہ تھی، نیام کے بجائے اوپر

---

[1] طبری ص ۲۲۳۰ و ۲۲۳۹، [2] بلاذری ۲۶۶

چلیتھڑے لپیٹے ہوئے تھے، اسی شان سے دربار مین داخل ہوئے دونون مین بڑی طویل گفتگو ہوئی، آخر مین رستم نے انھین طمع دلائی کہ غالباً تم لوگ معاش کی تنگی اور پریشان حالی کی وجہ سے جنگ کے لئے نکلے ہو، ہم تم کو اتنا دینے کے لئے تیار ہین کہ تمھارا پیٹ بھر جائے اور تمھاری جو خواہشین ہون انھین پوری کرنے کے لئے تیار ہین" مغیرہؓ نے جواب دیا کہ "بیشک ہم بھوکے تھے، لیکن خدا نے ہم مین ایک پیغمبر مبعوث کیا، جس کے اتباع سے ہماری بدبختی خوش بختی سے بدل گئی، اس نے ہم کو اپنے دین کے معاندین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے، اس لئے ہم تمکو خدائے واحد کی پرستش اور نبی صلعم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہین اگر اسے قبول کرتے ہو تو فبہا ورنہ ہمارا تمھارا فیصلہ تلوار کرے گی" یہ سن کر رستم جوش غضب سے بھر گیا اور کہا آفتاب و ماہتاب کی قسم کل طلوع صبح سے پہلے تم سب کو خاک مین ملا دونگا" مغیرہؓ یہ سنکر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہتے ہوئے لوٹ آئے۔[1]

قادسیہ کی جنگ اس گفتگو کے بعد ہی فوجون کو تیاری کا حکم دیدیا اور راتون رات ایرانی فوجین مرتب ہوگئین، صبح ہوتے ہوتے قادسیہ کے میدان مین ہر طرف ایرانی فوجون کا سمندر موجزن تھا،

مسلمان پہلے سے تیار تھے، محرم ۱۴ھ مین فریقین صف آرا ہوئے، عین اس موقع پر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو عرق النسار کا دورہ ہوا، اور وہ نقل و حرکت سے مجبور ہوگئے اس لئے اپنی جگہ خالدؓ بن عرفطہ کو سپہ سالار مقرر کیا اور خود میدان جنگ کے قریب ہی ایک محل مین جہان سے جنگ کا پورا نقشہ نظر آتا تھا ٹھہر گئے، اور یہین سے لڑائی کا رنگ دیکھکر احکام بھیجتے رہتے تھے، بعد نماز ظہر جنگ کا آغاز ہوا، اور رات کی تاریکی تک نہایت گھمسان

[1] فتوح البلدان ص ۲۶۶،

جنگ ہوتی رہی، یہ قادسیہ کا پہلا معرکہ تھا اور یوم ارماث کے نام سے مشہور ہے،
دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا، اور پہلے دن سے بھی زیادہ گھمسان جنگ ہوئی، عین لڑائی
کے وقت حضرت عمرؓ کی بھیجی ہوئی تازہ دم فوج پہنچگئی اور اسکے ساتھ ممتاز بہادرون کے لئے
تحائف آے، سفرائے میدان جنگ مین اعلان کیا کہ امیرالمومنین نے ان بہادرون کے
لئے تحائف بھیجے ہین، جو اپنے کو ان کا مستحق ثابت کرین، اس امتیاز کے حصول کے لئے مسلمانون
نے جانین لڑا دین، اور صبح سے شام تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی، رات کی تاریکی
مین دونون الگ ہوے، اس معرکہ مین دس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی، اس کے بڑے
بڑے ممتاز اور نامور افسر مارے گئے، دو ہزار مسلمان شہید ہوے، اور جنگ دوسرے
دن کے لئے ملتوی ہوگئی، اس جنگ کا نام یوم اغواث ہے،

رات گذرنے کے بعد تیسرا معرکہ شروع ہوا، یہ دونون گذشتہ معرکون سے زیادہ
خوفناک تھا، اس جنگ مین مسلمانون کے لئے سب سے زیادہ نقصان رسان کوہ پیکر ہاتھیون
کی صفین تھین، انھین دیکھ دیکھ کر عربی گھوڑے بھڑکتے رہے، مسلمانون نے گھوڑون پر جھولین
ڈال کران کا جواب پیدا کیا، لیکن سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ہاتھیون کی قطار جدھر رخ کردیتی
تھی صف کی صف درہم برہم ہوجاتی تھی، یہ صورت دیکھ کر چند جانباز مسلمان نیزے
لے لیکر ہاتھیون پر ٹوٹ پڑے اور ان کی آنکھین بیکار کردین، قعقاع نے نشان کے
سفید ہاتھی پر ایسا وار کیا کہ سونڈ مستک سے الگ ہوگئی، وہ جھرجھری لے کر بھاگا، اسے
دیکھ اس کے پیچھے والے تمام ہاتھی بھی بھاگ نکلے اور یہ دیوار آہن ٹوٹ گئی، اس کے
بعد مسلمانون کو کھلکر قوت آزمائی کا موقع ملا اور انھون نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کردیا،
اور اس گھمسان کا رن پڑا کہ تلوارون کی چھپا چھپ، نعرون کی گونج اور گھوڑون کی ہنہناہٹ

کے سوا اور کوئی آواز نہ سنائی دیتی تھی، دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا، رات کو بھی اسی شدت کی جنگ جاری رہی، دوسرے دن دوپہر کو لڑائی کا فیصلہ ہوا، رستم نہایت پامردی سے مقابلہ کر رہا تھا، لیکن آخر مین زخمون سے چور ہو کر بھاگا، راستہ مین ایک ندی تھی اس مین کود کر نکل جانا چاہا، مگر ایک مسلمان نے جو تعاقب مین تھا ندی سے نکال کر قتل کر دیا، اس کے قتل ہوتے ہی ایرانی فوجون نے میدان چھوڑ دیا، اس معرکہ مین بیس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور ان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، گو اس کے بعد عرصہ تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا، لیکن ایرانیون کی اصل قوت قادسیہ کی جنگ مین ٹوٹ گئی تھی،

اس عظیم الشان فتح کے بعد سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمر کو فتح کا مژدہ سنایا، جس دن سے قادسیہ کی جنگ چھڑی تھی حضرت عمر کو نہایت بے چینی کے ساتھ خبرون کا انتظار رہتا تھا اور آپ قاصد کے انتظار مین روزانہ مدینہ کے باہر نکل جاتے تھے، اس لئے سعد بن ابی وقاص کا قاصد شہر کے باہر ہی ملا، اس سے حالات پوچھے، وہ آپ کو پہچانتا نہ تھا، اس لئے وہ سواری پر سے حالات بتاتا جاتا تھا اور حضرت عمر سواری کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے، اسی حالت مین دونون شہر مین داخل ہوئے یہان اسکو معلوم ہوا کہ امیر المومنین یہی ہین، اس وقت وہ بہت سراسیمہ ہوا، آپ نے فرمایا کچھ ہرج نہین تم حالات بیان کرتے جاؤ، زبانی حالات سننے کے بعد مسلمانون کو جمع کر کے سعد بن ابی وقاص کا خط انھین سنایا اور حسب ذیل تقریر کی "مسلمانو! مین بادشاہ نہین ہون کہ تم کو غلام بنانا چاہتا ہون، مین خود خدا کا غلام ہون، البتہ خلافت کا بار گران میرے اوپر ڈالا گیا ہے، اگر مین اس طرح تمھاری خدمت کر سکتا کہ تم شکم سیر ہو کر چین سے گھر مین سوؤ تو میرے لئے عین سعادت ہے اور اگر مین خواہش کرون کہ تم لوگ میرے دروازے پر حاضری

دیا کرو، تو میری بدبختی ہے، اس وقت مجھے خوشی کم میسر ہوگی اور غم زیادہ،[1]

ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ

قادسیہ کی شکست کے بعد ایرانیون نے بابل مین اجتماع کیا تھا، اس لئے قادسیہ مین دو مہینہ قیام کے بعد سعدؓ بن ابی وقاص بابل روانہ ہوگئے، لیکن قادسیہ کی جنگ نے ایرانیون کی قوت بہت کمزور کردی تھی، اس لئے وہ مسلمانون کے مقابلہ مین نہ ٹک سکے اور وہ ان کو شکست دے کر بابل کوثی اور بہرہ شیر وغیرہ پر قبضہ کرتے ہوے ایران کے پایہ تخت مدائن کے قریب پہنچ گئے، بہرہ شیر اور مدائن کے درمیان دجلہ حائل تھا، ایرانیون نے مسلمانون کو مدائن پر حملہ سے روکنے کے لئے دجلہ کا پل توڑ کر کشتیان روک دی تھین، اس لئے جب مسلمان دجلہ کے ساحل پر پہنچے تو اسے عبور کرنے کا سامان نہ تھا، سعد بن ابی وقاص نے خدا کا نام لے کر دجلہ مین گھوڑا ڈال دیا، انھین دیکھ کر پوری فوج دجلہ مین اتر گئی، اور نہایت اطمینان کے ساتھ باتین کرتی ہوئی پار پہنچ گئی، ایرانی دور سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتے تھے اور متحیر تھے، جب مسلمان کنارہ پر پہنچ گئے تو متحیر ایرانی "دیوان آمدند" "دیوان آمدند"[2] کہہ کر بھاگ نکلے، ایک افسر خرزاد نے معمولی سی مزاحمت کی لیکن مسلمانون نے اسے مغلوب کر لیا، یزدگرد پایہ تخت چھوڑ کر بھاگ گیا اور حضرت سعدؓ بن وقاص صفر سنہ ۱۶ھ مین مدائن مین داخل ہوگئے، جمعہ کا دن قریب تھا، ایوانِ کسریٰ مین تخت شاہی کی جگہ منبر نصب کر کے مسلمانون نے نماز جمعہ ادا کی، یہ پہلا جمعہ تھا جو سرزمین عراق مین پڑھا گیا، مدائن کے خزانہ مین صدیون کی دولت اور زر و جواہر کے علاوہ سلاطینِ عجم کے نادرۂ روزگار عجائبات اور نایاب یادگارین جمع تھین، یہ تمام تاریخی نوادر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت

---

[1] طبری، ۲۳۶۸، [2] ایضاً ۲۴۳۹ و ۲۴۴۴،

عمرؓ کے پاس مدینہ بھجوا دیے ان نوادر مین نوشیروان کا ملبوس شاہی اور ایران کا تاریخی فرش بہار بھی تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ ملبوس ایک شخص مُحلّم کو پہنایا گیا، جس وقت اس نے اسے پہنا جواہرات کی جگمگاہٹ سے لوگون کی نگاہین خیرہ ہوگئین، اور انقلاب دہر کا عجیب عبرتناک منظر سامنے آگیا، فرش بہار سلاطین عجم کا نہایت تاریخی فرش تھا، اس پر وہ بہار کے موسم مین بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے اس مین اس عہد کی ساری صناعیان صرف کردی گئی تھین، بہار کی مناسبت سے جواہرات کے گل بوٹے اور پھل پھول تھے، سب کی رائے تھی کہ اسے یونہی محفوظ رہنے دیا جائے، لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے حکومت ایران کی طرح اس فرش بہار پر بھی خزان آگئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے تقسیم کردیا گیا،

جلولار کا معرکہ مدائن سے نکلنے کے بعد ایرانیون نے جلولار کو مرکز بنایا اور رستم کے بھائی خرزاد نے یہان ایک بہت بڑی فوج جمع کرکے شہر کے گرد خندق کھدوا کر تمام راستون پر گگھرو بچھوا دیئے، اس لئے سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق ہاشم بن عتبہ اور قعقاع کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ جلولار بھیجا، انھون نے اس کا محاصرہ کرلیا، لیکن اولاً جلولار خود نہایت مستحکم شہر تھا، دوسرے یزدگرد حلوان سے برابر امدادی فوجین بھیج رہا تھا، اس لئے کئی مہینے لگ گئے لیکن ہاشم نے عہد کرلیا تھا کہ بغیر فتح کئے ہوئے نہ ملین گے، بالآخر کئی مہینہ کی خونریز لڑائیون کے بعد قعقاع کی شجاعت سے جلولار فتح ہوگیا اور بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا،

حلوان پر قبضہ یزدگرد اس وقت حلوان مین تھا اسے خبر ہوئی تو وہ حلوان چھوڑ کر رے بھاگ گیا، اس کے حلوان چھوڑنے کے بعد قعقاع یہان پہنچے اور خسرو شنوم کو شکست دے کر حلوان پر بھی قبضہ کرلیا اور عام منادی کرادی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کرینگے ان کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا، اس اعلان پر بہت سے امرا دائرۂ اسلام مین داخل ہوگئے،

جلولار عراق کا آخری مقام تھا، اس کے بعد عراق کی سرحد ختم ہوجاتی ہے،

جزیرہ | عراق کے زیرنگین ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آگے قدم بڑھانا نہین چاہتے تھے اور فرماتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہوجاتا کہ نہ وہ (ایرانی) ہم پر حملہ آور ہوسکتے اور نہ ہم ان پر" مگر عراق ہاتھون سے نکل جانے کے بعد ایرانی صبر نہین کر سکتے تھے اب یہ قومی مسئلہ بن گیا تھا، پہلے صرف حکومت کا مقابلہ تھا، لیکن عراق نکل جانے کے بعد پوری قوم مقابلہ مین آگئی اور اہل جزیرہ نے جن کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی تکریت مین نہایت زبردست اجتماع کیا، سعد بن ابی وقاصؓ کو ایران پر فوجکشی کے بارہ مین حضرت عمرؓ کے خیالات معلوم تھے اس لئے انھون نے ان کو حالات لکھ بھیجے، ان حالات مین حضرت عمرؓ کے لئے بھی بجز مقابلہ کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اس لئے آپ نے عبداللہ بن غنم کو اس مہم پر بھیجنے کا حکم دیا،

تکریت پر قبضہ | اس حکم پر وہ ۱۶ھ مین پانچہزار فوج لے کر تکریت پہنچے اور محاصرہ کر کے چالیس دن تک برابر حملے کرتے رہے، لیکن جزیرہ کے عیسائی عرب بھی ایرانیون کے ساتھ تھے، اس لئے کامیابی نہ ہوتی تھی، عبداللہ نے عربون کے پاس خفیہ نامہ و پیام کر کے انھین ملالیا، اسکے بعد جب مسلمانون نے حملہ کیا تو عقب سے عرب بھی حملہ آور ہوگئے، اور ایرانی دو پاٹون کے درمیان پڑ کر پس گئے اور تکریت پر قبضہ ہوگیا، اس کے بعد چند دنون تک جزیرہ کی مہم ملتوی رہی پھر ۱۸ھ مین حضرت عمرؓ نے پھر عیاض بن غنم کو مامور کیا، انھون نے جزیرہ بھر مین فوجین پھیلادین اور معمولی لڑائیون کے بعد، رقہ، حران، نصیبین، میافارقین، سمساط، سرج اور قرقیسیا وغیرہ فتح کر کے جزیرہ کا پورا علاقہ زیرنگین کرلیا،

خوزستان | عراق کی فتح کے بعد اس پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے یہان ایک اسلامی شہر بصرہ

آباد ہوچکا تھا، اس کا سرحدی علاقہ خوزستان اب تک ایرانیون کے قبضہ مین تھا، اس لئے بصرہ کی حفاظت کے لئے خوزستان پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ ۱۶ھ مین بصرہ کے والی مغیرہ بن شعبہ نے اہواز پر حملہ کرکے یہان کے والی ہرمز کو مطیع بنایا، لیکن چند دنون کے بعد پھر باغی ہوگیا، اس وقت ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے والی تھے، انھون نے ہرمز کو شکست دیکر اہواز پر مستقل قبضہ کرلیا،

اہواز کے بعد سوس فتح کیا، سوس کے بعد راہرمز کا محاصرہ کیا، اس کے حاکم نے آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح کرلی، ابوموسیٰؓ کی فتوحات کو دیکھ کر امیر ہرمزان نے یزدگرد کی خدمت مین جاکر درخواست کی کہ اگر اہواز اور فارس کی حکومت میرے متعلق کردیجائے تو مین عربون کو آگے بڑھنے سے روک دون گا، یزدگرد نے منظور کرلی اور اسکو اہواز اور فارس کی حکومت کا پروانہ دے کر ایک فوج بھی اس کے ساتھ کردی، پروانہ لے کر ہرمزان شوستر آیا اور اس کے جنگی استحکامات درست کرکے ایک عظیم الشان فوج جمع کرلی،

ابوموسیٰ کو اس کی تیاریون کی خبر ہوئی تو انھون نے حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دے کر مزید مدد مانگی، آپ نے فوراً عمار بن یاسرؓ والی کوفہ کو حکم بھیجا کہ وہ کوفہ کی فوجین لے کر ابوموسیٰؓ کی مدد کو روانہ ہوجائین، جریر بن عبداللہ بجلیؓ بھی تھوڑی سی فوج لے کر آگئے، ابوموسیٰ ان دونون کو ساتھ لے کر شوستر پہنچے، ہرمزان نے نہایت بہادری کے ساتھ انھین روکا، بہت سے مسلمان کام آئے، لیکن آخر مین وہ پسپا ہوکر قلعہ بند ہوگیا، ابوموسیٰ نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی، اتفاق سے شہر کا ایک باشندہ مل گیا، اس کے ذریعہ سے ایک مسلمان خفیہ راستہ سے شہر کے تمام راستے دیکھ آیا اور تھوڑے سے مسلمانون کو لیکر تہ خانہ کے ذریعہ سے شہر مین داخل ہوگیا اور شہر پناہ کے دروازے کھولدئے

مسلمان باہر منتظر تھے، شہر کے دروازے کھلتے ہی گھس پڑے، ہرمزان نے قلعہ میں پناہ لی اور ابوموسیٰ کے پاس کہلا بھیجا کہ مین اس شرط پر نکل آؤنگا کہ مجھے عمرؓ کے پاس بھجوا دیا جائے، ابوموسیٰ نے منظور کرلیا اور ہرمزان مدینہ پہنچکر مسلمان ہوگیا، حضرت عمرؓ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کیا، شوشتر کے بعد جندیسا پور فتح ہوا اور خوزستان کا پورا علاقہ زیرنگین ہوگیا،

عراق عجم پر فوجکشی اور نہاوند کا معرکہ

یزدگرد اس وقت مرو مین تھا، یہین اسے خبر ملی کہ خوزستان پر مسلمانون کا قبضہ ہوگیا اور اس کا قوت بازو ہرمزان بھی گرفتار ہوگیا، اب تک ایرانی سمجھتے تھے کہ عربون کا سیلاب سرحد پر آکر رک جائے گا، لیکن خوزستان پر قبضہ کے بعد ان کو نظر آیا کہ یہ بے پناہ سیلاب سارے ایران کو بہالیجائے گا، اس لئے انھون نے یزدگرد کو آمادہ کیا، اس نے ایران کے چھوٹے چھوٹے ماتحت فرمانبردارون کو لکھا، وہ سب اپنی اپنی فوجین لے کر پہنچ گئے اور ڈیڑھ لاکھ فوج مسلمانون کے مقابلہ کے لئے جمع ہوگئی[۱]،

یزدگرد نے ایران کے مشہور بہادر مروان شاہ کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، اور ایران کا تاریخی علم درفش کاویانی جو فتح وظفر کا نشان سمجھا جاتا تھا، ساتھ کردیا، کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، آپنے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ آپ خود اہل حرم کو لے کر مقابلہ کے لئے نکلئے، لیکن حضرت علیؓ نے مخالفت کی، انھون نے کہا اگر آپ خود نکلئے گا تو اندرونِ عرب بغاوت بپا ہوجائے گی، آپ تمام ممالک محروسہ کی ایک ایک تہائی فوج کو ایک مرکز پر جمع ہونے کا حکم دیجئے، اس مشورہ پر آپنے فوجین جمع کرکے نعمان بن مقرن کو سپہ سالار بنا کر نہاوند روانہ کیا، انھون نے نہاوند پہنچکر چند میل ادھر منزل کی، مروان شاہ پہلے سے موجود تھا، اس نے پہلے صلح کی کوشش کی اور گفتگو کے لئے مسلمان سفرا بلا بھیجے، نعمان نے مغیرہ بن شعبہ کو سفیر بنا کر بھیجا،

[۱] ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۳ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۱،

مردان شاہ نہایت ٹھاٹھ سے سر پر زرنگار تاج رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، دربار کے چپ و راست تلواریں اور نیزے لگائے کھڑے تھے جن کی چمک سے نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی مغیرہؓ نے کوئی توجہ نہ کی اور ایک شان بے نیازی کے ساتھ گھستے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، مغیرہ نے کہا سفراء کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا، مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی، مردان شاہ نے کہا کہ "اہل عرب! دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت، فاقہ مست اور نجس و ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو، ہماری سپاہ کبھی کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی لیکن تم اس قدر ذلیل و خوار ہو کہ ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ ہونا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں خاک و خون میں تڑپتی نظر آئینگی"، مغیرہؓ نے حمد و نعت کے بعد جواب دیا، "تمہارا جیسا خیال ہے بیشک ہم ایک زمانہ میں ایسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسول نے ہماری کایا پلٹ دی، اس نے ہم سے دنیا میں نصرت و فتح اور آخرت میں جنت کا وعدہ کیا اور اس وقت سے برابر فتح و نصرت ہمارے ہمرکاب ہے، اس لئے اب ہم اس وقت تک واپس نہیں جا سکتے جب تک تمہارے ملک پر قبضہ نہ کر لیں یا ہماری لاشیں نہ تڑپیں"[1]۔

غرض مردان شاہ کی نخوت سے یہ سفارت ناکام رہی اور ان کی واپسی کے بعد جنگ چھڑ گئی اور ایسا خونریز معرکہ ہوا کہ عجم کی لڑائیوں کے سلسلہ میں قادسیہ کے سوا ایسی جنگ نہ ہوئی تھی، فریقین نہایت ثبات و پامردی سے لڑے ہزاروں لاشیں خاک و خون میں نہا گئیں، نعمانؓ بن مقرن زخمی ہو کر گرے، زخم مہلک تھا لیکن انھوں نے منع کر دیا کہ جب تک لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے کوئی ان کی جانب متوجہ نہ ہو، چنانچہ ان کے گرنے کے بعد ان کے بھائی نعیم نے علم سنبھال لیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی اور اسی زور و شور کے ساتھ جنگ جاری رہی،

[1] طبری ج ۵ ص ۲۶۰۲،

رات ہوتے ہوتے ایرانیون کے پاؤن اکھڑ گئے، مسلمانون نے ہمدان تک ان کا تعاقب کرکے ہزارون ایرانیون کو تہ تیغ کر دیا اس جنگ مین تیس ہزار ایرانی سپاہ کام آئی اور ان کی قوت ایسی تباہ ہوئی کہ پھر اس سر و سامان کے ساتھ کبھی مسلمانون کے مقابلہ مین نہ آسکے، عرب اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے موسوم کرتے ہین،

اختتام جنگ کے بعد مقتل نعمان بنؓ مقرن کے نیم جان لاشہ کے پاس پہنچے کچھ کچھ جان باقی تھی، اس حالت مین بھی زبان سے نکلا "مسلمانون کا کیا انجام ہوا" جواب "یا خدا نے فتح دی، فرمایا الحمد للہ عمرؓ کو اطلاع دو، یہ مژدہ سنکر جان جاں آفرین کے سپرد کی،

حضرت عمرؓ کو مہینون سے بے قراری کے ساتھ جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا، عین اس حالت مین قاصد کسریٰ پرویز کے جواہرات کے ڈھیر لئے ہوئے پہنچا، فتح کا مژدہ سنکر آپ کو بڑی مسرت ہوئی، لیکن جب نعمان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار سر پر ہاتھ رکھکر رونے لگے اور جواہرات فروخت کرکے فوج مین تقسیم کرا دیئے،

ایران پر عام لشکر کشی

حضرت عمرؓ سرزمین ایران کی طرف بڑھنا چاہتے تھے لیکن عراق نکل جانے کے بعد سے ایرانی چین سے نہ بیٹھے تھے، چنانچہ وہ برابر فوجین جمع کر رہے تھے، مفتوحہ علاقون مین بار بار بغاوت کرا دیتے تھے، یزدگرد مرو مین بیٹھا ہوا آئے دن فتنے اٹھاتا رہتا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کو بڑا تردد تھا اور آپ ان بار بار کی بغاوتون کو مسلمانون کی بدسلوکی کا نتیجہ سمجھتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے چند مسلمانون کے سامنے جو عجم کی مہمات مین شریک تھے اس کا اظہار بھی کیا کہ "معلوم ہوتا ہے مسلمان ذمیون کو تکلیف دیتے ہین، اس لئے وہ باغی ہو جاتے ہین" ان لوگون نے اس کی تردید کی، احنف بن قیس نے کہا امیر المومنین اس کی اصل وجہ یہ ہے

ؔ فتوح البلدان ص ۳۱۲،

کہ آپنے مسلمانون کو ایران کے اندرونِ ملک بڑھنے سے روک دیا ہے، اور اس کا بادشاہ ملک میں موجود ہے، جب تک وہ باقی رہیگا اس وقت تک وہ برابر غدر کرتے رہین گے، اس لئے کہ ایک ملک مین دو بادشاہ نہین رہ سکتے، ان کا بادشاہ ان کو بھڑکاتا رہتا ہے، جب تک ہم کو اندرونِ ملک فوجکشی کرکے ان کے بادشاہ کے استیصال کی اجازت نہ ملیگی، اس وقت تک یہ صورت قائم رہیگی جب تک وہ بادشاہ سے مایوس نہ ہونگے اس وقت تک خاموش نہ بیٹھین گے، حضرت عمرؓ نے احنف کی دانشمندانہ راے بہت پسند کی اور اسی وقت ایران پر فوجکشی کا ارادہ کر لیا تھا[۱]

اس کے کچھ دنون کے بعد سنہ ۱۹ھ مین آپنے صحابہ سے مشورہ کیا انھون نے بھی یہی کہا "جب تک ایران کے تخت کا وارث موجود ہے اس وقت تک یہ فتنہ و فساد ختم نہ ہوگا" اس مشورہ کے بعد آپنے ایران پر عام فوجکشی کا فیصلہ کیا اور ایران کے مختلف حصون پر کیلیے علیحدہ علیحدہ افسر نامزد کئے، احنف بن قیس کے جنھون نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا خراسان کی مہم جہان یزدگرد مقیم تھا سپرد ہوئی، اردشیر اور سابور کا علم مجاشع بن مسعود کو اصطخر کا عثمان بن ابی العاص کو فسا کا، ساریہ بن زہیم کنانی کو کرمان کا سہیل بن عدی کو سیستان کا عاصم بن عمرو کو مکران کا حکم بن عمیر کو، اور آذربیجان کا عتبہ بن فرقد کو عطا ہوا، یہ لوگ سنہ ۲۱ھ مین اپنی اپنی مہمون پر روانہ ہوے، ان کے علاوہ اور متفرق مقامات پر متعدد افسرون کو مامور کیا،

اصفہان | اس سلسلہ مین سب سے اول عبداللہ بن عبداللہ نے سنہ ۲۱ھ مین اصفہان پر فوجکشی کی یہان کا رئیس اسبیدان سواد اصفہان مین فوجین لئے موجود تھا، مقدمۃ الجیش کی کمان ایک پرانے اور تجربہ کار بہادر شہریار کے ہاتھون مین تھی، عبداللہ کے پہنچنے کے ساتھ دونون مین

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲، ۲

ایک خونریز معرکہ ہوا، شہریار نے مبارز طلبی کی عبداللہ مقابلہ مین آئے، شہریار مارا گیا، اس کے قتل ہوتے ہی جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور اسبیدان نے صلح کرلی،

ہمدان کی بغاوت | نعیم بن مقرن ہمدان فتح کر چکے تھے ۲۲ھ مین یہان بغاوت ہوئی، نعیم نے بغاوت فرو کرکے خاص شہر ہمدان کا محاصرہ کیا، اہل ہمدان نے صلح کرلی، لیکن اس کے بعد ہی دیلم رے اور آذربیجان کے روسا، ابو الفرخان اور اسفندیار اپنی اپنی فوجین لے کر اہل ہمدان کی مدد کو پہنچ گئے، نعیم کو خبر ہوئی تو مقابلہ کے لئے نکلے، وادی رود مین نہایت خونریز جنگ ہوئی ایرانیون نے شکست کھائی اور ان کی بڑی تعداد قتل ہوئی،

اسی سنہ مین برار بن عازب نے قزوین اور زنجان فتح کئے،

رے وغیرہ کی فتح | وادی رود کے معرکہ کے بعد نعیم بن مقرن رے پہنچے، یہان کے حاکم سیاوش نے جو بہرام چوبین کا پوتا تھا، طبرستان، قومس اور جرجان کے امراء سے مدد طلب کی یہ سب اپنی اپنی فوجین لے کر پہنچے،

رے کا ایک رئیس زینبی جو سیاوش سے کسی بات پر برہم تھا، نعیم سے مل گیا اور حسن تدبیر سے رے پر مسلمانون کا قبضہ کرادیا، یہان قریب قریب مدائن کے برابر مال غنیمت ملا، اس خدمت کے صلہ مین نعیم نے زینبی کو رے کی حکومت عطا کی اور یہین سے اپنے بھائی سوید کو بھیجکر قومس پر قبضہ کرایا،

طبرستان | قومس کے بعد ہی طبرستان کی سرحد شروع ہوجاتی ہے، اس لئے اب طبرستان کا نمبر تھا لیکن مسلمانون کی پیشقدمی سے پہلے ہی سرحدی علاقہ کے باشندون نے خود پیشقدمی کرکے صلح کرلی، لیکن اندرونی علاقہ اس صلح مین شامل نہ تھا، اس لئے نعیم اندرون ملک جرجان کی طرف بڑھے اور بسطام پہنچکر جرجان کے حاکم زرنان سے نامہ وپیام کیا، اس نے جزیہ قبول کرکے صلح کرلی، اس

مصالحت کی خبر سنکر صوبہ طبرستان کے رئیس اصبہبذ نے بھی اطاعت قبول کرلی اور ۲۲ھ مین طبرستان کا پورا علاقہ مطیع ہوگیا،

آذربیجان | اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو آذربیجان کی مہم پر مامور کیا تھا، بکیر بن عبداللہ ان کے شریک تھے، یہ دونون ۲۲ھ مین آذربیجان کے مختلف حصون مین علیحدہ علیحدہ بڑھے کوہستان جرمیدان مین آذربیجان کے حاکم اسفندیار کا جو وادی اردو کی مہم سے ناکام واپس آرہا تھا بکیر بن عبداللہ کا سامنا ہوا، اسفندیار چونکہ شکست خوردہ آرہا تھا، اس لئے بکیر نے اسے دوبارہ آسانی سے شکست دے کر گرفتار کرلیا، اس کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس نے بکیر سے پوچھا کیا چاہتے ہو صلح یا جنگ؟ بکیر نے جواب دیا صلح، اسفندیار نے کہا اگر صلح چاہتے ہو تو مجھے اپنے پاس روکے رکھو، بکیر نے روک لیا، اس درمیان مین عتبہ بن فرقد نے بھی اپنی سمت فتح کرلی اور بکیر حضرت عمرؓ کے حکم سے باب کی مہم مین مدد دینے کے لئے چلے گئے، ان کے جانے کے بعد اسفندیار کا بھائی بہرام عقب کی طرف سے بڑھا، لیکن عتبہ نے شکست دیدی، اس کے شکست کھانے کے بعد اسفندیار نے جو عتبہ کے پاس تھا کہا کہ اب جنگ ختم ہوگئی اور عتبہ سے مصالحت کرلی، اس طرح آذربیجان کا پورا علاقہ صلحًا مطیع ہوگیا، یہ طبری کا بیان ہے، بلاذری کے بیان کے مطابق آذربیجان کو حذیفہ نے فتح کیا تھا،

آرمینیہ | آذربیجان کے بعد آرمینیہ کا علاقہ تھا، اس پر شام کی فوجکشی کے سلسلہ مین ۱۷ھ مین حملہ ہوا، تھا، لیکن فتح نہ ہوا، دوبارہ آذربیجان کے ساتھ ساتھ سراقہ بن عمرو اور عبدالرحمن نے پھر فوجکشی کی چنانچہ اس وقت آرمینیہ مین جنگ چھڑی ہوئی تھی، اور بکیر بن عبداللہ آذربیجان سے اسی مہم کے لیے گئے تھے، عبدالرحمن اس وقت باب مین خیمہ زن تھے، آرمینیہ کا ایرانی حاکم شہریار آرمینیون کو نہایت ذلیل سمجھتا تھا، چنانچہ وہ عبدالرحمن کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مخلوط النسل ارمنی کتون کا کوئی

حسب نسب نہین ہے اور کوئی سمجھدار عالی نسب، عالی نسبون کے مقابلہ مین کمینون کی مدد نہین کر سکتا، اس لئے مجھ کو آرمینیون سے کوئی ہمدردی نہین ہے امیرے ملک اور میری قوم کو تم لوگ فتح کر چکے، اس لئے مین بھی تمھارا مطیع اور مددگار ہون لیکن اتنی درخواست ہے کہ جزیہ لے کر مجھے ذلیل اور اپنے دشمنون (ارمنی) کے مقابلہ مین کمزور نہ کرو، اس کی درخواست سنکر عبدالرحمن رض نے اس کو سراقہ کے پاس بھجوا دیا، اس نے سراقہ سے بھی یہی کہا انھون نے کہا کہ جزیہ تو ان لوگون کے لئے ہے جو جنگ مین شریک نہین ہوتے اور شہر یار کی درخواست منظور کر کے حضرت عمر رض کو اطلاع دی، انھون نے بھی اس فیصلہ پر پسندیدگی ظاہر کی، (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲)

باب سے فراغت کے بعد سراقہ نے بکیر بن عبد اللہ کو موقان اور حبیب بن مسلمہ اور حذیفہ کو کوہستان لان کی طرف روانہ کیا، بکیر نے موقان والون کو مطیع بنایا، عبدالرحمن بن ربیعہ مملکت خزر کی طرف بڑھے اور اس کے پایہ تخت کے قریب مقام بیضا تک بڑھتے چلے گئے،

فارس فارس پر حملہ کے درمیان مین دریا پڑتا تھا، اور حضرت عمر رض مسلمانون کو دریا کے خطرات مین ڈالنا نہ چاہتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ "کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ حائل ہو جاتا کہ نہ ہم ان کی طرف بڑھ سکتے اور نہ وہ ہماری طرف آسکتے" لیکن ایک اولوالعزم جانباز علاء بن حضرمی والی بحرین نے ۱۷ھ مین حضرت عمر رض کی اجازت کے بغیر حملہ کر دیا تھا لیکن سخت نقصان اٹھانا پڑا، اسلامی فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا اور جو بچا اسے اہل فارس نے گھیر لیا، حضرت عمر رض کو اطلاع ہوئی تو آپ کو سخت قلق ہوا اور فوراً عتبہ بن غزوان کو لکھ کر مدد کیلئے فوجین بھجوائین، انھون نے ایرانیون کو شکست دے کر باقیماندہ مسلمانون کو بچایا،

اس کے بعد جب ایران پر عام فوجکشی ہوئی تو ساریہ بن زنیم کنانی ۲۳ھ مین فارس کی طرف بڑھے، اہل فارس اس وقت توج مین جمع تھے، لیکن مسلمان ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے

اور جو سمت ان کے لئے متعین کردی گئی تھی، سیدھے اسی رخ پر بڑھتے چلے گئے، اس لئے اہل فارس بھی توج سے منتشر ہوگئے، ان کے منتشر ہونے کے بعد مجاشع ابن مسعود، سابور اور اردشیر خرہ کی طرف بڑھے، اور توج میں فارسیوں کا مقابلہ ہوا، مسلمانوں نے شکست دے کر توج کو فتح کرلیا، دوسری طرف عثمان بن ابی العاص اصطخر کی طرف بڑھے، یہاں کے باشندوں نے مقام جور میں مقابلہ کیا، لیکن شکست کھائی، عثمان نے جور اور اس کے بعد اصطخر پر قبضہ کرلیا، اصطخر کے بعد گازرون نوبندجان، شیراز، ارجان، سنیز اور جناب وغیرہ فارس کے بڑے حصہ پر قبضہ ہوگیا،

حضرت عمرؓ کے آخر عہد خلافت میں یزدگرد کے اشارہ سے فارس میں بغاوت ہوگئی اور بہت سے مفتوحہ مقامات نکل گئے، لیکن حکم بن ابی العاص نے فارس کے مرزبان شہرک کو قتل کرکے بغاوت کو قابو میں کیا،

فارس کے بعض مقامات فسا اور دارابجرد وغیرہ رہ گئے تھے، ساریہ بن زنیم نے سب سے آخر میں ان پر فوجکشی کی، ان کے مقابلہ کے لئے ایرانیوں اور کردوں کا ٹڈی دل امنڈ آیا ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد کچھ نہ تھی، لیکن ساریہ کی ہمت و شجاعت نے یہ معرکہ بھی سر کیا اور فسا اور دارابجرد پر قبضہ ہوگیا،

کرمان کرمان کی مہم سہیل بن عدی کے متعلق تھی، فارس کے بعد کرمان کا صوبہ سامنے تھا چنانچہ ۲۳ھ میں سہیل بن عمرو نے کرمان پر چڑھائی کی، اہل کرمان قفس وغیرہ کی امداد سے کر مدافعت کے لئے نکلے، سرحد ہی کے پاس فریقین کا مقابلہ ہوا اور معمولی جنگ کے بعد کرمانیوں نے شکست کھائی، یہاں کا مرزبان مارا گیا، اس کے قتل ہونے سے کرمان کے مرکزی مقامات جیرفت اور سیرجان وغیرہ پر قبضہ ہوگیا،

سیستان کرمان کے بعد عاصم بن عمرو نے سیستان پر فوجکشی کی اہل سیستان روکنے کے لئے بڑھے مسلمانون نے شکست دی اور تعاقب کرتے ہوے دور تک بڑھتے چلے گئے زرنج پہنچکر اس کا محاصرہ کرکے دریا کا بند کھول دیا، سارے سیستان مین سیلاب آگیا، اہل سیستان نے مجبور ہوکر اس شرط پر صلح کرلی کہ ان کی تمام اراضی محفوظ قرار دیجاے، مسلمانون نے منظور کرلیا اور اس شرط کا اتنا لحاظ رکھا کہ کھیتون کے پاس سے جلدی گذر جاتے تھے کہ چھو نہ جائے[1]،

مکران سیستان ایران کی آخری حد ہے، اسکے بعد سندھ کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے، اس لئے ایران کی سرزمین کے بعد اسلام کا علم ہندوستان کے حدود کی طرف بڑھا، چنانچہ سیستان کی فتح کے بعد حکم بن عمرو تغلبی مکران کی طرف بڑھے، یہان کا فرمانروا راسل سندھ کے حکمران کی مدد سے کر مقابلہ مین آیا دریاے ہلمند پر دونون کا مقابلہ ہوا، ایک خونریز جنگ کے بعد راسل نے شکست کھائی، اس شکست مین مکرانیون کی بڑی تعداد کام آئی،

حکم نے صحار عبدی کو نامہ فتح اور مال غنیمت دے کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا، آپ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انھون نے ان الفاظ مین یہان کی برائیون کا نقشہ کھینچا، ارض سہلھا جبل، وماؤھا وشل، وثمرھا دقل، وعدوھا بطل وخیرھا شر، وشرھا طویل، و الکثیر بھا قلیل، حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان کرنے مین قافیہ بندی کا کیا کام صحار نے عرض کیا واقعی حالات عرض کر رہا ہون، یہ بھیانک نقشہ سنکر آپ نے حکم کو لکھ بھیجا کہ آگے پیشقدمی روک دیجاے، چنانچہ مشرق مین فاروقی فتوحات کی آخری سرحد یہی ہے، لیکن بلاذری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے علاقہ دیبل تک فوجین پہنچ گئی ہین، اگر یہ صحیح ہے تو خلافت فاروقی ہی مین ہندوستان مین اسلام کا علم پہنچ گیا تھا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۷،

خراسان کی فتح اور یزدگرد کا آخری مقابلہ

ان فتوحات کے دوران میں یزدگرد خراسان میں مقیم تھا، اور ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتا رہتا تھا، خراسان کی مہم احنف بن قیس سے (جنھوں نے یزدگرد کے استیصال کا مشورہ دیا تھا) متعلق ہوئی تھی، چنانچہ انھوں نے ۲۲ھ میں خراسان پر چڑھائی کی تھی لیکن چونکہ خراسان کی فتح فرمانروائے ایران کا دم واپسین تھی، اس لئے ہم نے اس کو آخر میں لکھنا مناسب سمجھا،

خراسان پر فوجکشی کے وقت یزدگرد خراسان کے شہر مرو میں تھا، مقدس آگ ساتھ تھی، یہاں بیٹھے بیٹھے وہ ایران کے مختلف صوبوں میں بغاوت کراتا رہتا تھا، اس لئے احنف سیدھے مرو کی طرف بڑھے اور ہرات کو فتح کرتے ہوئے یزدگرد اس کے مستقر مرو شاہجہان کا رخ کیا اور مطرف بن عبد اللہ کو نیشاپور اور حارث بن حسان کو سرخس روانہ کیا، مرو شاہجہان کی طرف احنف کا رخ دیکھ کر یزدگرد، مروالروز چلا گیا اور خاقان چین اور ایران کے آس پاس کے سرحدی فرمانرواؤں سے مدد طلب کی، احنف کو خبر ملی تو وہ فوراً مروالروز پہنچ گئے، یزدگرد یہاں سے بلخ نکل گیا، احنف بھی تعاقب میں پہنچے، یزدگرد شکست کھاکر نہر پار کرکے تاتاری علاقے میں نکل گیا اور احنف بلخ پر قابض ہوگئے،

یزدگرد کے خراسان چھوڑنے کے بعد احنف نے سارے خراسان میں فوجیں پھیلادیں اور چند دنوں میں نیشاپور سے طخارستان تک کا علاقہ زیرنگین ہوگیا، احنف نے مروالروز واپس ہوکر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا، آپ سنکر نہایت مسرور ہوئے اور احنف کو آگے بڑھنے سے روک دیا،

یزدگرد خراسان چھوڑنے کے بعد خاقان چین کے یہاں پہنچا، اس نے بڑے احترام کے ساتھ ٹھہرایا اور چند دنوں کے بعد ترک، فرغانہ اور صغد کی فوجیں جمع کرکے یزدگرد کے ہمراہ

خراسان آیا احنف اس وقت مرو الروز مین تھے، یہین دونون کا مقابلہ ہوا، کچھ دنون فریقین مین صبح وشام جھڑپ ہوتی رہی، ایک دن حسب معمول خاقان کی فوج کے تین بہادر فوج کے آگے آگے طبل ودمامہ بجاتے ہوے نکلے احنف نے یکے بادیگرے تینون کو قتل کردیا، خاقان نے اس سے فال بدلی، اس کو مسلمانون کی قوت کا بھی اندازہ ہوگیا تھا، اس لئے یہ خیال کرکے کہ مسلمانون سے لڑنے مین اس کا کوئی فائدہ نہین ہے دوسرون کے لئے لڑکر انھین خواہ مخواہ اپنا دشمن بنانا نامناسب ہے فوج کو کوچ کا حکم دیدیا،

اس کی واپسی کے بعد یزدگرد نے مایوس ہوکر خاندان کیانی کا خزانہ اور کل موروثی دولت لیکر خود بھی خاقان کے ساتھ نکل جانے کا قصد کیا، ایرانیون کو خبر ہوئی تو انھون نے روکا کہ "چینیون کا کوئی دین ومذہب نہین ہے، معلوم نہین وہ کیسا برتاؤ کرین گے، ان سے بہتر مسلمان ہین کہ وہ دین ومذہب رکھتے ہین، عہد کے پابند ہین" اس لئے چین جانے سے بہتر یہ ہے کہ مسلمانون سے صلح کرلیجائے، لیکن یزدگرد نہ مانا اور خزانہ ساتھ لیجانے پر مصر ہوا، ایرانیون نے جب دیکھا کہ ملک کی کل دولت نکلی جارہی ہے تو زبردستی چھین لی اور یزدگرد ناکام ونامراد ترکستان چلاگیا،

یزدگرد کے ملک بدر ہونے کے بعد ایرانیون نے احنف کے پاس جاکر ان سے صلح کرکے کل خزانہ حوالہ کردیا، مسلمانون نے بھی اس کے صلہ مین ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا کہ وہ اپنی بادشاہت بھول گئے اور مسلمانون سے مصالحت کے بعد ان کو جو راحت اور فارغ البالی نصیب ہوئی وہ اکاسرہ کے زمانہ مین بھی میسر نہ آئی تھی، (طبری ص ۲۶۸۹)

اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمرؓ کو دوسرا خط لکھا، آپ اسے لے کر مسجد مین آئے اور مسلمانون کو پڑھ کر سنایا اور یہ مختصر مگر مؤثر تقریر کی،

"آج مجوسیون کی سلطنت برباد ہوگئی، اب ان کے ملک کی ایک چپہ زمین بھی ان کے قبضہ مین نہین ہے کہ مسلمانون کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکین، اللہ تعالیٰ نے ان کی زمین، ان کا ملک اور ان کی دولت کا تم کو اس لئے وارث بنایا ہے، کہ تمکو آزمائے، اس لئے تم اپنی حالت نہ بدلو ورنہ خدا بھی تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدلدیگا مجھ کو اس امت کے لئے خود اس کے افراد سے خوف ہے"[1]

شام کی فتوحات اوپر عہد صدیقی مین گذر چکا ہے کہ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہوگیا اسلئے اس کی فتح عہد فاروقی مین عمل مین آئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوران محاصرہ مین دمشق کے بطریق کے گھر بچہ پیدا ہوا، اس کے جشن مین اہل شہر نے خوب شرابین پئین، اور ایسے بدمست ہوکر سوے کہ کسی بات کی خبر نہ رہی، خالد بن ولید راتون کو سوتے نہ تھے، بلکہ گھوم پھر کر خبرین لیا کرتے تھے اس لئے انھین اس کی اطلاع ہوگئی[2]، وہ کمند لگا کر مع چند جانبازون کے شہر پناہ کی دیوار پر چڑھ کر شہر کے اندر اتر گئے اور پھاٹک کے محافظون کو قتل کرکے پھاٹک کھول دیئے، مسلمان باہر منتظر تھے وہ پھاٹک کھلتے ہی اندر داخل ہوگئے، اہل شہر اس ناگہانی مصیبت سے گھبراگئے، ان کی کچھ سمجھ مین نہ آیا وہ سیدھے ابوعبیدہ کے پاس جو دوسری سمت متعین تھے پہنچے، اور ان سے صلح کی درخواست کی، انھین اس صورت حال کا علم نہ تھا، اس لئے صلح قبول کرلی اور شہر کی ایک سمت سے خالد بن ولید فاتحانہ داخل ہوے، اور دوسری طرف سے ابوعبیدہؓ مصالحانہ، لیکن ابوعبیدہ چونکہ مصالحت کرچکے تھے اس لئے دمشق کی فتح مصالحانہ قرار دی گئی اور نہ مال غنیمت حاصل کیا گیا اور نہ کسی کو لونڈی غلام بنایا گیا یہ فتح سنہ ۱۴ھ مین ہوئی،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵، [2] یہ طبری کا بیان ہے بلاذری کا بیان ہے کہ کوئی تہوار تھا اور ایک بطریق نے اگر خالدؓ کو اطلاع دی تھی،

اردن کی فتح دمشق شام کا مرکزی شہر تھا، اس کے نکل جانے کا رومیون کو بڑا صدمہ تھا، اور انھون نے مسلمانون کو روکنے کے لئے صوبہ اردن کے شہر بیسان مین فوجین جمع کین، لیکن پھر مسلمانون کے استقلال کو دیکھکر انھون نے مصالحت کی کوشش کی، لیکن مفاہمت نہ ہوسکی اور ذی قعدہ ۱۴ھ مین دونون کا مقابلہ ہوا، کئی خونریز معرکون کے بعد عیسائیون نے نہایت فاش شکست کھائی اور اردن کا پورا صوبہ فتح ہوگیا، کل رعایا ذمی قرار دی گئی، عہدنامہ مین رعایا کی پوری املاک زمین مکان، گرجے اور دوسری عبادتگاہین محفوظ کردی گئین

حمص وغیرہ کی فتح دمشق اور اردن کی فتح کے بعد بیت المقدس، حمص اور انطاکیہ تین بڑے شہر رہ گئے تھے، اس لئے ابو عبیدہؓ اور خالدؓ حمص کی طرف بڑھے اور راستہ مین بعلبک پر قبضہ کرتے ہوے حمص پہنچکر اس کا محاصرہ کرلیا، یہان حکومت کی کوئی فوج نہ تھی، شہر کی آبادی حکومت کی امداد کی امید پر کچھ دنون تک مدافعت کرتی رہی، لیکن مسلمانون نے مدد پہنچنے کا راستہ بند کردیا تھا، اس لئے شہر والون نے مایوس ہوکر آخر مین صلح کرلی، حمص کے محاصرہ کے دوران مین ابو عبیدہ نے، حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان چھوٹے چھوٹے مقامات فتح کرلئے، حمص کی تسخیر کے بعد یہان عبادہ بن صامت کو چھوڑکر ابو عبیدہ لاذقیہ روانہ ہوگئے، یہ نہایت مضبوط و مستحکم شہر تھا، ابو عبیدہ نے اسے ایک خاص تدبیر سے فتح کیا، لاذقیہ فتح کرنے کے بعد ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا ارادہ کیا، لیکن حضرت عمرؓ کا حکم پہنچ گیا کہ اس سال آگے بڑھنے کا قصد نہ کیا جائے اس لئے رک جانا پڑا،

ہرقل کے دربار مین رومیون کی فریاد اور ان کا جوش و خروش دمشق اردن اور حمص کی فتوحات نے رومیون کو جوش سے لبریز کردیا، انھون نے ہرقل کے پاس جاکر فریاد کی کہ مسلمانون نے سارا شام پامال کرڈالا ہے اور کوئی طاقت انھین روکنے والی نہین، ان کی

فریاد پر ہرقل نے چند معزز اور صائب الرائے اشخاص کو بلا کر ان سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ عرب تم سے تعداد اسلحہ اور سر و سامان ہر چیز میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے" اس استفسار پر سب نے سر جھکا لیا، ایک تجربہ کار شخص نے جواب دیا کہ "عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، آپس میں برابری کے ساتھ رہتے ہیں، ان کے مقابلہ میں ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، وعدہ کی پابندی نہیں کرتے، دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش و استقلال ہوتا ہے اور ہمارے کام ان سے خالی ہوتے ہیں[1]"

مسلمانوں کی روز افزوں فتوحات اور ان کے مقابلہ میں رومیوں کی درماندگی دیکھکر قیصر شام چھوڑ کر قسطنطنیہ نکل جانا چاہتا تھا، لیکن جوق در جوق بے کس رومیوں کی فریاد سنکر اسے غیرت آگئی، اور وہ پوری قوت سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا، اور تمام ممالک محروسہ میں فوجوں کے اجتماع کے لئے فرامین جاری کر دیئے، رومی پہلے سے جذبۂ انتقام سے سرشار ہو رہے تھے، قیصر کے فرمان نے اور آگ لگا دی، اور انطاکیہ میں فوجوں کا طوفان اُمنڈ آیا،

مسلمانوں کی تیاریاں رومیوں کی یہ پرجوش تیاریاں دیکھ کر ابو عبیدہ نے افسران فوج سے مشورہ کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، آخر میں یہ قرار پایا کہ تمام منتشر فوجیں ایک جگہ جمع کر لیجائیں چنانچہ دمشق میں اجتماع ہوا، چونکہ اس وقت مسلمان مفتوحہ علاقوں کے عیسائیوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس لئے جزیہ کی رقم جو درحقیقت حفاظت کا معاوضہ تھی انہیں واپس

---

[1] طبری ص

کر دی گئی[1]، اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ وہ رو رو کر مسلمانون کی واپسی کی دعائین کرتے تھے،
دمشق مین اجتماع کے بعد ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان جدید حالات کی اطلاع بھجوائی
رومیون کی تیاریون کا حال سنکر اہل مدینہ مین بھی جوش پیدا ہو گیا، اور ہر شخص سر بکف میدان
جہاد مین جانے کے لئے آمادہ ہو گیا، حضرت عمرؓ نے تھوڑی سی مزید امدادی سپاہ شام روانہ کردی،

یرموک کا فیصلہ کن معرکہ

اردن کے علاقہ مین یرموک کا کھلا میدان جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانون کیلئے
نہایت موزون اور مناسب تھا، اس کی پشت پر عرب کی سرحد تک کوئی روک
نہ تھی، اس لئے ابو عبیدہ نے رومیون کے مقابلہ کے لئے اسی میدان کا انتخاب کیا اور کل
فوجین دمشق سے یرموک مین منتقل کردین، قریب ہی مقام دیر الجبل مین رومیون کا ٹڈی دل
آکر خیمہ زن ہوا، ان کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، سپاہیون کے مذہبی جوش کا یہ عالم تھا کہ
ان کے وہ مقدس راہب تک جنھون نے کبھی حجرۂ عبادت سے باہر قدم نہ نکالا تھا خانقاہون
نکلکر عام سپاہیون کیساتھ ہو گئے تھے، مسلمانون کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ نہ تھی، لیکن سب منتخب بہادر تھی،
ان مین ایکسو بدری اور ایک ہزار عام صحابہ تھے، رجب ۱۵ھ مین پہلا مقابلہ ہوا، اسمین مسلمانون کا پلہ بھاری رہا اور جنگ آیندہ
کے لئے ملتوی ہو گئی، التوائے جنگ کے بعد رومیون نے مصالحت کی کوشش کی اور گفتگو کیلئے
سفیر طلب کیا، ابو عبیدہ نے خالد بن ولید کو بھیجا، لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی، اور دوبارہ رومی
بڑے جوش و خروش کے ساتھ میدان مین آئے، آگے آگے مقدس پادری ہاتھون مین صلیبین
لئے ہوے یسوع مسیح کا نام لے کر جوش دلا رہے تھے، تین ہزار رومیون نے پیرون مین
بیڑیان پہن لی تھین کہ میدان سے منھ موڑنے کا خیال بھی دل مین نہ آنے پائے، یہ جوش و
خروش دیکھ کر خالد بن ولید نے از سر نو فوجون کو مرتب کیا اور اس کو جدید طریقے سے چھتیس
حصون پر تقسیم کر کے صف آرائی کی، مسلمانون کے صف آرا ہوتے ہی رومیون نے نہایت

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف،

جوش کے ساتھ حملہ کردیا مسلمانون نے بھی برابر کا جواب دیا اور ایسی خونریز اور گھمسان جنگ ہوئی کہ میدان جنگ مین کشتون کے پشتے لگ گئے، درمیان مین بعض بعض موقعون پر مسلمانون کا بازو کمزور پڑ گیا لیکن انجام کار میدان انھین کے ہاتھ مین رہا، رومیون نے نہایت فاش شکست کھائی، باختلاف روایت ان کی ایک لاکھ یا ستر ہزار سپاہ کام آئی اور مسلمانون کا جانی نقصان کل تین ہزار ہوا، اس شکست نے رومیون کی قوت بالکل توڑ دی، چنانچہ جب قیصر کو اس کی خبر ہوئی تو وہ نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہکر قسطنطنیہ چلا گیا[1]

یرموک کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ابو عبیدہ نے حضرت عمرؓ کو مژدہ فتح بھیجا، آپ کئی دن سے انتظار مین سوے نہ تھے، فتح کی خبر سنکر سجدہ مین گر پڑے، یرموک کے معرکہ نے رومیون کی قوت پاش پاش کر دی تھی اس لئے مسلمانون نے، بوقا، جومہ، سرمین، توزی، قورس، تل عزاز اور دلوک وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح کر لئے، حلب قنسرین اور پایہ تخت انطاکیہ کے رومیون نے کچھ مزاحمت کی لیکن کوئی بڑی قوت ان کی مددگار نہ تھی، اس لئے انھون نے بھی معمولی مزاحمت کے بعد جلد اطاعت قبول کر لی،

بیت المقدس کی فتح اوپر گذر چکا ہے کہ فلسطین کی مہم عمرو بن العاص کے متعلق تھی، انھون نے نابلس، لد، عمواس، اور بیت جبرین وغیرہ فلسطینی علاقے آسانی سے فتح کر لئے فلسطین بلکہ سارے شام کا مرکزی شہر بیت المقدس باقی رہ گیا تھا، درمیان مین یرموک وغیرہ کی مہم پیش آجانے کی وجہ سے وہ بیت المقدس کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے، یرموک کے بعد جب رومیون کی جانب سے ایک حد تک اطمینان ہو گیا اس وقت عمرو بن العاص نے بیت المقدس کا محاصرہ

[1] طبری اور بلاذری وغیرہ مین یرموک کی جنگ کی تفصیلات نہایت طویل ہین ہم نے محض ضروری خلاصہ لکھا ہے،

کیا، عیسائیوں نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا، اس دوران میں ابو عبیدہ بھی پہنچ گئے، عیسائیون نے چند دنون تک مدافعت کی لیکن ان کی قوت بالکل ٹوٹ چکی تھی، اس لئے آخر مین صلح کے لئے تیار ہو گئے، اور یہ شرط پیش کی کہ امیرالمومنین خود آکر صلح کا معاہدہ لکھین، حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی گئی آپ نے منظور فرمایا، اور حضرت علیؓ کو مدینہ مین اپنا قائم مقام بنا کر رجب ۱۶ھ مین بیت المقدس روانہ ہوئے تمام مسلمان افسرون کو اطلاع دیدی گئی تھی، مقام جابیہ مین انھون نے آپ کا استقبال کیا، ان کے بدن پر دیبا و حریر کی پرتکلف قبائین تھین، حضرت عمرؓ کو اسلامی سادگی کی جگہ یہ ٹھاٹھ دیکھ کر غصہ آگیا اور کنکریان مار کر فرمایا "تم نے اتنی جلد عجمی عادتین اختیار کر لین، ان لوگون نے قبا کا دامن اٹھا کر دکھایا کہ نیچے ہتھیار ہین" فرمایا تو پھر کوئی مضائقہ نہین، بیت المقدس کے عیسائی بھی جابیہ آگئے تھے، چنانچہ یہین معاہدہ لکھا گیا اور اس پر تمام معزز صحابہ کے دستخط ہو گئے،

یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا، اس سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانون کا طرز عمل دوسرے مذاہب اور ان کی عبادتگاہون کے ساتھ کیسا تھا، اس لئے بجنسہ اسکا ترجمہ نقل کیا ہے،

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمر نے ایلیا کے لوگون کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والون کے لئے ہے کہ نہ اُن کے گرجاؤن مین سکونت کی جائے اور نہ وہ ڈھائے جائین گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبون اور ان کے مال مین کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارہ مین ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان مین سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا مین ان کے ساتھ

یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیا والون پر فرض ہے کہ وہ اور شہرون کی طرح جزیہ دین اور یونانیون کو اپنے یہان سے نکالدین، ان یونانیون مین سے جو شہر سے نکلے گا اسکی جان اور مال محفوظ ہے جب تک کہ وہ اپنی جاے پناہ پر نہ پہنچ جاے اور ان مین سے جو ایلیا مین ہی سکونت اختیار کرنا چاہے اس کے لئے بھی امن ہے اس کو ایلیا والون کی طرح جزیہ دینا ہوگا، ایلیا والون مین سے جو شخص اپنی جان و مال لیکر یونانیون کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہین تاآنکہ وہ اپنی جاے پناہ تک نہ پہنچ جائین، اس تحریر پر خدا، رسول، خلفا اور مسلمانون کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہین، اس پر خالدؓ بن ولید عمروؓ بن العاص، عبد الرحمنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان گواہ ہین، ۱۵ھ مین یہ معاہدہ لکھا گیا،[1]

کسی مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزون سے متعلق ہو سکتے ہین، جان و مال، اور مذہب اس معاہدہ مین یہ تینون چیزین محفوظ قرار دیگئین، یہودیون کا بیت المقدس سے اخراج عیسائیون کی رعایت سے تھا کہ وہ ان کے قومی اور مذہبی دشمن تھے، یونانی گو مسلمانون کے حریف مقابل تھے، لیکن بیت المقدس مین ان کے قیام کی صورت مین ان کے ساتھ بھی اہل ایلیا کی طرح مراعات کی گئین اور نکل جانے کی صورت مین بھی جان مال اور عبادتگاہین محفوظ قرار دی گئین، ایک غیر قوم اور غیر مذہب کے ساتھ اس سے زیادہ منصفانہ سلوک اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہوئے ابو عبیدہؓ وغیرہ

---

[1] طبری ص ۲۴۰۵، ۲۴۰۶

افسرانِ فوج نے شہر کے باہر نکل کر استقبال کیا، فاتح بیت المقدس کا لباس اتنا معمولی اور فرسودہ تھا کہ مسلمانون کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اس لباس مین دیکھ کر کیا کہین گے اس لئے انھون نے ترکی گھوڑا اور قیمتی پوشاک پیش کی، حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا "خدا نے جوہکو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے، اور وہی ہمارے لئے بس ہے" اور اسی لباس مین بیت المقدس مین داخل ہوئے، سب سے پہلے مسجد اقصیٰ مین جاکر سجدہ ادا کیا، پھر عیسائیون کے گرجے کی سیر کیلئے گئے، نماز کا وقت آگیا تھا، عیسائیون نے نماز پڑھنے کی اجازت دی، مگر آپنے اس احتیاط سے کہ آئندہ مسلمان اس حجت پر گرجا کو مسجد نہ بنالین باہر نکل کر نماز ادا کی، (فتوح البلدان ص ۱۴۷)

بیت المقدس مین کئی دن حضرت عمرؓ کا قیام رہا، ایک دن حضرت بلالؓ نے شکایت کی کہ "امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیان کھاتے ہین، اور عام مسلمانون کو معمولی کھانا بھی نصیب نہین، حضرت عمرؓ نے افسرون کی طرف مستفسرانہ نگاہون سے دیکھا، انھون نے عرض کیا کہ یہان سب چیزین نہایت ارزان ہین، حجاز مین جس قیمت مین روٹی اور کھجور ملتی ہے، یہان اسی قیمت پر پرند کا گوشت ملتا ہے، اس جواب پر آپ انھین منع تو نہ کرسکے لیکن تنخواہ کے علاوہ سپاہیون کی خوراک بھی مقرر کردی،

ایک دن آپنے حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کی، انھون نے فرمایا مین نے عہد کیا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ کہونگا، لیکن آج اور صرف آج آپ کی خواہش پوری کرونگا، بلالؓ جب اذان دینے لگے تو صحابہؓ کی نگاہون کے سامنے عہد نبویؐ کا سمان پھر گیا، سب کی آنکھین بے اختیار اشکبار ہوگئین، حضرت معاذؓ بن جبل روتے روتے بیتاب ہوگئے، حضرت عمرؓ کو ہچکی لگ گئی،

حضرت عمرؓ بیت المقدس سے واپسی مین مفتوحہ علاقون کا دورہ کرکے سرحدون کی

حفاظت کا انتظام کرتے ہوے مدینہ واپس تشریف لے گئے،

حمص کی بغاوت جزیرہ (مسوپٹامیا) جو عراق کا حصہ ہے اس وقت تک فتح نہ ہوا تھا، اسکی اور شام کی سرحد ملی ہوئی ہے، اس لئے شام کی فتح کے بعد اہل جزیرہ کو اپنے ملک کے بارہ مین خطرہ پیدا ہوا، انھون نے عیسائیون کے جذبات سے فائدہ اٹھانا چاہا اور قیصر روم کو لکھا کہ اگر تم مسلمانون کے مقابلہ مین دوبارہ اٹھو تو ہم ساتھ دینے کے لئے تیار ہین، یہ سہارا پا کر قیصر نے امدادی فوجین روانہ کر دین، دونون نے مل کر سنہ ۱۷ھ مین حمص واپس لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہین،

خالدؓ بن ولید کی معزولی شام کی فتوحات اور سنہ ۱۷ھ کے واقعات مین سب سے اہم واقعہ حضرت خالد کی معزولی کا ہے، عام طور پر مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے زمام خلافت سنبھالتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا تھا، لیکن یہ صحیح نہین ہے، یہ واقعہ سنہ ۱۷ھ کا ہے، چنانچہ جو مورخین اسے سنہ ۱۳ھ مین بیان کرتے ہین وہ بھی سنہ ۱۷ھ کے واقعات مین بھی اسے نقل کرتے ہین، چنانچہ ابن اثیر نے سنہ ۱۳ھ مین بھی لکھا ہے، اور سنہ ۱۷ھ مین انکی معزولی کا عنوان الگ قائم کیا ہے[۱]، (ابن اثیر ج ۲ ص ۰۰۰)

یہ واقعہ اس حیثیت سے تو اہم ہی ہے کہ جس جانباز بہادر کی تلوار نے عراق و شام کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، حضرت عمرؓ نے عین محاذ جنگ مین اسے معزول کر دیا، اس کے علاوہ اور مختلف حیثیتون سے نہایت سبق آموز ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید اپنے شجاعانہ کارنامون کے ساتھ بعض معاملات مین لاپروائی برتتے تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ سے وہ کبھی فوجی مصارف کا حساب و کتاب نہین بھیجتے تھے، حضرت عمرؓ کو اسی زمانہ سے ان کی یہ روش پسند نہ تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بھی یہی روش قائم رہی، آپ نے انکو

تاکید کی کہ وہ آیندہ سے اس کا خیال رکھیں، خالدؓ نے جواب دیا کہ میں ابوبکرؓ کے زمانہ سے ایسا ہی کرتا چلا آیا ہون، اب اس کے خلاف نہیں کرسکتا، حضرت عمرؓ نے دوبارہ لکھا کہ تم سپہ سالاری اسی شرط پر رہ سکتے ہو کہ فوجی مصارف کا حساب باضابطہ بھیجتے رہو، لیکن اس وقت بھی خالد اپنی ضد پر قائم رہے، اس پر بھی حضرت عمرؓ نے معزول نہیں کیا، بلکہ حضرت ابوعبیدہؓ کے ماتحت کر دیا، اس کے بعد ۱۷ھ میں انھون نے ایک شاعر کو دس ہزار کی خطیر رقم دے ڈالی، حضرت عمرؓ نے ان سے بازپرس کی اور ابوعبیدہ کو لکھا کہ اگر خالد نے یہ رقم اپنی جیب ہی سے دی ہے تو اسراف کیا اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کی دونون حالتون مین وہ معزولی کے قابل ہیں،

جو قاصد یہ حکم لیکر گیا تھا، اس نے خالد سے پوچھا کہ یہ رقم تم نے کہان سے دی ہے، اس وقت بھی خالد نے کوئی جواب نہ دیا، اس لئے قاصد نے بھرے مجمع مین نشان معزولی کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی، اور انکی سرتابی کی سزا مین انہی کے عمامہ سے ان کی گردن باندھ دی، اس واقعہ سے خالد کی حق پرستی اور حضرت عمرؓ کے دبدبہ دونون کا اندازہ ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بہادر کو بھری مجمع مین معزول کیا جاتا ہے لیکن دم نہین مارتا معزولی کے بعد خالدؓ نے مدینہ واپس آکر حضرت عمرؓ سے شکوہ کیا اور بیس ہزار کی رقم جو ان کے پاس زائد تھی داخل کر دی، حضرت عمرؓ نے فرمایا خالدؓ، واللہ تم مجھے ویسے ہی محبوب ہو اور مین تمھاری عزت کرتا ہون اور عمال کو لکھ بھیجا کہ مین نے خالدؓ کو ناراضی یا خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا ہے بلکہ ان کے کارنامون کی وجہ سے لوگ فتنے مین مبتلا ہو رہے تھے، اس لئے مین نے ان کو معزول کر دیا تاکہ لوگون کو یہ معلوم ہو جائے کہ "جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے"[2]

طاعون عمواس ۱۸ھ مین شام مین نہایت سخت طاعون پھیلا، اس مین بہت سے مسلمان ضائع

---

[1] اصابہ تذکرہ خالد بن ولید [2] ایضاً ص ۲۵۲۸

ہوے۔ بڑے بڑے نامور بزرگ اس وبا کا شکار ہو گئے، حضرت عمرؓ کو بڑا تردد پیدا ہوا آپ خود انتظام کے لئے شام روانہ ہوئے، لیکن مقام سرغ مین پہنچکر معلوم ہوا کہ وبا کا زور بڑھتا جارہا ہے، اس لئے صحابہ کے مشورہ سے لوٹ آئے اور حضرت ابوعبیدہؓ کو بھی واپس بلا بھیجا، انھون نے جواب دیا کہ جو قسمت مین لکھا ہے وہ پورا ہوگا، مین مسلمانون کو چھوڑکر نہین آسکتا، حضرت عمرؓ یہ خط پڑھکر بہت روئے، اور ابوعبیدہؓ کو دوبارہ لکھا کہ اگر تم نہین آتے تو فوجون کو مرطوب مقامات سے ہٹادو، اس حکم پر انھون نے فوجین جابیہ مین جہان کی آب و ہوا مشہور تھی منتقل کر دین،

ابوعبیدہؓ پر وبا کا اندرونی اثر ہو چکا تھا اس لئے وہ جابیہ آنے کے بعد اس مین مبتلا ہوکر انتقال کر گئے، انتقال سے پہلے معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین بنا گئے، وبا کا زور بڑھتا جاتا تھا، عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ اس بلا سے نکل جانا چاہئے، حضرت معاذ مین بھی مذہب کا نشہ تیز تھا انھون نے تقریر کی کہ "یہ بلا نہین بلکہ خدا کی رحمت ہے، اس مین بڑے بڑے صلحاء نے انتقال کیا ہے، یہ تقریر کرکے گھر واپس ہوے تو نوجوان بیٹے کو بیمار پایا وہ دیکھتے دیکھتے اٹھ گیا، لیکن معاذؓ کے استقلال مین اب بھی فرق نہ آیا، بالآخر انھون نے بھی اسی بیماری مین جان دی، اور عمرو بن العاصؓ کو اپنا قائم مقام بنا گئے، انھون نے فوراً فوجون کو پہاڑی مقامات مین بھیجدیا،

اس وبا مین پچیس ہزار مسلمان ضایع ہوے، ہزارون عورتین بیوہ اور ہزارون بچے یتیم ہوگیے، اس لئے حضرت عمرؓ نے انتظام کے لئے دوبارہ شام کا سفر کیا، اور اکثر اضلاع کا دورہ کرکے مناسب انتظامات کئے، فوجون مین روپیہ تقسیم کیا، متوفی مسلمانون کے ورثہ کو ان کا ترکہ دلایا، فوج مین جو جگہین خالی ہوگئی تھین ان پر نئے عہدہ دار مقرر کئے، سرحدی مقامات مین جاکر فوجی چھاؤنیان قائم کین، ان انتظامات سے فراغت کے بعد مدینہ واپس آئے ابھی ایک مصیبت سے نجات ملی تھی کہ عرب مین قحط ٹوٹ پڑا، حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے

انتظامات کرکے ہزارون مسلمانون کو بھوکون مرنے سے بچالیا،

قیساریہ کی فتح

طاعون عمواس سے پہلے ہی قریب قریب پورا شام تسخیر ہوچکا تھا، ایک قیساریہ جو اس زمانہ مین نہایت آباد اور پررونق شہر تھا، باقی رہ گیا تھا، اس پر کئی مرتبہ فوجکشی ہوئی مگر فتح نہ ہوسکا، بالآخر امیر معاویہ نے ۱۹ سنہ مین اسے فتح کیا، قیساریہ کی فتح کے بعد شام کا مطلع بالکل صاف ہوگیا،

مصر کی فتوحات

شام کے زیرنگین ہونے کے بعد اس کے ہم سرحد ملک مصر پر فوجکشی ہوئی، اس کی فتح کا سہرا تمامتر حضرت عمرو بن العاص کے سر ہے، ظہور اسلام سے قبل وہ تجارت کے سلسلہ مین اکثر مصر آیا جایا کرتے تھے اسی زمانہ سے مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ مین تھی، اس کے علاوہ مصر پر فوجکشی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کی ماتحت تھی، اور رومیون کا اس پر پورا اثر تھا اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیون کے ذریعہ شام مین یاکم ازکم اس کے سرحدی علاقون مین شورش بپا کراسکتے تھے، اس لئے شام کی حفاظت کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری تھا، چنانچہ شام کی فتح کے بعد عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ سے مصر پر فوجکشی کی اجازت مانگی، آپ نے احتیاط کے خیال سے انکار کردیا، لیکن پھر عمرو بن العاص کے پیہم اصرار پر رضامند ہوگئے اور چار ہزار سپاہ ساتھ کردی،

حضرت عمرؓ سے اجازت لینے کے بعد عمرو بن العاص نے ۲۱ سنہ مین مصر پر فوجکشی کی، اور عریش کے راستہ سے فرما پہنچے، یہان کی رومی فوجون نے روکا، عمرو بن العاص نے انھین شکست دی اور آگے بڑھکر بلبیس اور ام دنین وغیرہ فتح کرتے ہوے فسطاط پہنچے،

فسطاط کا محاصرہ اور فتح

فسطاط اس زمانہ مین غیر آباد تھا، لیکن یہان حکومت مصر کا ایک مضبوط قلعہ تھا جس مین مصری فوجین رہا کرتی تھین، عمرو بن العاص نے ان کا

محاصرہ کرلیا، قلعہ نہایت مستحکم تھا اور مصریون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد بھی بہت کم تھی،
اس لئے عمرو بن العاص نے دارالخلافہ سے مزید امدادی فوجین مانگ بھیجین حضرت عمرؓ نے
حضرت زبیر بن عوام اور چند صحابہ کو دس ہزار فوجین دے کر بھیجا، عمرو بن العاص نے حضرت
زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، کامل سات مہینہ تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر
کوئی کامیابی نہ ہوئی آخر مین حضرت زبیرؓ ایک دن ہمت کر کے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے
بعض اور صحابہؓ نے ان کا ساتھ دیا، فصیل پر پہنچکر ان لوگون نے اس زور سے تکبیر کا نعرہ
لگایا کہ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ مین گھس آئے، بدحواس ہو کر قلعہ سے بھاگ نکلے، حضرت
زبیرؓ نے قلعہ مین اتر کر پھاٹک کھول دیا اور اسلامی فوج داخل ہوگئی، یہ صورت دیکھ کر مقوقس
فرمانروائے مصر نے صلح کرلی، مقوقس قیصر روم کے ماتحت تھا، قیصر کو اس مصالحت کی خبر ہوئی
تو اس نے مقوقس کو لکھ بھیجا کہ اگر تم مسلمانون کا مقابلہ نہین کر سکتے تھے تو رومیون کی تعداد
کیا کم تھی جو تم نے صلح کرلی اور اسی وقت ایک لشکر گران قسطنطنیہ سے اسکندریہ روانہ کیا،

اسکندریہ کی تسخیر | مقوقس صلح پر قائم رہا، اس لئے اب گویا مسلمانون کا مقابلہ رومیوں سے تھا،

رومی فوجین اسکندریہ مین تھین اس لئے ۲۱ھ مین عمرو بن العاص نے فسطاط کی فتح کے
بعد اسکندریہ کا رخ کیا، راستہ مین جابجا رومیون اور ان کے ساتھ قبطیون نے روکنے کی کوشش
کی، لیکن مسلمان برابر بڑھتے چلے گئے، مقام کریون مین دونون کا سخت مقابلہ ہوا، مسلمانون
نے نہایت فاش شکست دی، اس کے بعد پھر کسی نے راستہ مین روکنے کی جرأت نہ کی،
اور مسلمانون نے اسکندریہ پہنچکر اس کا محاصرہ کرلیا، مقوقس فرمانروائے مصر بذات خود
لڑنا نہین چاہتا تھا، لیکن قیصر روم کے خوف سے علانیہ گذشتہ صلح پر قائم رہ سکتا تھا اور
نہ مزید صلح کرسکتا تھا، اس لئے وہ بظاہر مقابلہ مین ڈٹا رہا، لیکن خفیہ عمرو بن العاص سے طے کرلیا

کرو، اور اس کی قوم اس جنگ مین دل سے شریک نہین ہے، اس لئے قبطیون کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے"۔ چنانچہ قبطی خفیہ مسلمانون کی مدد بھی کرتے تھے۔ (مقریزی ج اول ص ۲۶۳)

عرصہ تک اسکندریہ کا محاصرہ جاری رہا، مگر کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کو بڑی تشویش تھی انھون نے عمروؓ بن العاص کو خط لکھا کہ "معلوم ہوتا ہے کہ وہان کے قیام کے اثر سے تم لوگ عیسائیون کی طرح عیش و عشرت مین پڑ گئے ہو، ورنہ فتح مین اتنی دیر نہ ہوتی، میرا خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کر دو"۔ اس خط پر عمروؓ بن العاص نے فوج کے سامنے جہاد پر وعظ کہہ کر اسے گرمایا اور عبادہ بن صامتؓ کو سپہ سالار بنا کر اس زور کا متفقہ حملہ کیا کہ ایک ہی حملہ مین اسکندریہ فتح ہو گیا، اسی وقت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمرؓ کو فتح کی اطلاع بھجوادی،

متفرق فتوحات اسکندریہ فتح کرنے کے بعد عمروؓ بن العاص فسطاط واپس آئے، اب مصر مین کوئی اہم مقام باقی نہ رہ گیا تھا، لیکن بہت سے چھوٹے چھوٹے مقامون مین رومی پھیلے ہوے تھے، فسطاط واپس ہونے کے بعد عمرو بن العاص نے خارجہ بن حذافہ عدوی اور عمیر بن وہب جمحی کو ان اضلاع پر مامور کیا، خارجہ نے فیوم، اشمونین، اخمیم، سراوات وغیرہ سعید مصر کے علاقون کو مطیع بنایا اور عمیر نے، تنیس، دمیاط، تونہ، دمیرہ، دقہلہ، شطا، وغیرہ اور عقبہ بن عامر جہنی نے مصر کا نشیبی علاقہ فتح کیا اور چند دنون مین پورا مصر زیر نگین ہو گیا،

حضرت عمرؓ پر حملہ اور آپ کی شہادت ۲۳ھ مین حضرت عمرؓ کی شہادت کا حادثۂ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام ابو لولو نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ اس کے آقا اس سے بہت بھاری ٹیکس وصول کرتے ہین اور اسے کم کرانے کی درخواست کی، آپ نے پوچھا کتنا محصول لیتے ہین ابو لولو نے کہا دو درہم روزانہ، پوچھا تم کام کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا، آہنگری، نجاری اور نقاشی، فرمایا ان پیشون

کے مقابلہ میں یہ رقم زیادہ نہیں ہے، اس فیصلہ پر وہ ناراض ہو کر چلا گیا، دوسرے دن فجر کی نماز کے وقت خنجر لے کر مسجد میں آیا، جیسے ہی حضرت عمرؓ نے نماز شروع کی ابو لولو نے دفعۃً بڑھ کر مسلسل چھ وار کئے، حضرت عمرؓ زخمی ہو کر گر پڑے، آپ کی جگہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے نماز تمام کرائی، کچھ لوگ ابو لولو کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے، اس نے انھیں بھی زخمی کیا، مگر آخر میں پکڑا گیا، گرفتار ہوتے ہی اس نے خودکشی کر لی، نماز تمام ہونے کے بعد حضرت عمرؓ اٹھا کر لائے گئے، پوچھا میرا قاتل کون تھا، لوگوں نے عرض کیا فیروز، فرمایا الحمد للہ کہ میرا قاتل مسلمان نہیں ہے،

زخم نہایت کاری تھا بچنے کی کوئی امید نہ تھی، آپ کو آقائے نامدار کی قربت میں مدفون ہونے کی بڑی تمنا تھی، اس لئے ان پر صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس حجرۂ نبویؐ میں دفن ہونے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی، لیکن عمرؓ کو اپنے اوپر ترجیح دونگی، عبداللہ واپس آئے، آپ نے پوچھا کیا جواب لائے، عرض کی جو آپ چاہتے تھے، فرمایا سب سے بڑی آرزو یہی تھی، (مستدرک حاکم ج ۳ فضائل عمرؓ)

جانشین جب صحابہ نے دیکھا کہ آفتاب خلافت عنقریب روپوش ہوا چاہتا ہے، تو جانشین نامزد کرنے کے لئے درخواست کی، آپ کے لئے یہ مسئلہ ہمیشہ سب سے اہم تھا، اور اکثر آپ زندگی میں اس پر غور کیا کرتے تھے، لیکن کسی پر نظر نہ جمتی تھی، اپنے معیار سے سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے، بعض لوگوں نے آپ کے صاحبزادے عبد اللہ کا نام پیش کیا، فرمایا جس کو بیوی کو طلاق دینے کا سلیقہ نہیں ہے وہ خلافت کا بار کیسے سنبھال سکتا ہے[1]، بالآخر

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۴،

لوگون کے اصرار پر حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ چھ آدمیون کو جن کی اسلام مین بڑی خدمات تھین، اور جنھین رسول اللہ صلعم نے جنت کی بشارت دی تھی نامزد کرکے فرمایا کہ ان مین جس پر کثرتِ رائے ہو جائے، اسے امیر بنانا اور تاکید کردی کہ میرے بعد تین دن کے اندر اندر یہ مرحلہ طے ہو جائے، اور حضرت صہیبؓ کو حکم دیا کہ میرے دفن سے فراغت کے بعد چھوؤن آدمیون کو ایک مکان کے اندر بند کر دینا اور جبتک ان مین سے کسی کا انتخاب نہ ہو جائے، اس وقت تک نہ کھولنا، عبداللہ (آپکے صاحبزادہ) مشورہ مین شریک رہین گے، لیکن امارت سے انھین کوئی تعلق نہ ہوگا، کثرتِ رائے کے بعد بھی اگر کوئی شخص خلافت کا مدعی رہے تو اسے قتل کر دینا، (ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۴۵ و تاریخ الخلفاء)

آخری وصیتین | نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد لوگون سے فرمایا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو وہ مہاجرین، انصار، اعراب، اہلِ عرب اور ذمیون کے حقوق کا پورا خیال رکھے اور ان مین سے ہر ایک کے حقوق کی تشریح فرما کر تاکید فرمائی کہ ذمیون سے جو اقرار ہے اسے پورا کیا جائے، ان کے دشمنون سے لڑا جائے، اور ان کی طاقت سے زیادہ انکو تکلیف نہ دی جائے، (ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۴۶)

قومی امور سے فراغت کے بعد ذاتی معاملات کی طرف متوجہ ہوے، اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ میرے بعد میرا قرض ادا کرنا، اگر میرے متروکہ مال سے ادا نہ ہو سکے تو خاندان عدی سے درخواست کرنا، اگر ان سے بھی نہ ہو سکے تو کل قریش سے، قریش کے علاوہ اور کسی کو تکلیف نہ دینا، (بخاری)

وفات | ان وصیتون کے بعد یکم محرم الحرام ۲۴ھ کو شنبہ کے دن، اس دنیا کو خیرباد کہا، وصیت کے مطابق حضرت صہیبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آقاے نامدار کے پہلو

مین سپردِ خاک کئے گئے انتقال کے وقت ۶۳ سال کی عمر تھی، مدتِ خلافت ساڑھے تیرہ سال،

اولاد وفات کے بعد حسب ذیل اولادین یادگار چھوڑین، عبداللہؓ، عاصمؓ، عبدالرحمٰنؓ، زید، مجیر، ان مین تین اول الذکر اولادین زیادہ نامور ہوئین، اولاد اناث مین ام المومنین حفصہؓ اور رقیہؓ تھین، آخر عمر مین خاندانِ نبوت سے شرفِ انتساب حاصل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ سے چالیس ہزار مہر پر عقد کیا تھا،



فاروقی کارنامے

فتوحات کی کثرت، محاصل کی فراوانی، انتظامات کی خوبی، جور وظلم کی بیخ کنی، عدل و انصاف، اور امن وامان کے قیام ملک کی خوشحالی اور رعایا کی فارغ البالی وغیرہ تمام اوصاف وکمالات کے لحاظ سے جو کسی حکومت یا فرمانروا کے لئے طغراے امتیاز ہو سکتے ہین، دنیا کا کوئی حکمران فاروق اعظمؓ کے مقابلہ مین نہین پیش کیا جا سکتا،

فتوحات پر تبصرہ | آپ کے دس سالہ دور حکومت مین ایران وروم کی عظیم الشان سلطنتون کے پرزے اڑ گئے، اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے حدود تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور اس احتیاط کے ساتھ کہ ان ساری فتوحات مین ظلم وجور کا ایک واقعہ بھی نہین پیش آیا،

فاروقی فتوحات کے مقابلہ مین چنگیزی اور تیموری فتوحات کو پیش کرنا اور یہ کہہ کر اسلامی فتوحات کی اہمیت گھٹانا کہ اس زمانہ مین ایران وروم کی سلطنتین کمزور پڑ چکی تھین، کس قدر غلط ہے،

بلا شبہہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے ایک عالم کو زیر نگین کر ڈالا، لیکن وہ صرف جہانگیر تھے، جہاندار نہ تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جس احتیاط اور جن قوانین کی پابندی کیساتھ ایران وروم فتح ہوے، اس احتیاط کے ساتھ دنیا کا کوئی حکمران زمین کا ایک چپہ بھی فتح نہین کر سکتا، چنگیز وتیمور وغیرہ طوفان کی طرح ایک عالم پر چھا گئے، لیکن جب یہ طوفان

تھا تو انسانی لاشوں کے انبار اور تباہ شدہ کھنڈروں کے علاوہ اور کوئی شے نظر نہ آتی تھی وہ جن جن ملکوں سے گذرے انھیں ویرانہ بنا دیا، اس کے برخلاف عہد فاروقی مین خونِ ناحق کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پایا، ملکون کا تباہ کرنا تو بڑی بات ہے، ہری بھری کھیتیون اور شاداب درختون تک کو نہ کاٹتے تھے، بوڑھون، بچون اور عورتون پر تلوار اٹھانے کی سخت ممانعت تھی، پھر مسلمانون نے جس ملک مین قدم رکھا اپنے عدل وانصاف اور حسن اخلاق سے اس ملک کے باشندون کو ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی قوم کے مقابلہ مین ان کے معاون و مددگار بن گئے، انھون نے نہ صرف قومون کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا، بلکہ بعض حالتون مین مفتوح قومون نے ان کا مذہب بھی قبول کر لیا، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس زمانہ مین جو ملک فتح ہوے وہ سب کے سب مسلمان ہین اور آج تک مسلمانون کے قبضہ مین ہین،

یہ ایک حد تک صحیح ہے کہ ظہور اسلام کے وقت روم اور ایران کی سلطنتون کی پرانی قوت اور وہ عظمت و شان باقی نہ رہ گئی تھی اور قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال ختم ہو چکا تھا، لیکن اس انحطاط سے وہ زیادہ سے زیادہ قوی سلطنتون کا مقابلہ نہین کر سکتی تھین، لیکن کیا وہ عرب جیسی بے سروسامان قوم کی ٹکر بھی برداشت نہ کر سکتی تھین، وہ کسی حالت مین بھی سہی، رومی اور عجمی بہر حال عربون سے فائق تھے، فنونِ جنگ کی واقفیت، رسد کی فراوانی، آلاتِ جنگ کا تنوع، کسی چیز مین عرب ان کے پاسنگ نہ تھے، ان کے پاس معمولی آلات اور شکم پری تک کا سامان نہ تھا، ایسی حالت مین عربون سے ٹکرا کر ان کا پرزے اڑ جانا حیرت انگیز واقعہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے ان مین ایسا جوش، عزم، استقلال، ہمت، حوصلہ مندی، دلیری، اخلاق، حمیت، عدل وانصاف، دیانت وراست بازی پیدا کر دی تھی اور حضرت عمرؓ نے اس مین ایسی جلا دے دی تھی کہ دنیا کی کوئی قوم انکا مقابلہ نہین کر سکتی تھی

حضرت عمرؓ کا حقیقی کارنامہ

حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے عہد کی فتوحات نہین، بلکہ یہ ہے کہ انھون نے مذہبی بنیادون پر ایسے آئینِ حکومت وضع کر دیئے اور ایسا جمہوری اور عادلانہ نظام قائم کر دیا جو مسلمانون کی جملہ سعادتون اور ترقیون کا ضامن تھا، اور جس سے بڑھکر عادلانہ اور جمہوری نظام اس دورِ ترقی مین بھی نہین پیش کیا جا سکتا، آیندہ سطور مین اسی نظام کا اجمالی خاکہ پیش کیا جائیگا،

جمہوریت

اسلام کا نظام جمہوری ہے، حضرت عمرؓ نے اسی بنیاد پر خلافت اسلامیہ کا نظام قائم کیا، اس نظام مین کوئی اہم کام بغیر اہل الرائے صحابہ کے مشورہ کے انجام نہ پاتا تھا[1] خاص خاص حالات مین عامہ مسلمین کا مشورہ بھی ضروری ہوتا تھا، آپ فرمایا کرتے تھے لاخلافۃ الا عن مشورۃ[2]،

حضرت عمرؓ نے اپنی حیثیت صرف ایک متولی اور شیرازہ بند کی رکھی تھی، چنانچہ اسکو متعدد مواقع پر واضح کیا ہے، ایک موقعہ پر فرمایا ہے کہ "تمھارے مال مین سے مجھکو صرف اسی قدر حق ہے، جس قدر ایک یتیم کے مال مین متولی کا ہوتا ہے، اگر مین دولت مند ہونگا تو کچھ نہ لونگا، اور اگر حاجتمند ہونگا تو صرف کھانے کے بقدر لے لونگا، میرے اوپر تمھارے متعدد حقوق ہین، جس کا تم کو مجھسے مواخذہ کرنا چاہئے، ایک یہ کہ ملک کا خراج نہ بیجا طور سے جمع کیا جائے اور نہ بیجا طور سے صرف ہونے پائے، دوسرے یہ کہ مین تمھارے روزینہ بڑھادون، سرحدون کی حفاظت کرون اور تم کو خطرون مین نہ ڈالون[3]" ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ "مین تم کو مجبور کرونگا کہ تم نے جو بار مجھ پر ڈالا ہے، اس مین میرا ہاتھ بٹاؤ، میری حیثیت تمھاری جماعت مین صرف ایک فرد کی ہے، مین نہین چاہتا

[1] طبری ص ۲۵۷۴، [2] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۹ [3] کتاب الخراج ص ۶۷،

کہ تم میری خواہشات کی پیروی کرو" اس سے زیادہ جمہوریت کے کیا اجزا ہین،

روزانہ کے پیش آنے والے مسائل کے فیصلہ کے لئے اہل الراے صحابہ کی مجلس شوریٰ تھی، اس کے علاوہ مہمات امور کے لئے ممتاز مہاجرین وانصار کی خاص مجلس ہوتی تھی، ہر مسلمان کو آزادی راے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل تھا، معمولی معمولی مسلمان بر سر عام حضرت عمرؓ کو ٹوک دیتے تھے،

حضرت عمرؓ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا، اس وقت کوئی بڑا نظام حکومت نہ تھا، آپ نے دس سالہ عہد حکومت مین نہایت وسیع نظام قائم کر دیا، تمام مفتوحہ ممالک کو آٹھ صوبون پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین مشرق مین خراسان، آذربیجان اور فارس کے تین صوبے علیحدہ تھے، ہر صوبہ مین حاکم اعلیٰ میرمنشی، دفتر فوج کا میرمنشی، کلکٹر، افسر پولیس، خزانچی اور قاضی ہوتے تھے، بعض حالات مین سپہ سالار بھی الگ ہوتا تھا، لیکن عموماً فوج کی سپہ سالاری بھی حاکم عام سے ہی متعلق ہوتی تھی، اضلاع مین صرف کلکٹر، افسر خزانہ اور قاضی ہوتے تھے،

عہدہ دارون کا انتخاب

دوسرا مرحلہ عمال کے انتخاب کا ہے، حضرت عمرؓ اس مین بڑی احتیاط برتتے تھے، اس معاملہ مین آپ کی نگاہ ایسی صحیح اور دقیقہ رس تھی کہ جس کام کیلئے جس کو منتخب کر لیتے تھے دوسرا اس کے لئے نہ مل سکتا تھا، اسی لئے جو شعبہ جس سے متعلق ہوتا تھا اسے وہ درجۂ کمال تک پہنچا دیتا تھا، اس جوہر شناسی کے باوجود اہم عہدہ دارون کا انتخاب بھی مشورہ سے کرتے تھے،

عمال کے اختیارات فرائض اور انکا محاسبہ

انتخاب سے بھی زیادہ دشوار مسئلہ عمال لوگون کے اختیارات اور ان کے احتساب کا ہے، اس باب مین حضرت عمرؓ کا یہ اصول تھا کہ ہر عامل کے

تقرر کے وقت اس کو ایک پروانہ دیتے تھے، جس مین اس کے اختیارات کی تصریح ہوتی تھی، جہان وہ مقرر ہو کر جاتا تھا، وہان یہ پروانہ مجمع عام مین پڑھ کر سنایا جاتا تھا[1] کہ وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھنے پائے، ہر عہدہ دار سے عہد لیا جاتا تھا کہ "وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنیگا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیگا، دروازہ پر دربان نہ رکھیگا، اہل حاجت کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیگا"[2] عمال کی روانگی کے وقت انکے سامان کی ایک فہرست محفوظ کر دیجاتی تھی، واپسی کے وقت جس کے پاس مرقومہ فہرست سے زیادہ مال و اسباب نکلتا تھا، اس سے باز پرس کیجاتی تھی، اور آدھا مال ضبط کر کے بیت المال مین داخل کر دیا جاتا تھا[3]،

تمام عمال کو حج کے موقع پر مکہ مین حاضری کا حکم تھا، ان کی موجودگی مین اعلان عام کیا جاتا تھا کہ جس شخص کو جس عامل سے شکایت ہو پیش کرے[4]، چنانچہ لوگ اپنی شکایات پیش کرتے حضرت عمرؓ فوراً اس کا تدارک فرماتے تھے، حج کے موقع پر تمام ملک کے مسلمان جمع ہوتے تھے، اس لئے شکایات معلوم کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا، اگر کوئی عامل بلا وجہ کسی پر کوئی زیادتی کرتا تھا، تو حضرت عمرؓ مجمع عام مین سزا دیتے تھے، جس کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابون مین مذکور ہین، کبھی کبھی عمال کی شکایت پر تحقیقاتی کمیشن مقرر کرتے تھے، عمال کو ترفع شان، اور عجب و غرور پیدا کرنے والی چیزون سے روکتے تھے، جس عامل کے بارہ مین سنتے کہ عوام اس کے یہان بار نہین پاتے اسے فوراً موقوف کر دیتے تھے، عیاض بن غنم عامل مصر کو بیش قیمت لباس پہننے اور محل بنانے کی شکایت پر کمل کا کرتہ پہنوا کر ان سے بکریان چروائین، حضرت سعد بن ابی وقاص عامل کوفہ نے محل بنوایا جس مین ڈیوڑھی تھی، حضرت عمرؓ

---

[1] طبری ص ۲۷۴۷ و اسد الغابہ تذکرہ حذیفہ بن یمان [2] کتاب الخراج ص ۶۶ [3] فتوح البلدان ص ۲۱۹ [4] طبری ۲۶۸۰

کو خبر ہوئی تو ڈیوڑھی مین آگ لگوادی اور بہت سے عاملون کو اس قسم کی سزائین دین، عمال کی اخلاقی نگہداشت کا بھی خاص اہتمام تھا،

صیغۂ عدالت شروع مین بعض ابتدائی انتظامی دشواریون کی وجہ سے کچھ دنون تک انتظامی اور عدالتی صیغے ایک رہے، لیکن جب پورا نظام قائم ہوگیا تو قضا کا محکمہ مستقل کردیا، تمام اضلاع مین عدالتین قائم کین، قاضی مقرر کئے اور قضا کے اصول وآئین پر ایک فرمان لکھا جس کا ترجمہ یہان نقل کیا جاتا ہے،

اما بعد۔ قضا ایک ضروری فرض ہے، لوگون کو اپنے حضور مین، اپنی مجلس مین، اپنے انصاف مین برابر رکھو، تاکہ کمزور انصاف سے مایوس نہ ہو اور معزز آدمی کو رورعایت کی امید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوی کرے اس پر بار ثبوت ہے اور جو شخص انکار کرے اس پر قسم ہے، صلح جائز ہے، مگر وہ صلح جس سے حرام، حلال اور حلال حرام نہ ہونے پائے، کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو غور کے بعد اگر حق اس کے خلاف نظر آئے تو اس سے رجوع کرسکتے ہو، جس مسئلہ مین شبہ ہو اور قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر بار بار غور کرو اور اس کی مثالون اور نظیرون کو پہچان کر ان پر قیاس کرو جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک میعاد مقرر کردو، اگر وہ ثبوت دے تو اس کا حق دلاؤ، ورنہ مقدمہ اس کے خلاف فیصل کردو، ان اشخاص کے سوا جنھین سزا مین درے لگائے گئے ہون، یا جھوٹی گواہی دی ہو یا ولا اور وراثت مین مشکوک ہو

قضاۃ کو ہدایت تھی کہ

"مقدمات مین اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو، اگر قرآن مین وہ صورت مذکور نہ ہو

؎ یہ فرمان طبقات الفقہاء، بیہقی، اور ماوردی بہت سی کتابون مین ہے،

تو حدیث کی طرف رجوع کرو، اگر اس مین بھی نہ ہو تو اجماع سے، ورنہ اجتہاد سے کام لو[1]

قضاۃ کی خدمت بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس لئے حضرت عمرؓ قضاۃ کے انتخاب مین بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے اور اس کے لئے انہی بزرگون کا انتخاب کرتے تھے جن کا علم تقویٰ ذہانت اور قوت فیصلہ مسلم تھی، چنانچہ مدینہ کے قاضی حضرت زید بن ثابت تھے، کوفہ کے عبداللہ بن مسعودؓ اور قاضی شریح دوسرے مقامون کے جمیل بن العمر، ابو مریم حنفی، سلمان بن ربیعہ باہلی، عبدالرحمن ابن ربیعہ، عمران بن حصین اور ابو قرہ کندی وغیرہ وہ بزرگ ہین جن کی علمی جلالت کا اندازہ رجال کی کتابون سے ہوسکتا ہے، کبھی کبھی مزید احتیاط کے خیال سے امتحان بھی لے لیتے تھے،

رشوت کے انسداد کے لئے بیش قرار تنخواہین مقرر کین، چنانچہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پانچ پانچسو درہم تھی[2]،

یہ قاعدہ مقرر کیا کہ دولتمند اور معزز شخص کے علاوہ معمولی آدمی قاضی نہین ہوسکتا اور اس کی وجہ یہ ظاہر کی کہ دولتمند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز شخص فیصلہ کرنے مین کسی کے رعب داب سے متاثر نہ ہوگا[3]،

ان احتیاطون کے ساتھ قضاوت کے اصل مقصد یعنی عدل و انصاف مین مساوات کیلئے عملی کوششین کین، قضاۃ کو عدل و مساوات کا سبق دینے کے لئے خود فریق مقدمہ بن کر عدالت مین جاتے تھے،

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعبؓ سے کچھ نزاع ہوگئی، ابیؓ نے زید بن ثابتؓ کے یہان مقدمہ دائر کیا، حضرت عمرؓ مدعی علیہ کی حیثیت سے پیش ہوے، زیدؓ نے تعظیم کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمھارا پہلا ظلم ہے، یہ کہہ کر اپنے فریق ابیؓ کے ساتھ بیٹھ گئے، زیدؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا، اور

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴، [2] فتح القدیر [3] اخبار القضاۃ محمد بن خلف الوکیع،

حضرت عمرؓ کو دعوے سے انکار تھا، ابیؓ نے قاعدہ کے موافق حضرت عمرؓ سے قسم لینی چاہی لیکن زید بن ثابتؓ نے آپ کے رتبہ کا پاس کرکے ابیؓ سے کہا کہ امیرالمومنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت اس ترجیح پر آزردہ خاطر ہوے اور فرمایا جب تمھارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمرؓ دونون برابر نہ ہون اس وقت تک تم منصبِ قضا کے قابل نہین ہو سکتے،

آپ کے ایوانِ عدالت مین ادنی و اعلیٰ اور خویش و بیگانہ سب برابر تھے، ان مین سے کوئی بھی قانون کی سزا سے نہ بچ سکتا تھا، ارکانِ حکومت کو علی الاعلان سزا دیتے تھے، ایک مرتبہ عہدہ دارانِ حکومت کو حج کے موقع پر طلب کیا اور مجمع عام مین کھڑے ہو کر پوچھا کہ جس کو ان لوگون سے شکایت ہو پیش کرے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلان عامل نے مجھے سو کوڑے لگائے ہین، فرمایا "اٹھ کر بدلہ لو" عمرو بن العاص بھی موجود تھے، انھین برسرعام عمالان حکومت کی توہین ناگوار ہوئی، حضرت عمرؓ سے کہا "امیرالمومنین اس طرزعمل سے تمام عمال بددل ہو جائین گے" فرمایا "لیکن مین ایسا ضرور کرونگا" اور مستغیث کو حکم دیا کہ "اپنا کام کر" آخر عمرو بن العاصؓ نے مستغیث کو اس پر راضی کرلیا کہ وہ دو سو دینار لے کر اپنے دعویٰ سے باز آجائے[1]،

اپنے بیٹے ابو شحمہ کو شراب پینے کے جرم مین اسی کوڑے مارے جس کے صدمہ سے وہ قضا کر گئے[2] قدامہ بن مظعون کو جو آپ کے سالے اور معزز صحابی تھے، اسی جرم مین اسی کوڑے لگوائے[3] اس قبیل کے ایک دو نہین سینکڑون واقعات ہین لیکن ان کا استقصار مقصود نہین ہے،

پولیس | ایک متمدن حکومت کے لئے پولیس کا شعبہ نہایت ضروری ہے کہ قیامِ امن کا مدار اسی پر ہے، حضرت عمرؓ نے اس کا مستقل محکمہ قائم کیا، پولیس کو احداث کہتے تھے، قیامِ امن کے علاوہ

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۶ ، [2] معارف ابن قتیبہ، [3] ابن سعد تذکرہ قدامہ بن مظعون،

پولیس کے متعلق احتساب کی خدمت بھی تھی،

جیل خانے | عہد فاروقی سے پہلے عرب مین جیل خانون کا رواج نہ تھا، غالبًا اسی کی تلافی کے لئے جرائم کی سخت سزائین مقرر تھین، حضرت عمرؓ نے جیل خانے قائم کئے، مکہ مین صفوان ابن امیہ کا گھر خرید کر اسے جیل خانہ بنایا[1]، اس کے علاوہ اضلاع مین بھی جیل خانون کے نام ملتے ہین، چنانچہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل کا تھا[2] جیل خانہ قائم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے بعض غیر منصوص سزاؤن مین تبدیلیان کین، مثلاً عادی شرابیون پر حد جاری کرنے کے بجائے قید کی سزا مقرر کی،

صیغۂ محاصل | خراج و محاصل کے نظم و نسق سے بھی عرب ناآشنا تھے، حضرت عمرؓ نے اس کا نہایت وسیع اور مکمل نظام قائم کیا، لیکن چونکہ عرب اس سے ناواقف تھے اس لئے ابتدا مین اسکی مخالفت ہوئی، چنانچہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کے بندوبست کی طرف توجہ کی تو امرائے فوج نے اس کی مخالفت کی، ان کی رائے تھی کہ مفتوحہ علاقے، فاتحین کو بطور جاگیر کے دیدیئے جائین، حضرت عمرؓ اسے حکومت کی ملک قرار دینا چاہتے تھے، اس لئے اس مسئلہ پر بڑا اختلاف رہا اور بڑے بحث و مباحثہ کے بعد بالآخر کثرت رائے سے حضرت عمرؓ ہی کی تجویز پر فیصلہ ہوا، اس فیصلہ کے بعد حضرت عمرؓ نے بڑے اہتمام سے عراق کی پیمائش کرا کے زمینون کا بندوبست کرایا، اس بندوبست مین زمینداری اور تعلقداری کا سابق نظام بدستور قائم رکھا، زمینین ان کے مالکون کے قبضہ مین رہنے دی گئین اور ان کی حیثیت اور پیداوار کے اقسام کے لحاظ سے مختلف شرح مالگذاری تشخیص کردی گئی، اس کی کم سے کم مقدار فی جریب دو درہم اور زیادہ سے زیادہ دس درہم سالانہ تھی، شاہی خاندان کی جاگیرون، آتشکدون کے

---

[1] مقریزی ج ۲ ص ۱۸۷، [2] فتوح البلدان ص ۲۶۳،

اوقاف لاوارثون کی زمینون اور جنگلات کو حکومت کا خالصہ قرار دے کر رفاہ عام کے کامون کے لئے مخصوص کر دیا گیا، مالگذاری کی تشخیص مین ذمیون کی رضامندی کا لحاظ رکھا گیا اور زمینون پر اتنی مالگذاری تشخیص کی گئی کہ اس کے بعد اضافہ کی کافی گنجایش باقی رہے محاصل کی وصولی کے وقت اتنی احتیاط برتی جاتی تھی کہ جب خراج آتا تھا تو ثقہ اشخاص کی شہادت سے اس کا پورا اطمینان کر لیا جاتا تھا کہ اس مین ظلم و زیادتی کا کوئی حبہ نہین ہے، اس احتیاط اور نرمی کے باوجود عراق کے خراج مین حیرت انگیز اضافہ ہو گیا، اور اسکی مقدار آٹھ کرور سے بڑھ کر دس کرور بیس ہزار درہم ہو گئی[1]

عراق کے علاوہ اور کسی ملک مین کوئی نیا بندوبست نہین کیا گیا، بلکہ ہر ملک کے قدیم جابرانہ طریقون کو منسوخ اور انتظامی غلطیون کی اصلاح کر کے سابق نظام علی حالہ قائم رکھا گیا، مثلاً مصر مین رومیون کا مقرر کردہ نظام قائم رکھا، لیکن رومی حکومت خراج کی مقررہ مقدار کے علاوہ اپنی فوج کے لئے جو رسد لیتی تھی، اسے موقوف کر دیا،

مصر کی پیداوار کا دارومدار نیل پر ہے اس کے مدوجزر کے تناسب سے پیداوار مین کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، اور چونکہ یہ مدوجزر ہمیشہ یکسان نہین ہوتا، اس لئے مصر کی پیداوار کا کوئی دائمی تخمینہ بھی نہین کیا جا سکتا، اسی لئے مصر کے محاصل کی کوئی عام اور دائمی شرح معین نہ تھی، ہر سال کی پیداوار کا شتکارون اور زمیندارون کے مشورہ سے اندازہ لگا کر ایک مجموعی رقم تشخیص کر دیجاتی تھی، اور وہ پرتے سے تمام مواضعات پر پھیلا دی جاتی تھی نقدی مالگذاری کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ سے زیادہ نہ تھی اور یہ شرح استمراری تھی یعنی اس مین کبھی اضافہ نہین ہو سکتا تھا، شام مین قدیم یونانی بندوبست قائم رکھا، اس سلسلہ مین حضرت عمرؓ نے اور

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف اور فتوح البلدان بلاذری وغیرہ مین عراق کے بندوبست کے حالات نہایت مفصل ہین، ہم نے صرف ضروری باتین لکھی ہیں،

بہت سی اصلاحین کین، مصر و شام وغیرہ مین جاگیرداری کا قدیم سسٹم جاری تھا اور ملک کی زمین کا بڑا حصہ خالصہ شاہی ارکانِ دولت اور افسرانِ فوج کی جاگیرین تقسیم تھا، ملک کے اصلی باشندون اور کاشتکارون کے قبضہ مین بہت کم حصہ تھا اور جس قدر تھا اس کی حیثیت بھی مالکانہ نہ تھی، حضرت عمرؓ نے یہ طریقہ توڑ دیا اور زمینین ملک کے اصلی باشندون اور کاشتکارون کے قبضہ مین دیدین، اور ان کو مسلمانون کے قبضہ سے بچانے کے لئے یہ قانون بنا دیا کہ کوئی مسلمان خرید کر بھی زمین حاصل نہین کر سکتا، مدتون یہ قانون جاری رہا، عباسی دور مین لیث بن سعد نے مصر مین کچھ زمین خریدی تو امام مالک اور نافع بن یزید وغیرہ ائمۂ مذہب نے اس پر اعتراض کیا،[1] اس کے علاوہ ان ممالک کے آباد شدہ عربون کے لئے زراعت کا پیشہ قانوناً ممنوع کر دیا، ایک عرب نے ایک مرتبہ مصر مین زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے بلا کر سخت مواخذہ کیا، اور فرمایا کہ تجھ کو ایسی سزا دونگا کہ اورون کو عبرت ہو،[2]

زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کے لئے یہ قانون بنایا کہ جو شخص کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا، وہ اس کی ملک ہو جائیگی، لیکن زمین لینے کے بعد تین برس کے اندر اس کا آباد کرنا ضروری قرار دیا، اس قانون سے افتادہ زمینین بہت جلد آباد ہو گئین،

محکمۂ آب پاشی زراعت کی سیرابی کے لئے نہرین جاری کین، بند باندھنے، تالاب بنانے، پانی کی تقسیم کے لئے دہانے بنانے، نہرون کی شاخین نکالنے اور اس قسم کے کامون کیلئے نہایت وسیع محکمہ قائم کیا، مقریزی کا بیان ہے کہ خاص مصر مین ایک لاکھ بیس ہزار مزدور حکومت کی جانب سے اس کام مین لگے رہتے تھے،[3] نہرون کے حالات آیندہ آئین گے،

اور مختلف قسم کی آمدنیان خراج کے علاوہ آمدنی کے اور ذرائع حسب ذیل تھے، زکوٰۃ، عشور،

---

[1] مقریزی ج اول ص ۲۹۵، [2] حسن المحاضرہ ص ۹۳، [3] مقریزی ج ا ص ۷۶،

جزیہ اور مالِ غنیمت، زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی، عشور تجارتی ٹیکس تھا، پہلے یہ ٹیکس نہین لیا جاتا تھا، لیکن جو مسلمان غیر ممالک مین تجارتی سامان لے کر جاتے تھے، ان سے وہان کی حکومتین دس فیصدی ٹیکس لیتی تھین، اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی بیرونی تاجرون کے سامان تجارت پر اسی قدر ٹیکس مقرر کر دیا، پھر رفتہ رفتہ ملک کے ذمیون اور مسلمانون سے بھی یہ ٹیکس لیا جانے لگا، ذمیون کے لئے پانچ فیصدی تھا اور مسلمانون کے لئے ڈھائی فی صدی، حضرت عمرؓ کا عہد فتوحات کے لحاظ سے تاریخ اسلام مین نہایت ممتاز ہے، اس لئے اس زمانہ مین غنیمت کی بھی بڑی آمدنی ہوئی، جزیہ کی تفصیل آیندہ آے گی،

بیت المال حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ مین بیت المال قائم ہوگیا تھا، اس کے لئے انھون نے ایک معمولی سی عمارت بھی بنوائی تھی لیکن اس کے آباد ہونے کی نوبت نہین آئی، حضرت عمرؓ نے دار الخلافہ اور تمام صوبون اور مرکزی مقامات پر بیت المال قائم کئے، اور ان کے لئے وسیع عمارتین بنوائین، اور ان پر نہایت لائق اور دیانتدار افسر مقرر کئے، دار الخلافہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبد اللہ بن ارقمؓ تھے، کوفہ کے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، اصفہان کے خالد بن حرث، کوفہ کے بیت المال کی عمارت نہایت وسیع اور شاندار تھی[1]

بیت المال کے مداخل و مخارج کا یہ انتظام تھا کہ ہر صوبہ کی آمدنی وہان کے بیت المال مین آتی تھی، یہان کی حکومت کے مصارف سے جو رقم بچتی تھی وہ صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال مین بھیجدی جاتی تھی، حضرت عمرؓ اس کے متعلق عمال کے نام احکام بھیجتے رہتے تھے، چنانچہ مصر کے والی عمرو بن العاصؓ کے نام ان کا یہ فرمان ملتا ہے کہ "خزانہ مین جو آمدنی جمع ہوئی ہو اس مین سے مسلمانون کے وظائف اور ضروری اخراجات سے جو

[1] طبری حالات آبادی کوفہ،

کچھ بچ جائے اس کو میرے پاس بھیجدو۔[1]

صیغۂ فوج | حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ مین فوج کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا، حضرت عمرؓ نے ۱۵ھ مین ولید بن ہشام کے مشورہ سے نہایت وسیع اور منتظم صیغہ فوج قائم کیا اور قریش و انصار کے نام درج رجسٹر کرا کے باختلافِ مدارج ان کی تنخواہین مقرر کین جن کی مقدار دو سو بیس درہم سالانہ سے لیکر پانچہزار سالانہ تک تھی۔[2]

تنخواہ دارون کی بیوی اور ان کے بچون کو بھی وظائف ملتے تھے جن لوگون کی جتنی تنخواہ مقرر ہوتی تھی، ان کے غلامون کو بھی اتنی ہی ملتی تھی، ان مین دو قسم کے لوگ تھے، ایک وہ جو ہر وقت جنگی مہمات مین مشغول رہتے تھے، یہ گویا باقاعدہ فوج تھی، دوسرے جو اپنے گھرون پر رہتے تھے اور ضرورت کے اوقات مین طلب کئے جاتے تھے، انھین ہم آجکل کی اصطلاح مین رضاکار کہہ سکتے ہین لیکن تنخواہین دونون کو ملتی تھین،

سارے ممالک محروسہ مین فوجی مرکز قائم کئے جنھین جند کہتے تھے، چنانچہ مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن وغیرہ بڑے بڑے فوجی مرکز تھے، بلکہ کوفہ، بصرہ اور فسطاط تو فوجی ضرورت ہی کے لئے آباد کئے گئے تھے، ان مرکزون مین صیغۂ فوج کے حسب ذیل انتظامات تھے،

(۱) فوجون کے لئے چھاونیان تھین اور بڑے بڑے اصطبل تھے جن مین چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان سے تیار رہتے تھے تاکہ ضرورت کے وقت فوراً سوار دستہ تیار ہو جائے۔[3]

(۲) ہر اصطبل کے متعلق چراگاہین تھین، مدینہ کی چراگاہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے

[1] کنز العمال، [2] کتاب الخراج اور فتوح البلدان وغیرہ میں اس کا پورا نقشہ دیا ہے [3] طبری ص ۵۰۴،

اپنے اہتمام مین رکھا تھا[1] عمدہ نسل کے گھوڑون کی پرورش کا خاص اہتمام تھا،

(۳) فوج کے متعلق جملہ کاغذات اور دفتر انھی مقامات مین رہتے تھے،

(۴) رسد کے گودام یہین تھے، فوج کا سامان رسد جمع کیا جاتا تھا، اور یہین سے مختلف مقامات پر بھیجا جاتا تھا،

ان مرکزی مقامات کے علاوہ تمام ممالک محروسہ مین جہان جہان ضرورت تھی بکثرت چھاؤنیان قائم کین خوزستان کے علاقہ مین جگہ جگہ چھاؤنیان تھین[2] عجم مین ایرانی حکومت کی جو پرانی چھاؤنیان تھین، از سر نو ان کو تعمیر کرایا[3] جو نیا مقام فتح ہو جاتا تھا، وہان بقدر ضرورت فوج متعین کر دیجاتی تھی[4]

سرحدی علاقون اور ساحلی مقامات کی حفاظت کا مستقل اور جداگانہ انتظام کیا، اس صیغہ کے افسر اعلیٰ عبد اللہ بن قیس تھے[5] ضروری مقامات مین جابجا قلعے بنوائے،

فوجی بھرتی کو اتنی وسعت دی کہ مہاجرین و انصار سے بڑھتے بڑھتے سارے عرب کو محیط ہو گیا، تقریباً دس لاکھ ہتھیار بند فوج ہر وقت تیار رہتی تھی، اور اس مین ہر سال تیس ہزار فوج کا اضافہ ہوتا تھا[6]

فوج کے دروازے تمام مفتوحہ اقوام کے لئے کھلے ہوئے تھے، اس مین عجمی رومی، یہودی اور ہندوستانی سب شامل تھے، جن کا ذکر فتوحات کے حالات مین ملتا ہے،

سپاہیون کی تنخواہ کم سے کم دو سو سالانہ سے تین سو تک تھی، اور افسرون کی سات ہزار سے دس ہزار تک، فوجیون کے بچون کے لئے علحدہ وظیفے مقرر تھے، ہر سپاہی کو تنخواہ کے

---

[1] چراگاہوں کے تفصیلی حالات خلاصۃ الوفاء مین ہین [2] طبری ص ۲۶۵۰ [3] فتوح البلدان ص ۳۵۰،
[4] ایضاً ص ۱۲۸ و ۱۵۱، [5] طبری ص ۲۵۲۲، [6] کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۱،

علاوہ مہینہ مین خوراک کے لئے ایک من غلہ بارہ سیر روغن زیتون اور بارہ سیر سرکہ ملتا تھا،

ابتدا مین رسد کا انتظام ضرورت کے وقت ہوتا تھا، پھر اس کا مستقل محکمہ قائم کیا جسکا نام اہرا رکھا گیا مفتوحہ ممالک سے پہلے غلہ کی صورت مین پھر نقد کی صورت مین رسد کیلئے ایک مقررہ رقم لی جاتی تھی،[1]

فوج کی صحت وتندرستی اور آرام وآسایش کا خاص اہتمام تھا، ۱۶ھ مین مدائن کی فتح کے بعد وہان کی آب وہوا کی خرابی کی وجہ سے جب فوج کی تندرستی پر خراب اثر پڑا تو حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو لکھا کہ فوجین موسم بہار مین سرسبز وشاداب مقام پر چلی جایا کرین،[2]

چھاؤنی کے انتخاب مین آب وہوا کی خوبی کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، بارکین وسیع تعمیر کیجاتی تھین اور ان کے لئے کھلے میدان چھوڑ دیئے جاتے تھے، گرم ملکون پر سردیون اور سرد ملکون پر گرمیون مین فوجکشی ہوتی تھی، فوجون کے لئے شہسواری، تیراندازی، تیراکی اور ننگے پاؤن دوڑنے کی مشق ضروری تھی، ہفتہ مین ایک دن جمعہ کا آرام کے لئے ملتا تھا' ہر چہار مہینہ مین رخصت ملتی تھی،

فوج کا اسٹاف افسر خزانہ، محاسب، قاضی، مترجم اور طبیب وجراح پر مشتمل تھا، سفرمینا یعنی راستہ صاف کرنے سڑک بنانے اور پل تعمیر کرنے کا کام مفتوحہ قومون سے لیا جاتا تھا، چنانچہ مصر مین یہ خدمت قبطیون نے انجام دی تھی،[3]

خبر رسانی اور پرچہ نویسی کا نہایت مکمل انتظام تھا، ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس ہوتے تھے جو ایک ایک بات کی خبر حضرت عمرؓ کو پہنچاتے رہتے تھے،[4] اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلامی

---

[1] طبری ص ۲۵۲۶، [2] ایضاً ص ۲۴۸۶، [3] مقریزی ج ۱ ص ۱۶۳، [4] طبری ص ۲۲۰۸،

فوجین جس حصہ مین بھی ہوتی تھین لیکن ان کی باگ حضرت عمرؓ کے ہاتھون مین رہتی تھی، اور ان کے بغیر ان کا ایک قدم نہ اٹھ سکتا تھا،

صیغۂ تعلیم و اشاعتِ اسلام

حضرت عمرؓ نے تعلیم کو بڑی ترقی دی، لیکن یہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی، اسلئے اسے صیغۂ مذہبی کے تحت مین لکھا جاتا ہے، اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اسلام کی اشاعت تھا حضرت عمرؓ کے زمانہ مین اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، لیکن جبر سے نہین بلکہ اسکے محاسن کی تبلیغ کے ذریعہ سے، حضرت عمرؓ جبر سے اسلام منوانے کے بالکل خلاف تھے، ایک مرتبہ جب ان کے غلام نے تبلیغِ اسلام کے بعد اس کے قبول کرنے سے انکار کیا تو انھون نے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کہہ کر چھوڑ دیا[1]،

حضرت عمرؓ نے تبلیغِ اسلام کی مختلف شکلین اختیار کین،

جب کسی ملک پر فوجکشی ہوتی تھی تو افسر فوج کو تاکید تھی کہ وہ پہلے اسلام پیش کرے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ فاتحِ ایران کو جو خط لکھا تھا اس مین تھا کہ مین نے تم کو حکم دیا تھا کہ جنگ سے پہلے اسلام پیش کرو،

تبلیغِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر مذاہب والون کے سامنے اسلام کا ایسا عملی نمونہ پیش کیا جائے، جسے دیکھ کر وہ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائین، حضرت عمرؓ کا اس سلسلہ مین اصلی کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے اپنی تعلیم و ارشاد اور احتساب سے مسلمانون کو اسلام کی صحیح تصویر بنا دیا تھا جسے دیکھ کر غیر قومین خود بخود اسلام کی طرف کھنچتی تھین، شام کی فتوحات مین رومیون کا سفیر جارج اسی اثر سے مسلمان ہوا[2] مصر کی حکومت کا ایک نہایت معزز رئیس شطا، مسلمانون کے حالات ہی سنکر اسلام کا گرویدہ ہو گیا، اور دو ہزار آدمیون

[1] کنز العمال ج ۵ ص ۴۹، [2] بلاذری فتوحات شام،

کے ساتھ اسلام قبول کیا[1]، دمشق کی فتح کے بعد یہان کا بشپ خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا[2]،

اس کے علاوہ فاروقی عہد مین اور مختلف اسباب کی بنا پر بکثرت غیر قومین مسلمان ہوئین، افسوس ہے کہ مسلمان مورخین نے کہین ایک جگہ اشاعت اسلام کے حالات نہین لکھے ہین، صرف ضمناً جابجا اس کا تذکرہ ملتا ہے،

جلولاء کی فتح کے بعد یہان کے بڑے بڑے امراء اور روساء نے بطیب خاطر اسلام قبول کر لیا[3]، قادسیہ کے معرکہ کے بعد ایران کا شاہی رسالہ جس کی تعداد چار ہزار تھی مسلمان ہوگیا[4]، یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر سیاہ کئی سو بہادرون کے ساتھ مسلمان ہوگیا[5]، انکے اسلام سے سیابجہ، زط، اور اندغار کی قومین جو ایرانی فوج مین بھرتی تھین، مسلمان ہوگئین، مصر کے قصبہ بلہیب کے کل باشندے مسلمان ہوگئے[6]، دمیاط کی فتح کے بعد بقارہ اور وارادہ سے لے کر عسقلان تک پورے علاقے مین اسلام پھیل گیا[7]، شہر فسطاط مین جو حضرت عمرؓ کے عہد مین آباد ہوا، مسلمانون کے کئی محلے تھے، غرض حضرت عمرؓ کے زمانہ مین اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی جس کے تفصیل کا یہ موقع نہین،

تعلیم قرآن | مذہب اسلام کی بنیاد کلام اللہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کی حفاظت، تعلیم اور اشاعت کا بڑا اہتمام کیا، عہد صدیقی مین آپ ہی کے اصرار سے کلام اللہ کی تدوین ہوئی، اپنے زمانہ مین انھون نے تمام مفتوحہ ملکون مین قرآن کی تعلیم کے مکتب قائم کئے، اور ان کے لئے تنخواہ دار معلم مقرر کئے[8]، ان مکتبون مین کتابت کی تعلیم بھی ہوتی تھی،

۱؎ مقریزی ص ۲۲۶، ۲؎ معجم البلدان ذکر قنطرہ سنان، ۳؎ فتوح البلدان ص ۲۶۵، ۴؎ ایضاً صفحہ ۲۸۰ ۵؎ ایضاً ص ۳۷۰، ۶؎ مقریزی ج اول ص ۱۶۶، ۷؎ ایضاً ص ۱۸۴ ۸؎ سیرۃ العمرین،

حفاظ قرآن صحابہ کو مختلف مقامات پر قرآن کا درس دینے کے لئے بھیجا، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل اور ابودرداء شام بھیجے گئے[1] انھون نے حمص، فلسطین اور شام مین درس جاری کیا،

بدوؤن کے لئے قرآن کی تعلیم ایک گونہ جبری تھی، ایک معلم ابوسفیان چند آدمیون کے ساتھ اس کام پر مقرر کیا گیا تھا، کہ وہ قبائل مین پھر کر ہر شخص کا امتحان لے، جسکو قرآن کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسے سزا دے[2]،

سورۂ بقرہ، نساء، مائدہ، حج اور نور کا جنمین احکام ہین، یاد کرنا ضروری قرار دیا[3]،

قرآن پاک کے صحیح پڑھنے اور پڑھانے کے لئے اعراب اور ادب وعربیت کی تعلیم کی تاکید کی[4] جو لوگ لغت کے عالم نہ ہون انھین قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کردی قرآن کے طلبہ کے وظائف مقرر کئے[5] ان تدبیرون سے ہزارون حفاظ قرآن پیدا ہوگئے

حدیث کی خدمت کلام اللہ کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، چنانچہ اس کی تلاش، حفاظت اور اشاعت کا بھی انتظام کیا، حفاظ حدیث صحابہ کو حدیث کی تعلیم دینے کیلئے مختلف مقامات پر بھیجا، حضرت عبداللہ بن مسعود کو کوفہ، معقل بن یسار، عبداللہ بن معقل اور عمران بن حصین کو بصرہ اور عبادہ بن صامت اور ابودرداء کو شام بھیجا اور امیر معاویہ والی شام کو لکھا کہ ان کے علاوہ دوسرے کی احادیث قبول نہ کیجائین[6]

مسائل اور احکام کی حدیثون کو بالفاظہا نقل کرکے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے، آپکے فرامین مین بکثرت احادیث ملتی ہین،

---

[1] کنز العمال ج ا ص ۲۸۱، [2] اغانی ج ۱۶ ص ۵۸ [3] کنز العمال ج ا ص ۲۲۴، [4] ایضاً ص ۲۲۸ [5] ایضاً ص ۲۱۷، [6] ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۶،

آپ کے زمانہ میں آئے دن نئے نئے مسائل پیش آتے تھے چنانچہ جب اس قسم کی نئی صورت پیش آتی تھی تو آپ صحابہ سے دریافت فرماتے تھے کہ اس کے متعلق انھیں کوئی حدیث نبوی معلوم ہے اس طریقہ سے احادیث کا معتد بہ حصہ جمع ہو گیا اور حدیثوں کی بڑی اشاعت ہوئی اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عادل ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ خصائص بشری سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں اور ایک صحابی سے بھی اسی طرح غلطی کا ہونا ممکن ہے جس طرح ایک عام انسان سے، اسی لئے اشاعت حدیث کے ساتھ ساتھ وہ روایات کے قبول کرنے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے، اور بغیر شہادت کے کسی کی روایت قبول نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک حدیث بیان کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، ابوموسیٰؓ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو شہادت میں پیش کیا، اس وقت حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ کو چھوڑا[1]، اسی طرح سقط کے مسئلہ میں مغیرہ بن شعبہؓ نے ایک حدیث بیان کی، حضرت عمرؓ نے مسلمہؓ کی شہادت سے اسے تسلیم کیا[2]، اور اس قبیل کے متعدد واقعات ہیں،

لوگوں کو کثرت روایت سے روکتے تھے، چنانچہ قرظہ بن کعب کو عراق روانہ کرتے وقت خاص طور سے ہدایت کی کہ "تم ایسے ملک میں جا رہے ہو جہاں قرآن کی آواز گونجتی رہتی ہے، تم ان کو قرآن سے ہٹا کر حدیث کی طرف نہ لگا دینا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو درداءؓ انصاری اور ابومسعود انصاری کو روایت حدیث سے روک دیا تھا" آپ کی اس شدت احتیاط کو دیکھ کر حضرت ابوہریرہؓ نے حدیثیں روایت کرنا بند یا کم کر دیا تھا[3]، ایک بڑی نکتہ سنجی آپ نے یہ فرمائی کہ احادیث کی اہمیت کے لحاظ سے اُن کے مراتب

---

[1] مسلم باب الاستیذان، [2] ابوداؤد باب دیۃ الجنین، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶،

کو ملحوظ رکھا، چنانچہ آپ نے ان ہی احادیث کی طرف زیادہ توجہ فرمائی جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اخلاق یعنی اسلام کے عملی نظام سے تھا، باقی احادیث کی طرف زیادہ اعتنا نہین کیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے زمانہ مین گو حدیثین کم روایت ہوئین لیکن جس قدر ہین وہ آمیزش سے بالکل پاک ہین۔

فقہ کی خدمت عملی زندگی مین زیادہ تر فقہ سے کام پڑتا ہے خصوصًا فاروقی عہد مین اسلامی تمدن کی ترقی سے صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے، اس لئے اس زمانہ مین علم فقہ کی بڑی ترقی و اشاعت ہوئی، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ فقہ کی تکمیل حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھون ہوئی،

آپ خود لوگون کو فقہی مسائل بتاتے تھے، خطبون اور تقریرون مین بیان کرتے تھے فقہی مسائل کو صحابہ کے مجمع مین پیش کر کے طے کراتے تھے، اضلاع کے حکام اور افسرون کو فقہی احکام لکھ کر بھیجتے تھے، یہ احکام آج بھی تاریخون مین موجود ہین، اسلامی حکام انتظامی ذمہ داریون کے ساتھ مذہبی معلم بھی ہوتے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ ان کے تقرر مین تفقہ کا خاص لحاظ رکھتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ مین نے افسرون کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ لوگون کو مسائل اور احکام بتائین۔[1]

عمال اور حکام کے علاوہ مسلمانون کی مذہبی تعلیم کے لئے تمام ممالک محروسہ مین مستقل فقہا اور معلم مقرر کئے، صرف بصرہ مین دس صاحبون کو اس کام کے لئے بھیجا تھا[2]، ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فقہا کی تنخواہین بھی مقرر تھین، غرض فاروقی عہد مین مذہبی تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا،

تعمیر مساجد مذہب کی عملی خدمت کے سلسلہ مین بکثرت مسجدین تعمیر کرائین، شام کے عمال کو حکم بھیجا کہ ہر شہر مین ایک مسجد تعمیر کیجائے[3]، کوفہ مین ہر ہر قبیلہ کی مسجد علیحدہ علیحدہ تعمیر کرائی،

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷، [2] اسد الغابہ ترجمہ عبد اللہ بن مغفل [3] مقریزی ج ۲ ص ۲۴۶،

روضۃ الاحباب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے چار ہزار مسجدیں تعمیر کرائیں، پھر ان کیلئے تنخواہ دار امام اور موذن مقرر کئے۔[۱]

حرم کی توسیع حرم محترم کی عمارت تنگ تھی ۱۷ھ میں اس کی عمارت کو وسیع کیا اور اس کے گرد دیوار کھچوا کر عام آبادی سے ممتاز کیا،[۲] کعبہ پر نطع کا جو ایک معمولی کپڑا ہے، غلاف چڑھا کرتا تھا آپ نے قباطی کا غلاف چڑھایا،

مسجد نبوی کی توسیع مسجد نبوی کی توسیع کی، ازواج مطہرات کے گھروں کو چھوڑ کر مسجد نبوی سے متصل جتنے مکانات تھے سب کو خرید کر مسجد کی عمارت میں شامل کر دیا، پہلے مسجد کا طول سو گز تھا، اس تعمیر میں بیس کا اضافہ ہوا مسجد کے گوشہ میں علیحدہ ایک چبوترہ بنوا دیا کہ جن لوگوں کو بات چیت کرنا ہو یا شعر پڑھنا ہو وہ یہاں آکر باتیں کریں۔[۳]

رفاہِ عام کے کام حکومت کی تنظیم اور مذہبی خدمات کے علاوہ رفاہِ عام کے بہت سے کام ہوئے۔ زراعت کی سیرابی کے علاوہ رعایا کی ضروریات کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں ان میں سے بعض یہ ہیں،

نہر ابو موسیٰ بصرہ میں پانی کی بڑی قلت تھی، شہر سے چھ میل کی مسافت سے پانی لایا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے دجلہ سے نو میل لمبی نہر نکالی جو انہی کے نام سے مشہور ہوئی، اس سے گھر گھر پانی افراط ہو گیا۔[۴]

نہر معقل دوسری نہر معقلؓ کے اہتمام میں تیار ہوئی،

نہر سعد یہ نہر اہل انبار کی درخواست پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھدائی تھی لیکن درمیان میں پہاڑ حائل ہو جانے کی وجہ سے ناتمام رہ گئی اور حجاج بن یوسف کے زمانہ

---

[۱] سیرۃ العمرین، [۲] احکام السلطانیہ ص ۱۵۴، [۳] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۲ و ۱۳۳، [۴] فتوح البلدان ص ۳۵۶ و ۳۵۷

مین پوری ہوئی۔

نہر امیر المومنین سب سے بڑی نہر نہرِ امیر المومنین تھی، ۱۸ھ مین جب عرب مین قحط پڑا اور حضرت عمرؓ نے مصر سے غلہ طلب کیا تو شام اور مصر کا خشکی کا راستہ دور ہونے کی وجہ سے غلہ کسی قدر تاخیر سے پہنچا تھا، اس وقت حضرت عمرؓ نے ۹۹ میل لمبی نہر کھدا کر نیل کو بحرِ قلزم سے ملا دیا، اور مصر کے جہازات براہِ راست مدینہ کے بندرگاہ جار تک آنے لگے، اس سے مصر کی تجارت کو بھی بڑا فروغ ہوا[1]

۲۔ بڑے بڑے شہرون مین مسافرون کی سہولت کے لئے مسافر خانے تعمیر کرائے، تاریخون مین کوفہ اور مدینہ کے مسافر خانون کے نام ملتے ہین،

۳۔ سڑک اور پلون کی تعمیر کا یہ انتظام تھا کہ مفتوحہ قومون کے معاہدہ مین اس کی تعمیر کی شرط ہوتی تھی، چنانچہ شام کے سلحنامے مین یہ شرط داخل تھی[2] مصر مین قبطیون نے فوجون کے گذرنے کے لئے راستے صاف کئے تھے،

۴۔ مکہ اور مدینہ مرکزِ اسلام تھے لیکن ان کے راستے نہایت خراب اور ویران تھے ۱۷ھ مین مکہ سے مدینہ تک ہر ہر منزل پر چوکیان، سرائین اور حوض تیار ہوئے[3]

عدل و مساوات اوپر جو کچھ لکھا گیا وہ حکومت کا انتظامی ڈھانچہ تھا، اس کی اصلاحی روح رعایا کے ساتھ عدل و مساوات اور اس کی صلاح و فلاح کی فکر ہے، اس لحاظ سے بھی حضرت عمرؓ کے مقابلہ مین مشکل سے کسی فرمانروا کی مثال پیش کیجا سکتی ہے، آپکے ایوانِ عدالت مین شاہ و گدا ادنیٰ و اعلیٰ خویش و بیگانہ اور مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے،

غیر قومون کے حقوق اور انکے ساتھ طرز عمل کسی حکومت کے عدل و مساوات کے جانچنے کا سب سے

[1] اس نہر کے تفصیلی حالات حسن المحاضرہ اور مقریزی مین ہین، [2] طبری ص ۲۴۰۰، [3] ایضاً ص ۲۵۲۹،

بڑا معیار یہ ہے کہ غیر قومون کے ساتھ اس کا طرز عمل کیا ہے اور ان کو اس حکومت مین کیا حقوق حاصل ہین؟ اس معیار سے فاروقی عہد عدل و مساوات کا نمونہ تھا،

عرب کی ہمسایہ دو حکومتین تھین، روم اور فارس، یہی دونون حکومتین فاروقی عہد مین اسلام کے زیر نگین ہوئین، ان دونون حکومتون کا طرز عمل اپنی ہم قوم رعایا کے ساتھ غلامون سے بدتر تھا، دوسری ماتحت اقوام کا کیا ذکر، لیکن جب یہی قومین اسلام کے زیر نگین ہوئین تو دفعۃً ان کی حالت بدل گئی اور انھین ہر طرح کے جائز حقوق اور جائز آزادی عطا کی گئی،

کسی قوم کے حقوق صرف تین چیزون سے متعلق ہوتے ہین، جان مال اور مذہب ان کے سوا اور جتنے حقوق ہین وہ سب انہی کے تحت مین آتے ہین، حضرت عمرؓ نے تمام مفتوحہ قومون کے ان تینون بنیادی حقوق کو محفوظ قرار دیا، بیت المقدس کے عیسائیون کو از روے معاہدہ جو حقوق دیئے وہ یہ تھے،

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دی، یہ امان جان مال، گرجا صلیب، تندرست بیمار اور انکے تمام اہل مذہب کے لئے ہے نہ ان کے گرجا مین سکونت اختیار کیجائے گی نہ وہ ڈھائے جائین گے، نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبون اور ان کے مال مین کچھ کمی کیجائیگی، مذہب کے بارہ مین ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان مین سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جاے گا[1]،

یہ حقوق صرف ایلیا والون کے ساتھ مخصوص نہ تھے، بلکہ تمام مفتوحہ اقوام کو دیئے گئے جو اُن کے عہد نامون مین موجود ہین، اہل جرجان کے معاہدہ کے الفاظ یہ ہین، کہ "ان کی جانے مال اور مذہب و شریعت سب کو امان ہے، اس مین سے کسی شے مین کوئی تغیر نہ کیا جائیگا[2]"

---

[1] طبری فتح بیت المقدس، [2] طبری ص ۲۶۵۸،

آذربیجان کے معاہدہ مین ہے "جان مال اور مذہب وشریعت کو امان ہے"[۱] موقان کے معاہدہ کے الفاظ بھی یہی ہین۔ سب معاہدون کا نقل کرنا طول عمل ہے، صرف چند بطور مثال لکھدیئے گئے۔

حضرت عمرؓ وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدون کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے، حضرت ابوعبیدہؓ فاتح شام کو لکھا،

"مسلمانون کو ذمیون پر ظلم کرنے ان کو نقصان پہنچانے اور بے وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطین کی گئی ہین ان کو پوری کرو"[۲]

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا، تو حضرت عمرؓ اس سے قصاص لیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا، حضرت عمرؓ نے قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا، انھون نے اسے قتل کر دیا[۳]،

ذمیون کی املاک کو کوئی نقصان پہنچتا تھا تو حضرت عمرؓ اس کا معاوضہ دلاتے تھے، ایک مرتبہ فوج نے شام کے ایک ذمی کی زراعت پامال کر دی، حضرت عمرؓ نے اس کو بیت المال سے دس ہزار معاوضہ دلایا[۴]،

اوپر گذر چکا ہے کہ مالگذاری کی تشخیص مین ذمیون سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا، اس کے بعد بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ کہین جمع زیادہ تو نہین تشخیص ہوگئی ہے[۵] اس کا بڑا اہتمام تھا کہ خراج کی کوئی رقم جبر اور ظلم سے نہ وصول کی جائے، چنانچہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو وہان کے دس آدمیون کو طلب کرکے ان سے قسم لیتے تھے کہ "مالگذاری کی تحصیل مین سختی تو نہین کی گئی ہے"[۶]،

---

[۱] طبری ص ۲۶۶۲ [۲] کتاب الخراج ص ۸۲ [۳] الدرایۃ فی تخریج الہدایہ [۴] کتاب الخراج ص ۶۵ [۵] ایضاً ص ۲۱ [۶] ایضاً ص ۶۵

جزیہ کی بحث اس سلسلہ مین ذمیون سے جزیہ ایک ٹیکس ایسا ضرور لیا جاتا تھا جو مسلمانون سے نہ لیا جاتا تھا، لیکن یہ ان کی حفاظت اور جنگی خدمات کا معاوضہ تھا، ذمی جنگی خدمات سے مستثنیٰ تھے، اور مسلمان اس کے لئے مجبور تھے، اس لئے مسلمانون سے اس کے لینے کی کوئی وجہ نہ تھی، کہ وہ مال کے بجائے جان دینے پر مجبور تھے، اکثر معاہدون مین اس کی تصریح ہے کہ جزیہ صرف حفاظت کا ٹیکس تھا، چنانچہ اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کے الفاظ یہ ہین :-

"ہمارے ذمہ اس شرط پر تمھاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدر استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا، اور اگر ہم تم سے مدد لین گے تو اس کے بدلہ مین جزیہ معاف کر دیا جائیگا"[1]

آذربیجان کی فتح مین یہ معاہدہ لکھا گیا،

"جو لوگ کسی سال فوج مین کام کرینگے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہ لیا جائیگا" (طبری ص ۲۶۶۲)

چنانچہ جب کبھی ذمیون نے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو ان کا جزیہ چھوڑ دیا جاتا تھا ایران کی فتوحات کے سلسلہ مین جب اس قسم کے مواقع پیش آئے تو حضرت عمرؓ نے افسران فوج کو لکھ بھیجا کہ جن ذمی سوارون سے مدد لینے کی ضرورت ہو ان سے مدد لو، اور ان کا جزیہ چھوڑ دو[2]

یرموک کے معرکہ کے سلسلہ مین جب مسلمان ذمیون کی حفاظت سے معذور ہو گئے تو ذمیون کی کل وصول شدہ رقم واپس کر دی گئی، حضرت ابو عبیدہؓ سپہ سالار افواج شام اور تمام مفتوحہ اضلاع کے حکام کو لکھ بھیجا کہ جتنا جزیہ وصول ہو چکا ہے سب واپس کر دیا جائے[3] غرض جزیہ خالص حفاظتی ٹیکس تھا اور فوجی مصارف ہی مین صرف کیا جاتا تھا مسلمان

---

[1] طبری ص ۲۶۶۵ [2] طبری ۲۴۹۷، [3] فتوح البلدان ص ۱۳۰ و کتاب الخراج ص ۸۱

بھی بعض ایسے ٹیکس دیتے تھے جو ذمیون کو دینے پڑتے تھے، زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہین زیادہ ہوتی تھی،

پھر جزیہ کی وصولی مین سختی نہ برتی جاتی تھی، جہان کہین حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوجاتا تھا آپ سختی سے روکتے تھے،

شام کے سفر مین کسی مقام پر دیکھا کہ ذمیون پر سختی کیجارہی ہے، سبب پوچھا معلوم ہوا، کہ جزیہ نہین اداکیا گیا ہے، پوچھا کیون، معلوم ہوا ناداری کی وجہ سے، فرمایا چھوڑدو، مین نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ لوگون کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا مین لوگون کو عذاب دیتے ہین خدا انھین قیامت مین عذاب دیگا،[1]

نادار بیکس اور معذور ذمی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی، حیرہ کے فتح کے معاہدہ مین اس کی تصریح ہے کہ

اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہوجائے، یا کوئی آفت آئے یا دولتمندی کے بعد غریب ہوجائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگین، تو اس کا جزیہ موقوف کردیا جائے گا اور اس کی اولاد کو مسلمانون کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا۔[2]

یہ معاہدہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین ہوا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بھی اسی پر عمل رہا بلکہ آپنے اس کو قرآنی استدلال سے اور زیادہ موکد کردیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک ضعیف شخص کو بھیک مانگتے دیکھا پوچھا بھیک کیون مانگتا ہے اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو اس کے ادا کرنے کا مقدور نہین، یہ سنکر آپ اسے اپنے گھر لے گئے اور

[1] کتاب الخراج، [2] ایضاً ص ۸۵،

اور کچھ نقد دے کر داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے، کلام اللہ کی آیۃ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ میں فقراء سے مراد مسلمان اور مساکین سے مراد اہل کتاب ہیں، واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان لوگوں کی جوانی کی توانائی سے تو ہم فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں[۱]،

آپ کو ذمیوں کا اتنا خیال تھا کہ اپنے آخری زمانہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے جو ہدایت نامہ لکھا تھا اس میں ذمیوں کے متعلق خاص طور سے تھا کہ

"میں ان لوگوں کے حق میں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے، یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو عہد کیا گیا ہے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دیجائے[۲]،

کسی غیر قوم کے ساتھ دنیا کی کسی حکومت کا اس سے بہتر طرز عمل اور کیا ہو سکتا ہے؟

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا اتنا اہتمام تھا کہ آج اس کے واقعات افسانہ معلوم ہونگے، باوجودیکہ آپ کو مہمات امور سے سابقہ رہتا تھا، لیکن رعایا کے چھوٹے چھوٹے حالات سے بھی غفلت نہ ہونے پاتی تھی،

آپ نے کبھی کوئی حاجب و دربان نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو آپکے پاس پہنچنے میں وقت نہ ہو، روزانہ ہر نماز کے بعد، مسجد کے صحن میں بیٹھ جاتے کہ جس کو جو کچھ کہنا سننا ہو آزادی سے کہہ سکے، چنانچہ اہلِ حاجت اپنی ضروریات بیان کرتے تھے، اگر کوئی نہ ہوتا تو تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جاتے[۳]،

باہر سے جو وفود آتے ان سے ایک ایک جزوی حالات پوچھتے، حج کے موسم میں

---

[۱] کتاب الخراج ص ۷۲، [۲] یہ وصیت حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے[۳] کنز العمال ج ۲ ص ۳۲۰،

جب ممالک محروسہ کے ہر حصّہ کے آدمی آتے تھے، تمام حکام کو طلب کرتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس کو جس عامل کے خلاف شکایت ہو پیش کرے،

مدینہ اور اسکے اطراف مین خود گھوم پھر کر حالات کا پتہ چلاتے تھے. اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخون مین مذکور ہین،

ایک مرتبہ ایک قافلہ آیا اور مدینہ کے باہر اترا، آپ اسکی خبر گیری اور حفاظت کیلئے تشریف لے گئے، پہرہ دے رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز سنی، پاس جاکر اسکی مان کو تاکید کی کہ بچہ کو بہلائے، تھوڑی دیر کے بعد پھر ادھر سے گذرے تو پھر بچہ کو روتا پایا، مان کو ڈانٹا کہ "تو بڑی بے رحم ہے"۔ اس نے کہا تم کو اصل واقعہ کی خبر نہین ہے خواہ مخواہ مجھے دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ جب تک بچے دودھ نہ چھوڑین اس وقت تک بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے، اس لئے مین اس کا دودھ چھڑا رہی ہون، اس پر وہ روتا ہے، یہ سنکر حضرت عمرؓ سخت متاثر ہوئے اور فرمایا، ہائے عمر تو نے کتنے بچون کا خون کیا ہوگا! اسی دن منادی کرادی کہ جس دن سے بچہ پیدا ہو اسی دن سے وظیفہ مقرر کیا جائے،

ایک مرتبہ شب کو گشت کرتے ہوئے تین میل مدینہ سے باہر نکل گئے، دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہین، پاس جاکر تحقیق کی تو عورت نے بتایا کہ کئی وقتون سے بچے فاقے سے ہین، ان کے بہلانے کے لئے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے، یہ سن کر آپ اسی وقت مدینہ واپس آئے اور بیت المال سے آٹا، گھی، گوشت اور کھجورین لین، اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ اس کو میری پیٹھ پر لاد دو، اسلم نے عرض کیا مین لئے چلتا ہون فرمایا، قیامت مین میرا بار تم نہین اٹھاؤ گے، غرض کل سامان خود لاد کر عورت

کے پاس لے گئے، اور جب تک عورت نے پکا کر بچوں کو کھلا نہ لیا، خود بیٹھے رہے، عورت اس حسن سلوک سے بہت متاثر ہوئی اور کہا امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہو نہ کہ عمر،

سفر میں جاتے تو ایک ایک مقام پر ٹھہر کر حالات دریافت کرتے، شام کے سفر میں ایک ایک ضلع میں قیام کرکے لوگوں کی شکایتیں سنیں اور دادرسی کی، اسی سفر کی واپسی کا واقعہ ہے کہ ایک مقام پر ایک خیمہ نظر آیا قریب گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی، اس سے پوچھا عمر کا کچھ حال معلوم ہے، اس نے کہا ہاں شام سے روانہ ہوچکا ہے، مجھ کو اس کے یہاں سے ایک حبہ بھی نہیں ملا، آپ نے فرمایا اتنی دور کا حال عمر کو کیسے معلوم ہوسکتا ہے، بڑھیا نے جواب دیا اگر حال نہیں معلوم تو خلافت کیوں کرتا ہے یہ سُن کر آپ رو پڑے،

رعایا کی تکلیف پر خواب و خور حرام ہوجاتا تھا، ۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا تو آپ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا گوشت، گھی، مچھلی تمام لذائذ ترک کردیئے، نہایت خشوع و خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ خدایا میری شامتِ اعمال کے بدلہ میں امتِ محمدی کو تباہ نہ کر، آپ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ قحط کے زمانہ میں آپ کو جتنی فکر و پریشانی تھی اس سے یہ خطرہ تھا کہ اگر قحط رفع نہ ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہوجائیں گے[1]

قحط کے اثرات کو روکنے کے لئے بیت المال کا کل نقد و جنس صرف کردیا، اور تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ بھیجا جائے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام سے ہزار اونٹ اور عمرو بن العاص نے مصر سے بیس جہاز غلہ بھیجا، ایک ایک جہاز میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا، اس کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ جار تشریف لے گئے، اور زید بن ثابت کو قحط زدوں کا نقشہ تیار کرنے کا حکم دیا، انھوں نے بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر تیار کئے، ہر شخص کو

---

[1] یہ تمام واقعات کنز العمال ج ۶ حالات عمر میں ہیں،

حضرت عمرؓ کی دستخط شدہ ایک چک دی گئی، جس کے مطابق غلہ ملتا تھا[1] اس کے علاوہ مدینہ مین ایک عام لنگرخانہ قائم کیا، جس مین بیس اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے،

یہ تو قحط کے زمانہ کا انتظام تھا، عام حالات مین بھی حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ رعایا کا کوئی فرد بھوکا نہ رہنے پائے، چنانچہ ملک مین جس قدر معذور و مجبور اور از کار رفتہ آدمی تھے، بلاقید ملت و مذہب بیت المال سے سب کے روزینے مقرر تھے، غیرمسلم معذورون کے وظائف اور خبرگیری کا حال اوپر گذر چکا ہے،

لقطہ یعنی ان لاوارث بچون کی پرورش کا انتظام بھی بیت المال سے تھا، جن کی مائین انھین راستون پر پھینک جاتی تھین، ایسے بچون کے لئے ابتدا مین سو درہم سالانہ مقرر ہوتے تھے، پھر ان کی عمر بڑھنے کے ساتھ ہمین سال بہ سال ترقی ہوتی جاتی تھی،[2] جو یتیم صاحب مال و جائداد ہوتے تھے، ان کے مال کی حفاظت اور اسے تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے بڑھانے کا انتظام تھا، غرض عہد فاروقی مین کوئی لاوارث، محتاج، معذور اور از کار رفتہ بھوکا نہ رہنے پاتا تھا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر اس ترقی یافتہ دور مین بھی نہین مل سکتی،

مساوات اس دور کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام بیجا امتیازات کو مٹا کر شاہ و گدا اور بلند و پست کو ایک سطح پر کر دیا تھا، اس کا عملی نمونہ خود ان کی ذات تھی، امیرالمومنین اور عام رعایا کے حقوق مین کوئی فرق نہ تھا، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ وہ اپنے اور عام رعایا کے درمیان کوئی امتیاز نہ پیدا کرین، ادنی ادنی باتون مین اس کا لحاظ رکھتے تھے، عمرو بن العاص نے مصر کی جامع مسجد مین منبر بنوایا، آپ کو اطلاع

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۷، [2] ایضاً ص ۱۷۱،

ہوئی تو لکھ بھیجا کیا، کیا تم اسے پسند کرتے ہو کہ مسلمان نیچے بیٹھیں اور تم اوپر[1]،

ایک دفعہ کچھ لوگ مشہور صحابی حضرت ابی بن کعبؓ سے ملنے گئے، جب وہ اٹھے تو لوگ تعظیماً ان کے ساتھ ہو گئے، اتفاق سے اسی وقت حضرت عمرؓ ادھر آنکلے، یہ امتیازی شان دیکھ کر ابی کو کوڑا لگایا، انھوں نے حیرت سے پوچھا خیر تو ہے؟ فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اس قسم کی تعظیم متبوع کے لئے فتنہ اور تابع کے لئے ذلت ہے[2]،

شام کا ایک نامور فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی مسلمان ہو گیا تھا، طواف میں اسکی چادر کا کونہ ایک شخص کے پاؤں کے نیچے پڑ گیا، جبلہ نے اسے تھپڑ مارا، اس شخص نے برابر کا جواب دیا، جبلہ نے آکر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، آپ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ نے پندار امارت میں کہا "ہم وہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ہم سے گستاخی سے پیش آئے تو وہ قتل کا سزاوار ہے" حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا، جبلہ نے کہا اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کا امتیاز نہیں تو میں اس سے باز آتا ہوں، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی کوئی پروا نہ کی،

غلاموں کو ان کے آقاؤں کے برابر کر دیا، ان کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے اور حاضرین کو سنا کر فرماتے، "خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں عار ہے" غلاموں کے ساتھ عمال کے برتاؤ کی تحقیقات کرتے رہتے تھے، ایک عامل کو صرف اس جرم پر معزول کر دیا تھا کہ اس نے غلام کی عیادت نہیں کی تھی[3]، غلاموں کے وظائف ان کے آقاؤں کے برابر مقرر کئے، اس قبیل کے دو چار نہیں سیکڑوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں،

---

[1] کنز العمال [2] مسند دارمی ص ۷۱، ابن سعد تذکرۂ عمرؓ [3] طبری ص ۲۷۷۵

اس مساوات نے مسلمانون مین حریت اور آزادی کی وہ روح پھونک دی تھی کہ حضرت عمرؓ کو بر سرِ عام ٹوک دیتے تھے، جس کے واقعات تاریخون مین مذکور ہین،

بیت المال کی حفاظت مسلمانون کی امانت یعنی بیت المال کی حفاظت کا اتنا اہتمام تھا کہ آج شاید اس کے واقعات افسانہ معلوم ہون گے، بیت المال کا ایک حبہ بے محل صرف نہ ہونے پاتا تھا، اس کی ایک ایک امانت کی حفاظت بہ نفسِ نفیس فرماتے تھے اس کے ایک ایک اونٹ کو مع حلیہ کے رجسٹر پر چڑھاتے تھے،

ایک مرتبہ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا، حضرت عمرؓ اس کی تلاش مین نکلے عین اسی وقت ایک رئیس احنف بن قیس آپ سے ملنے کے لئے آئے، دیکھا تو حضرت عمرؓ دامن چڑھائے ادھر اودھر دوڑ رہے ہین، احنف کو دیکھ کر فرمایا آؤ تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے، تم جانتے ہو، ایک اونٹ مین کتنے غریبون کا حق ہے، ایک شخص نے عرض کیا، امیر المومنین آپ کیون تکلیف اٹھاتے ہین کسی غلام کو حکم دیدیجئے وہ ڈھونڈھ لائے گا، فرمایا "اے عبدِ اعبد منی" یعنی مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے،[1]

بیت المال مین قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آرہے تھے لیکن اس مین آپ کا حصہ صرف بقدرِ کفاف روزینہ تھا، اس کے علاوہ اس سے ادنیٰ فائدہ اٹھانا بھی اپنے لئے حرام سمجھتے تھے،

ایک مرتبہ بیمار پڑے لوگون نے دوا مین شہد تجویز کیا، بیت المال مین شہد موجود تھا بہت معمولی سی چیز تھی لیکن بغیر مسلمانون سے اجازت لئے ہوئے، اسے لینا طبیعت نے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴،

گوارا نہ کیا، مسجد نبوی مین جاکر مسلمانون سے کہا اگر آپ لوگ اجازت دین تو تھوڑا سا شہد لے لون[1]،

ایک دفعہ مال غنیمت آیا، آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آکر عرض کیا امیر المومنین میرا حق مجھ کو دیجئے مین ذوی القربی مین ہون، حضرت عمرؓ نے جواب دیا جان پدر تیرا حق میرے ذاتی مال مین ہے، یہ تو غنیمت کا مال ہے تونے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، یہ خشک جواب سن کر وہ غریب لوٹ گئین[2]،

آپکو اپنے مرحوم بھائی زید کی بچی سے والہانہ محبت تھی، ایک دن اُسنے بیت المال کے زیورات سے ایک معمولی انگوٹھی اٹھا کر پہن لی آپ اُسے آزردہ نہ کرنا چاہتے تھے اسلئے پیار کرکے بہلاتے رہے اور چپکے سے انگوٹھی نکال کر زیورات کے ڈھیر مین ڈالدی[3]

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے، طرفین مین خط وکتابت رہتی تھی، ایک دفعہ آپ کی اہلیہ ام کلثوم نے قیصر کی ملکہ کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیان بھیجین، اس نے جواب مین شیشیون مین جواہرات بھر کر بھیجے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپنے بیوی سے بلا کر فرمایا گو عطر تمہارا تھا لیکن جو قاصد اس کو لے کر گیا تھا وہ سرکاری تھا، اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کئے گئے تھے، یہ کہکر جواہرات بیت المال مین داخل کرا دیئے اور بیوی کو ایک دینار معاوضہ دیدیا[4]،

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو اس مین صرف ایک درہم نکلا، انھون نے اس خیال سے کہ ایک درہم کیون پڑا ہے، حضرت عمرؓ کے ایک بچہ کو دیدیا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپنے فوراً بیت المال مین داخل کر دیا، اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا تم کو مدینہ مین آل عمر کے سوا کوئی کمزور نظر نہ آیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۸ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ [3] ایضاً ص ۳۴۸ [4] ایضاً ص ۳۵۶،

دن تمام امت محمدی کا مطالبہ میری گردن پر رہے[۱]؛

ایک مرتبہ ایک فربہ اونٹ بازار مین بکتے ہوے دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپکے صاجزادے عبد اللہ کا ہے ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے انھون نے کہا مین نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ مین بھیجدیا تھا اب فربہ ہو گیا ہے اس لئے بیچتا ہون حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ مین فربہ ہوا ہے اس لئے تم اتنے ہی قیمت کے مستحق ہو جتنے مین خرید ا تھا اور زائد قیمت لے کر بیت المال مین داخل کردی[۲]؛

ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ مین کچھ روپیوں کی ضرورت پڑی، حضرت عبد الرحمن بن عوف سے قرض مانگا، انھون نے کہا آپ امیر المومنین ہین، بیت المال سے قرض لے سکتے ہین آپنے فرمایا مین بیت المال سے نہین لون گا، کیونکہ اگر مین ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو تم لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کروگے اور یہ بار میرے سر جائے گا، اس لئے ایسے شخص سے قرض لینا چاہتا ہون جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو[۳]، اس قبیل کے بکثرت واقعات ہین،

فضل وکمال حضرت عمرؓ نہایت ذہین طباع، بالغ نظر، مدبر اور صائب الرائے تھے، جاہلی اور اسلامی دونون علوم مین آپ کو یکسان کمال حاصل تھا، فصاحت و بلاغت، انشا وخطابت، شاعری و لسانی سپہگری اور بہادری وغیرہ ان تمام اوصاف وکمالات مین جو عرب مین لازمۂ شرافت سمجھے جاتے تھے، آپ کو وافر حصہ ملا تھا، آپ کی بہت سی تقریرین اور تحریرین کتابون مین محفوظ ہین، جن سے آپ کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ ہوتا ہے، شاعری کا نہایت بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، خود بھی شعر کہتے تھے، مگر بہت کم

---

[۱] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۷، [۲] ایضاً [۳] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۹

ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپکے اشعار نقل کئے ہین لیکن ناقد و سخن سنج بڑے اعلیٰ درجہ کے تھے[۱]،

ابن رشیق کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے زمانہ کے شعر کے سب سے بڑے نقاد اور ادا شناس تھے[۱]" مشہور ادیب جاحظ لکھتا ہے کہ "عمر اپنے عہد کے سب سے بڑے سخن سنج تھے[۲]" عرب کے تمام بڑے بڑے شعراء کا کلام حفظ تھا اور اس پر ناقدانہ رائے رکھتے تھے، امراؤ القیس، نابغہ اور زہیر کو زیادہ پسند کرتے تھے" ان کی سخن سنجی کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین، اس سلسلہ مین یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آپنے عرب کی شاعری کی بڑی اصلاح کی، عربی شعراء اشعار مین علانیہ عورتون کے نام لیکر اپنی عشق ومحبت کی داستانین بیان کرتے تھے، کسی شریف آدمی کی ہجو کہہ دینا معمولی بات تھی حضرت عمرؓ نے ان دونون باتون کی ممانعت کردی،

آپکے والد خطاب قریش کے بڑے مشہور نساب تھے، یہ فن آپنے انہی سے سیکھا تھا، چنانچہ نسب کے متعلق تمام معلومات اپنے والد ہی کے حوالہ سے بیان کرتے تھے[۳]،

لکھنے پڑھنے کا ذوق آپ کو ابتدا سے تھا، اور آپ اس زمانہ سے لکھنا پڑھنا جانتے تھے جب قریش مین صرف سترہ آدمی لکھے پڑھے تھے[۴]، مسند دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی، ایک مرتبہ آپ آنحضرت صلعم کے پاس توریت کا ایک نسخہ لے گئے اور پڑھنا شروع کیا، یہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت صلعم کا رنگ متغیر ہوتا جاتا تھا[۵]،

۱؎ کتاب العمدہ ص ۱۳ ۲؎ کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۹۷، ۳؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۱۷، ۴؎ بلاذری ص ۴۷۱، ۵؎ مسند دارمی ص ۶۲،

ذہانت، طباعی اور اصابت رائے کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ آپ ہی کی تجویز سے قائم ہوا، متعدد امور میں وحی الٰہی نے آپ کی رائے کی تائید کی، اسیرانِ بدر کے ساتھ طرزِ عمل، ازواج مطہرات کے پردہ، شراب کی حرمت، اور مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے میں قرآن نے آپ کی رائے کی تائید کی۔[1]

ذہانت اور طباعی نے حضرت عمرؓ کو نہایت نکتہ رس اور دقیقہ سنج بنا دیا تھا، آپ کی نگاہ احکام شریعت کے ایسے باریک نکتوں تک پہنچتی تھی، جن پر عام صحابہؓ کی نظر مشکل سے پہنچ سکتی تھی، علم اسرار دین کی بنیاد آپ ہی نے ڈالی،

قرآن پاک کے احکام و مسائل میں بڑا فکر و تدبر کرتے تھے، جو پیچیدہ مسائل حل نہ ہوتے انھیں رسول اللہ صلعم سے پوچھتے، کلالہ کی وراثت کا مسئلہ آپ نے اتنی مرتبہ پوچھا کہ آپ نے تنگ آکر فرمایا کہ اس بارہ میں سورہ نساء کی آخری آیت کافی ہے۔[2]

اس غور و فکر اور تلاش و جستجو نے آپ میں کلام اللہ کی تفسیر و تاویل اور آیات قرآنی سے استنباطِ احکام اور استدلال کا فطری ملکہ پیدا کر دیا تھا، حدیثوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جنمیں سے بعض اوپر گذر چکی ہیں،

اگرچہ آپ کا شمار کثیر الروایۃ صحابہ میں نہیں ہے، آپ کی مرفوع روایات کی تعداد کل سترہ ہے، لیکن حدیث کے علم میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، قلت روایت کا سبب آپ کی شدت احتیاط تھی، کلام رسول کو بیرونی آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے آپ کے شدت اہتمام کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، ورنہ نفس علم حدیث میں وہ کسی بڑے سے

---

[1] یہ واقعات بخاری کے مختلف ابواب میں ہیں، [2] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵

بڑے محدث صحابی سے کم نہ تھے، اپنے زمانہ مین انھون نے جتنے احکام صادر کئے وہ سب حدیث ہی کی سند پر تھے، البتہ احتیاط کی بنا پر ان کو رسول اللہ صلعم کی جانب منسوب نہین کیا، احادیث نبوی کی جو خدمت انھون نے کی اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے،

فقہ مین آپ کا مقام بہت بلند تھا، بلکہ فقہ کا فن آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود جو اساطین فقہ مین ہین یہ آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے، آپ کے زمانہ مین ہزارون نئے مسائل پیش آئے آپنے انھین اپنی قوت اجتہاد سے حل کیا، آپکے فقہی مسائل کی تعداد کئی ہزار ہے جس مین ایک ہزار مہمات مسائل ہین[1]،

اصول فقہ کا فن آپ ہی کی ایجاد ہے، آپ نے تنہا جزئیات کی تدوین نہین کی، بلکہ تفریع و استنباط مسائل کے اصول وضوابط بنا کر آیندہ آنے والون کے لئے اجتہاد فکر کی ایک وسیع شاہراہ قائم کر گئے، غرض اپنی فطری ذہانت اور دینی بصیرت سے فقہ کے تمام متعلقات کو ایک مستقل فن بنا دیا،

سیرۃ الفاروق | عمرؓ فاروق اسلامی تعلیمات کی مجسم تصویر تھے،

خشیت الٰہی | تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے، خدا کا خوف آپکے رگ وپے مین ساری تھا، اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے، فرماتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بد قسمت انسان مین ہی ہون[2]،

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا "کاش مین بھی خس وخاشاک ہوتا، کاش مین

---

[1] اعلام الموقعین، [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵،

پیدا ہی نہ کیا جاتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی[1]

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے پوچھا کیوں ابو موسیٰ اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام، ہجرت اور رسول اللہ صلعم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سرابر چھوٹ جائیں نہ عذاب ملے نہ ثواب ابو موسیٰ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں اس کے صلہ کی امید رکھتے ہیں، فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں[2]،

آیاتِ قرآنی سے تاثر | نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے، جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا، انھیں پڑھ کر زار زار روتے تھے، حدیث کی کتابوں میں ابواب الصلوٰۃ کے تحت میں اس کے بہت سے واقعات ہیں،

حبِ رسول | ذات نبوی سے والہانہ شیفتگی تھی، جان مال اولاد ہر محبوب چیز آنحضرت صلعم پر سے فدا تھی، جب آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر چند دنوں کے لئے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی، تو حضرت عمرؓ کاشانۂ نبویؐ پر حاضر ہوئے لیکن بار بار اذن طلب کرنے پر بھی جب باریابی کی اجازت نہ ملی تو پکار کر عرض کیا، خدا کی قسم میں حفصہ (ام المومنین حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں، اگر رسول اللہ حکم دیں تو اس کا سر قلم کر دوں[3]،

آنحضرت صلعم کی وفات کے وقت غلبۂ محبت میں آپ پر جو وارفتگی طاری ہو گئی تھی، اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے آپ کے وصال کے بعد جب عہد مبارک یاد آجاتا تو روتے روتے بے تاب ہو جاتے تھے، شام کے سفر میں جب حضرت بلال نے

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵، [2] بخاری باب ایام الجاہلیۃ [3] فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱،

مسجد اقصیٰ مین اذان دی تو حضرت عمرؓ کو آنحضرت صلعم کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔[1]

وصال نبوی کے بعد گو عرب کی سرزمین مین سونے چاندی کی گنگا بہنے لگی تھی، لیکن حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کی پرعسرت زندگی کی یاد مین اچھا کھانا نہ کھاتے تھے،

متعلقین رسالت کا لحاظ جناب رسالت مآب کے تمام متعلقین کا پاس و لحاظ اپنی اولاد سے زیادہ کرتے تھے، جب صحابہ کے وظائف مقرر کرنے چاہے تو اکابر صحابہ کی راے تھی کہ بحیثیت امیرالمومنین کے آپ مقدم رکھے جائین، لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور آنحضرت صلعم کے ساتھ تعلق کے قرب و بعد کے لحاظ سے وظائف مقرر کئے، چنانچہ سب سے پہلے بنی ہاشم پھر اُن مین بھی حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو مقدم رکھا، اس کے بعد بنی امیہ، بنی عبد شمس، بنی نوفل بن عبدالعزیٰ، اپنے قبیلہ بنی عدی کو پانچوین نمبر پر رکھا، تنخواہون کی تعداد مین بھی اس ترتیب کا لحاظ رکھا، سب سے زیادہ تنخواہین بدری صحابہ کی تھین، اگرچہ حضرت حسنین علیہما السلام اُس مین سے نہ تھے لیکن آنحضرت صلعم کی ذریت کے تعلق سے انکی تنخواہین بدری صحابہ کے برابر مقرر کین، رسول اللہ صلعم کی ازواج مطہرات کے وظیفے بارہ بارہ ہزار مقرر کئے، آنحضرت صلعم کے غلام حضرت زید کے صاحبزادے اسامہؓ کی تنخواہ اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے جو بدری صحابی تھے زیادہ مقرر کی، عبداللہ نے عذر کیا تو فرمایا رسول اللہ صلعم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔[2]

پابندیِ سنت آنحضرت صلعم کی ذات سے اس تعلق کا لازمی نتیجہ تھا کہ آپ کسی کام مین سنتِ نبویؐ سے تجاوز نہ کرتے تھے، عبادات و معاملات کا ذکر نہین، روزانہ کی زندگی

---

[1] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس، [2] کتاب الخراج ص ۲۴و۲۵

مین اتباع سنت کا اہتمام تھا، ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ کھانا کھایا، معمولی کھانے کے بعد جب عمدہ قسم کے کھانے لائے گئے، تو ہاتھ کھینچ لیا، اور فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ مین عمر کی جان ہے، اگر تم رسول اللہ صلعم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادہ مستقیم سے ہٹا دے گا[1]"

وسعت کے باوجود اتباع سنت کے خیال سے بڑی تنگی کی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لئے آپکو نرم کپڑون اور اچھی غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے، حضرت عمرؓ نے جواب دیا، جان پدر تم رسول اللہ صلعم کی عسرت کی زندگی بھول گئین، خدا کی قسم مین اپنے آقا کے نقش قدم پر چلونگا کہ آخرت کی فراغت اور خوشحالی نصیب ہو[2]، عمال کو پابندی سنت کے تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے

زہد وقناعت آپ کی کتاب اخلاق کا سب سے روشن باب زہد وقناعت اور سادگی و تواضع ہے، آپ کا زہد اکابر صحابہ مین مسلم تھا، حضرت طلحہؓ فرماتے تھے کہ قدامت اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگون کو عمر بن الخطاب پر فضیلت حاصل ہے، لیکن زہد وقناعت مین وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے، حکومت کے تخت جلال پر بیٹھ کر جس زہد وقناعت کا نمونہ آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، اس کی مثال دنیا کی تاریخ مین مشکل سے ملیگی،

آپ کی زندگی کا ایک رخ یہ ہے کہ ایران پر فوجین بھیج رہے ہین، قیصر وکسریٰ کے سفیرون سے معاملہ درپیش ہے، خالد اور امیر معاویہ سے بازپرس ہو رہی ہے، فاتح ایران ومصر کے نام فرامین جاری ہو رہے ہین، دوسرا رخ یہ ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتہ ہے، سر پر پھٹا ہوا عمامہ، پاؤن مین بوسیدہ چپل، اسی حالت مین بیوہ عورتون کے گھرون مین پانی بھرنے کے لئے کاندھے پر مشک ہے، یا کسی وقت مسجد کے گوشہ مین کام سے تھک کر فرش

خاک پر نیند آگئی ہے[1]

سادگی | سفر مین خیمہ و خرگاہ کا اہتمام نہین، جہان منزل ہوئی درخت کے سایہ مین پڑ رہے[2]

آپ کی سادگی کی وجہ سے ان لوگون کو جن کی نگاہین شان و شوکت ڈھونڈھتی تھین، آپ کو پہچاننے مین دقت ہوتی تھی،

شام کے سفر مین جب آپ بیت المقدس کے قریب پہنچے تو مسلمانون نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کو ایسی معمولی حالت مین دیکھکر اپنے دل مین کیا کہین گے ترکی گھوڑا اور قیمتی لباس پیش کیا، آپنے فرمایا "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور وہ ہمارے لئے کافی ہے"!!

احتساب نفس | جب کبھی دل مین عجب و غرور کا شائبہ پیدا ہوتا تھا، تو فورًا اس کا تدارک کرتے تھے، ایک دن خطبہ دیا اور صرف یہ فرمایا "صاحبو! مین ایک زمانہ مین اس قدر نادار تھا کہ لوگون کے لئے پانی بھر دیا کرتا اور وہ اس کے بدلہ مین چھوہارے دیتے تھے وہی کھا کر مین بسر کرتا تھا" یہ کہکر منبر سے اتر آئے، لوگون کو تعجب ہوا کہ یہ منبر پر کہنے کی کونسی بات تھی، آپنے خود ہی جواب دیدیا کہ میری طبیعت مین ذرا غرور آگیا تھا یہ اسکی دوا تھی،[3]

مزاج | مزاج فطرۃً تیز و تند واقع ہوا تھا، اسلام سے پہلے تو قہر مجسم تھے، اسلام کے بعد بھی سختی قائم رہی، بات بات پر تلوار بے نیام ہو جاتی تھی، لیکن خلافت کا بار پڑنے کے بعد بہت نرم ہو گئے تھے، پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ گیا تھا، درحقیقت ان کی درشتی بھی ان کی حق پرستی کا نتیجہ تھی، وہ حق کے خلاف کوئی بات برداشت نہین کر سکتے تھے، انکی تندمزاجی کے جتنے واقعات ہین وہ سب حمایت حق کے ہین، ورنہ اپنی ذات کے لئے

---

[1] بخاری باب الزہد، [2] ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۲۰۰، [3] ایضًا،

وہ نہایت متحمل اور بردبار تھے، معاملات ملکی مین لوگ اختلاف کرتے تھے معمولی معمولی باتون پر ٹوکتے تھے لیکن آپکی ابرو پر شکن تک نہ پڑتی تھی، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ "میرا دل خدا کے بارہ مین نرم ہوجاتا ہے تو جھاگ سے بھی زیادہ نرم ہوجاتا ہے، اور سخت ہوجاتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتا ہے"،

ذریعۂ معاش حضرت عمرؓ کا اصل ذریعۂ معاش تجارت تھا، اسلام کے قبل سے ان کا یہ مشغلہ تھا اور اسلام کے بعد بھی قائم رہا، خیبر کی فتح کے بعد آنحضرت صلعم نے ان کو ایک قطعہ اراضی ثمغ نامی مرحمت فرمایا تھا، اسی نام کی ایک اور زمین ایک یہودی سے لی تھی، لیکن یہ دونون زمینین انھون نے کار خیر کے لئے وقف کردی تھین،

خلافت کے بعد بقدر کفاف وظیفہ مقرر ہوا، پھر کبار صحابہ کے وظائف کے ساتھ انکا بھی پانچ ہزار مقرر ہوا،

غذا و لباس لیکن زندگی کے کسی دور مین آپ کی سادگی مین فرق نہ آیا، آپ کی سادگی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپکے گذارہ کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا گیا تھا اس کی تعداد دو درہم روزانہ تھی، اسے بھی اس شرط سے قبول کیا تھا کہ جب مالی حالت درست ہوجائیگی تو نہ لین گے، فرماتے تھے کہ مسلمانون کے مال مین میرا اتنا ہی حق ہے جتنا ایک یتیم کے مال مین متولی کا ہوتا ہے[1]،

آپ کے لباس مین صرف چند جوڑے موٹے کپڑے ہوتے تھے، ان مین بھی پیوند پر پیوند لگے ہوتے[2]، ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ مین گفتگو کی تو فرمایا کہ مسلمانون کے مال مین سے اس سے زیادہ تصرف نہین کرسکتا،

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۹۸ [2] ایضاً ص ۲۳۷،

ان ہی کپڑوں میں بر سر عام نکلتے تھے، حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے، میں نے شمار کیا تو ان کے تہ بند میں بارہ پیوند تھے[1] کبھی کبھی صرف ایک ہی جوڑا رہ جاتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے[2]

غذا میں عموماً موٹے بے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا، کبھی کبھی گوشت اور اچھی چیز بھی کھا لیتے تھے، کھانے کی سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ کا کھانا دوسرے لوگ بمشکل کھا سکتے تھے، ایک مرتبہ عتبہ بن فرقد آپ کے ساتھ کھانے میں شریک ہوئے، ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے ان کے حلق سے نہ اترتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ، عتبہ نے عرض کیا امیر المومنین اگر آپ اپنے کھانے پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کے مال میں کچھ کمی نہ ہو جائے گی، فرمایا افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و عشرت کی ترغیب دیتے ہو[3]

اولیات | حضرت عمرؓ نے ہر صیغہ میں جو نئی باتیں ایجاد کیں، مورخین انھیں اولیات سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی فہرست یہ ہے (۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آجتک جاری ہے (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا (۶) والنٹیروں کی تنخواہیں مقرر کیں (۷) دفتر مال قائم کیا (۸) پیمایش کا طریقہ جاری کیا (۹) مردم شماری کرائی (۱۰) نہریں کھدوائیں (۱۱) شہر آباد کرائے (۱۲) ممالک محروسہ کو صوبوں میں تقسیم کیا (۱۳) عشور یعنی دہ یکی مقرر کی (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا (۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی (۱۶) جیلخانہ قائم کیا (۱۷) درہ کا استعمال کیا (۱۸) راتوں کو گشت کر کے

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۴۴۳، [2] ایضاً، [3] ایضاً ۴۴۳،

رعایا کا حال دریافت کرنے کا طریقہ نکالا، (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا، (۲۰) فوجی چھاؤنیاں قائم کین، (۲۱) گھوڑون کی نسل مین اصیل اور مجنس کی تمیز قائم کی جو عرب مین نہ تھی، (۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے، (۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافرون کے آرام کے لئے چوکیان اور سرائین بنوائین، (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچون کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے، (۲۵) قاعدہ بنایا کہ اہل عرب غلام نہین بنائے جا سکتے، (۲۶) مفلوک الحال عیسائیون اور یہودیون کے روزینے مقرر کئے (۲۷) مکاتیب قائم کیے (۲۸) معلمون اور مدرسون کے مشاہرے مقرر کئے، (۲۹) حضرت ابوبکرؓ سے باصرار کلام اللہ کی تدوین کرائی، (۳۰) قیاس کا اصول قائم کیا، (۳۲) فرائض مین عول کا مسئلہ ایجاد کیا، (۳۳) فجر کی اذان مین الصّلوٰۃ خیر من النوم کا اضافہ کیا، (۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی، (۳۵) تین طلاق کو جو ایک ساتھ دیجائین بائن قرار دیا، (۳۶) شراب کی حد اسی کوڑے مقرر کی (۳۷) تجارت کے گھوڑون پر زکوٰۃ مقرر کی، (۳۸) بنی تغلب کے عیسائیون پر جزیہ کے بجاے زکوٰۃ مقرر کی (۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا، (۴۰) نماز جنازہ مین چار تکبیرون پر اجماع کرایا (۴۱) مساجد مین وعظ کا طریقہ جاری کیا، (۴۲) امامون اور موذنون کی تنخواہین مقرر کین (۴۳) مسجدون مین روشنی کا انتظام کیا، (۴۴) ہجو کہنے والے کے لئے تعزیر کی سزا مقرر کی، (۴۵) غزلیہ اشعار مین عورتون کے نام لینے سے منع کیا۔[1]

---

[1] یہ اولیات طبری اور تاریخ الخلفاء وغیرہ مین مذکور ہین،

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

سنہ ۲۴ھ مطابق سنہ ۶۴۵ء

تا سنہ ۳۵ھ مطابق سنہ ۶۵۵ء

ترجمہ عثمان

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ غنی خلیفہ ہوئے، آپ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی دو صاحبزادیون کی شادی ہوئی تھی اس لئے آپ "ذوالنورین" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، حضرت عثمانؓ قریش کی مشہور شاخ بنی امیہ سے تھے، پانچوین پشت پر آپ کا نسب رسول اللہ صلعم سے مل جاتا ہے، بنی امیہ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے نہایت معزز و مقتدر چلا آتا تھا، قریش کے خانوادون مین بنی ہاشم کے سوا کوئی ان کا مقابل نہ تھا، قریش کا مشہور عہدہ "عقاب" یعنی فوجی نشان کی علمداری اسی خاندان مین تھی، حضرت عثمانؓ کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے بڑے دبدبہ و شکوہ کے رئیس تھے،

حضرت عثمانؓ ہجرت نبویؐ کے سینتالیس (۴۷) سال قبل پیدا ہوئے، بچپن کے حالات پردۂ خفا مین ہین، معاش کا ذریعہ تجارت تھا اور اس مین اپنی دیانت اور راستبازی سے اتنی ترقی حاصل کر لی تھی کہ قریش کے دولتمند ترین لوگون مین شمار تھا، اپنی ثروت کی وجہ سے "غنی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے،

آپ کا چونتیسواں سال تھا کہ اسلام کا ظہور ہوا، حضرت ابوبکر رضؓ سے حضرت عثمانؓ کے نہایت گہرے تعلقات و روابط تھے، صدیق اکبر کی تبلیغ نے انھیں اسلام کی طرف مائل کر لیا اور وہ آنحضرت صلعم کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہوگئے،[1] آنحضرت صلعم نے اپنی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا،

حضرت عثمانؓ کا خاندان یعنی بنی امیہ اسلام اور مسلمانوں کے نہایت سخت دشمن تھے ان کا غصہ غریب مسلمانوں پر بہت ٹوٹا کرتا تھا، خود حضرت عثمانؓ کے چچا حکم اسلام کے بڑے دشمنوں میں تھے، انھوں نے اسلام کے جرم میں بھتیجے کو باندھ کر مارا، تمام اعزہ نے منھ موڑ لیا، کچھ دن تک حضرت عثمانؓ ان کی زیادتیاں برداشت کرتے رہے، پھر اذنِ ہجرت کے بعد اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کو لیکر حبشہ چلے گئے، اور ہجرتِ اولیٰ میں اولیت کا شرف حاصل کیا، چند سال کے بعد قریش کے اسلام کی غلط خبر پاکر مکہ واپس آئے، ان کے اور ساتھی تو پھر حبشہ لوٹ گئے، مگر یہ مکہ میں مقیم ہوگئے، پھر چند دنوں کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے،[2]

رومہ کی خریداری

حضرت عثمانؓ نہایت دولتمند تھے ان کی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑا فائدہ پہنچا، مدینہ میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں رومہ تھا جو ایک یہودی کی ملک میں تھا، اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، غریب مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا،[3]

مدینہ آنے کے بعد حضرت عثمانؓ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے، بدر میں حضرت رقیہؓ کی علالت کی وجہ سے آنحضرت صلعم نے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر اور غنیمت دونوں کا حصہ ملیگا،[4] احد میں بھی شریک تھے، رسول اللہ

[1] اصابہ ج ۴ تذکرہ سعدی بنت کریز، [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۳۸، [3] استیعاب ج ۲ ص ۴۸۸، [4] بخاری مناقب عثمانؓ،

صلعم کی خبر شہادت سنے ایسا ازخودرفتہ کر دیا کہ قدم نہ جم سکے حضرت عثمانؓ کو اس کا سخت قلق تھا جب وحی الٰہی نے ان صحابہ کو جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے بری قرار دیا، اس وقت آپ کو اطمینان ہوا، غزوۂ ذات الرقاع میں مدینہ پر آنحضرت صلعم کی نیابت کا شرف حاصل ہوا، غزوۂ حدیبیہ میں بھی ہمرکاب تھے، چنانچہ سفارت کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی تھی، اور آپ ہی کی خبر شہادت پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی جسکے حالات عہد رسالت میں گذر چکے ہیں، یہ حضرت عثمانؓ کا سب سے بڑا اعزاز ہے جو کسی صحابی کو حاصل نہ ہوا، غزوۂ تبوک کے زمانہ میں عرب میں سخت قحط سالی تھی، عین ان حالات میں غزوۂ تبوک پیش آیا، تمام صاحب مقدرت صحابہ نے جنگی اخراجات کیلئے روپیہ دیا، حضرت عثمانؓ نے آدھی یا تہائی فوج کے اخراجات اپنے ذمہ لے لئے، اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور ایک ہزار دینار نقد بطور سامانِ رسد کے پیش کئے حضرت عثمانؓ کی اس خدمت کا آنحضرت صلعم پر اتنا اثر ہوا کہ آپ ان کی دی ہوئی اشرفیوں کو اچھالتے تھے اور فرماتے تھے کہ آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا[1]، غرض عثمانؓ غنی کی جان اور ان کی ساری دولت اسلام کے لئے وقف تھی،

خلافت اور فتوحات،

عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں مجلس شوریٰ کے رکن تھے اور اپنے مفید مشوروں سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچاتے تھے، ان کے خدماتِ اسلامی اور سبقت فی الاسلام کی بنا پر حضرت عمرؓ نے وفات کے وقت ان چھ آدمیوں میں جنھیں آپ نے اپنے بعد خلافت

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی مناقب عثمان،

کے لئے نامزد کیا تھا، ایک نام آپ کا بھی تھا، حضرت عمرؓ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مقدادؓ نے چھوون آدمیون کو مسور بن مخرمہ کے گھر مین یکجا کیا، مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ انتخاب کی صورت یہ ہے کہ چھ کی تعداد کو اور کم کر دیا جائے، اور جو شخص جسے زیادہ اہل سمجھتا ہو اس کا نام پیش کر دے، اس تجویز پر حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا نام پیش کیا، لیکن آپ نے اپنا نام واپس لے لیا، اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کا اور حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کا نام پیش کیا، اس تحریک پر حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ صرف دو نام رہ گئے ہین، ان دونون مین سے جو شخص کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور سنت شیخین پر عمل کرنے کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کیجائے گی، اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اگر آپ دونون حضرات اس کا فیصلہ میرے اوپر چھوڑ دین تو زیادہ مناسب ہے، دونون راضی ہو گئے، ان سے اجازت لینے کے بعد انھون نے مسجد نبویؐ مین مسلمانون کو جمع کرکے ایک مؤثر تقریر کی اور حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، آپ کی بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے ہاتھ بڑھایا، آپ کے بیعت کرتے ہی ساری خلقت ٹوٹ پڑی، بیعت عام کے بعد محرم ۲۴ھ مین حضرت عثمانؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، (ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۴۲ و ۴۳)

ابتدا مین کچھ دنون تک حضرت عثمانؓ نے فاروقی نظام مین کوئی تغیر و تبدل نہین کیا، صرف مغیرہ بن شعبہ کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق کوفہ کی ولایت سے معزول کرکے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاص کو مقرر کیا، اور تمام عہدہ داران حکومت اور افسران فوج کے نام فرامین جاری کئے، جنمین عمال کو رعایا پروری کی ہدایت، جلب زر کی ممانعت، مسلمانون اور ذمیون کے حقوق کی حفاظت، افسران فوج کو فوجی نظام کی پابندی، تحصیلدارون کو

واجبی محاصل سے زیادہ وصول کرنے کی ممانعت، امانتداری، یتیمون اور ذمیون کے مال مین انصاف و دیانت کی تاکید تھی، ان ہدایتون کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس فرمان مین مفید ہدایات تھین،[1]

پہلا مقدمہ حضرت عثمانؓ کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد آپ کے سامنے سب سے پہلا مقدمہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبیداللہؓ کے قصاص کا پیش ہوا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے قاتل ابولولوء نے تو آپ کو شہید کرنے کے بعد فوراً خودکشی کر لی تھی، بعض واقعات کی بنا پر عبیداللہ بن عمرؓ کو شک تھا کہ ابولولوء کے ساتھ دو آدمی اور جفینہ اور ہرمزان قتل کی سازش مین شریک تھے، انھون نے جوش غضب مین ان کو قتل کر دیا، بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا، آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے راے دی کہ قصاص مین قتل کرنا چاہئے، لیکن دوسرے صحابہ نے مخالفت کی کہ یہ کسی طرح مناسب نہین ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہین اور آج ان کے لڑکے کو تلوار کے حوالہ کیا جائے، اس اختلاف راے پر آپ نے قصاص کی سزا کو دیت سے بدل دیا، اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا کی[2]

اسکندریہ کی بغاوت مصر کا علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے رومی حکومت کا نہایت اہم حصہ تھا، اس لئے قیصر کو برابر اسکی واپسی کی فکر لگی ہوئی تھی، اسکندریہ مین رومیون کی بڑی تعداد آباد تھی، حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ۲۵ھ مین قیصر نے انھین خفیہ ابھار کر بغاوت کرا دی اور قسطنطنیہ سے جنگی بیڑہ مدد کے لئے بھیجا، لیکن عمرو بن العاصؓ نے فوراً پہنچکر رومیون کو نہایت فاش شکست دی قبطی سابق مصالحت پر قائم تھے، انھون نے اس بغاوت مین حصہ

---

[1] ابن سعد میں یہ پورا فرمان منقول ہی، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹ و ابن سعد ص ۲۵۹

نہ دیا تھا، اس لئے رومیوں نے بھاگتے ہوئے انھیں خوب لوٹا، بغاوت فرو ہونے کے بعد یہ لوگ عمرو بن العاص کے پاس فریاد لے کر گئے، جہاں تک مل سکا عمرو بن العاص نے ان کا مال واپس کر دیا، اس کے بعد آیندہ بغاوت کے خطرہ سے حفاظت کے لئے شہر پناہ مسمار کرا دی،

آرمینیہ اور آذربیجان کی بغاوت اور بعض فتوحات، اسی سنہ میں آذربیجان اور آرمینیہ کے علاقے صلح توڑ کر باغی ہو گئے، حضرت عثمانؓ نے ولید بن عقبہ کو بغاوت فرو کرنے پر مامور کیا، انھوں نے فوجکشی کر کے آذربیجان کو مطیع بنایا اور سلمان بن ربیعہ باہلی کو آرمینیہ بھیجا، ابھی یہ برسر پیکار تھے کہ معلوم ہوا کہ ایشیائے کوچک میں رومیوں نے بہت بڑا لشکر جمع کیا ہے، یہ اطلاع پا کر یہ ادھر بڑھے اور راستہ میں کئی قلعے فتح کئے دوسری طرف حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کیا، یہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی، کچھ تو جزیہ دے کر یہیں رہ گئے، اور کچھ جلا وطن ہو گئے، اسی دوران میں ایشیائے کوچک کے بطریق اعظم نے اسی ہزار فوجیں حبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجیں، حبیب نے انھیں شکست دے کر ہر طرف فوجیں پھیلا دیں، اور بہت سے علاقوں کو مطیع اور اران اور گرجستان کے بعض علاقوں کو فتح کیا،[1]

اسی سنہ میں امیر معاویہ نے ایشیائے کوچک پر فوجکشی کی اور بروسہ تک بڑھتے چلے گئے اور انطاکیہ اور سرطوس کے درمیان جس قدر قلعے تھے سب میں اسلامی نوآبادیاں قائم کر دیں،[2]

اسی سنہ میں عبد اللہ بن ابی سرح والی مصر نے افریقہ پر حملہ کے انتظامات کئے

عمرو بن العاص کی معزولی عمرو بن العاص حضرت عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے والی تھے، اسکا

---

[1] ابن اثیر، ج ۳ ص ۱۴۱، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲ و ۳۳، و فتوح البلدان بلاذری،

ایک حصہ جو سعید مصر کہلاتا ہے، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق تھا، شعبہ خراج مین بھی ابن ابی سرح کے کچھ اختیارات تھے، اس دوعملی کی وجہ سے دونون مین بنتی نہ تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ایک دوسرے کی شکایت کرتے تھے، ابن ابی سرح کو شکایت تھی کہ عمرو بن العاص نے خراج کی رقم گھٹادی، اور عمرو بن العاص کہتے تھے کہ ابن ابی سرح نے فوجی قوت کمزور کردی، مصر کے خراج کی کمی کی شکایت حضرت عمرؓ کے زمانہ سے چلی آرہی تھی، حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے اس مین اضافہ کا مطالبہ کیا، انھون نے صاف جواب دیدیا کہ "اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہین دے سکتی" اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے ابن ابی سرح کو پورے صوبہ کا والی بنادیا، انھون نے خراج کی آمدنی مین کافی اضافہ کیا، حضرت عثمانؓ نے عمرو بن العاصؓ سے کہا، دیکھو اونٹنی نے دودھ دیا، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا ہان لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔[۱]

طرابلس کی فتح عبداللہ بن ابی سرح نہایت حوصلہ مند نوجوان تھا، شمالی افریقہ کے خوش سواد علاقے طرابلس الغرب، تونس، مراکش اور الجزائر مصر کے ہم سرحد اور بالکل سامنے تھے، ۲۵ھ ہی سے اس پر عبداللہ کی نگاہین پڑرہی تھین، اور وہ اسی زمانہ مین اسکا جائزہ لینے کے لئے ایک سرسری چکر لگا آیا تھا، ۲۷ھ مین اس نے باقاعدہ شمالی افریقہ پر فوجکشی کی، اس کے طرابلس الغرب کے حدود مین داخل ہونے کے بعد یہان کا حاکم جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ مین آیا، دونون مین عرصہ تک جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوسکا جب زیادہ عرصہ لگ گیا، تو حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک تازہ دم فوج کے ساتھ مدد کے لئے بھیجا، ان کے آنے کے بعد بھی کچھ فیصلہ نہ ہوسکا، آخر مین عبداللہ بن زبیرؓ نے

---

[۱] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۳ و یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹،

ایک دن فوج کا ایک حصہ ایک مقام پر چھوڑ دیا اور ایک حصہ لیکر مقابلہ مین آئے، دن بھر نہایت شدت کی جنگ ہوتی رہی، آخر مین جب دونوں تھک کر الگ ہو گئے اس وقت وہ فوج جو آرام کر رہی تھی، دفعۃً پہنچکر حملہ آور ہو گئی، طرابلسی بالکل چور ہو چکے تھے اس لئے مزید مقابلہ نہ کر سکے، اور جرجیر نے پچیس ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی۔[1] طرابلس کی فتح کے بعد تونس، مراکش اور الجزائر وغیرہ تمام علاقے آسانی کے ساتھ زیر نگین ہو گئے،

اسپین پر حملہ — شمالی افریقیہ کی تسخیر کے بعد بحر روم کا دروازہ کھل گیا چنانچہ ۲۷ھ مین عبد اللہ بن نافع نے اسپین پر حملہ کیا، لیکن اسوقت مستقل فوجکشی کا خیال نہ تھا، اس لئے صرف یورپ کا دروازہ کھٹکھٹا کر لوٹ آیا،

قبرص کی فتح — امیر معاویہ عہد فاروقی سے صوبہ دمشق کے والی تھے، حضرت عثمانؓ نے انھین پورے شام کا والی بنا دیا تھا، انھون نے طرابلس الشام، عموریہ اور ملطیہ وغیرہ فتح کئے، قبرص پر جو ساحل شام کے قریب ہی نہایت زرخیز اور شاداب جزیرہ ہے، فاروقی عہد سے امیر معاویہ کی نظر تھی، چنانچہ انھون نے آپ سے اس پر فوجکشی کی اجازت بھی مانگی تھی لیکن حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے، اس لئے اجازت نہ دی، حضرت عثمانؓ نے بھی شروع مین احتیاط برتی لیکن جب اسکا یقین ہو گیا کہ بحری جنگ مین کوئی خطرہ نہین ہے تو اجازت دے دی، مگر یہ شرط کر دی کہ جو شخص بخوشی شرکت کرنا چاہے اسے شریک کیا جائے کسی پر جبر نہ کیا جائے، اجازت ملنے کے بعد امیر معاویہؓ نے قبرص پر حملہ کیا، یہان کے باشندے نہایت نرم خو تھے، جنگ وجدال سے گھبراتے تھے، اس لئے انھون نے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح کر لی، اس صلح مین یہ شرط تھی کہ "مسلمان ان کی پوری حفاظت کرینگے، اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۲۳۵،

رومیون کے مقابلہ کے لئے اہل قبرص مسلمانون کو اپنے جزیرہ سے گذرنے دینگے اور رومیون کے حالات کی مسلمانون کو خبر کرتے رہا کرینگے، کئی سال تک یہ صلح قائم رہی، لیکن ۳۲ھ مین اہل قبرص نے مسلمانون کے خلاف رومیون کو مدد دی، اس لئے امیر معاویہ نے دوبارہ فوجکشی کرکے قبرص کو اسلامی مقبوضات مین شامل کرلیا اور یہان مسلمانون کی نوآبادی قائم کردی[1]،

حضرت ابوموسیٰ اشعری کی معزولی

۲۹ھ میں حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کی حکومت سے معزول کردیا، اسکی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ میں ایک جماعت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے خلاف چلی آرہی تھی، لیکن صولت فاروقی کیوجہ سے علانیہ مخالفت کی ہمت نہ پڑتی تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس جماعت نے قوت حاصل کرلی، سوئے اتفاق سے اسی زمانہ میں کردون نے بغاوت کی، ابوموسیٰؓ نے جہاد پر وعظ کہا اور راہِ خدامین پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کئے، بہت سے لوگ آمادہ ہوگئے، لیکن ابوموسیٰ کی مخالف جماعت نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہئے، دیکھیں ہمارا امیر کس شان سے چلتا ہے، اگر اس کا قول وفعل مطابق ہے تو ہم بھی پیادہ چلینگے اتفاق سے حضرت ابوموسیٰؓ جس وقت روانہ ہوئے، ان کی سواری میں ایک عمدہ ترکی گھوڑا تھا، اور چالیس خچرون پر ان کا سامان بار تھا، ایک شخص نے بڑھ کر باگ روک لی، اور کہا قول وفعل مین یہ اختلاف، اب ہم کو سواری دو اور خود پیدل چلنے کا ثواب حاصل کرو، حضرت ابوموسیٰؓ نے ان کی یورش دیکھکر کوڑا مارا، یہ لوگ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اوران سے ابوموسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا، ان کے مطالبہ پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰ کو معزول کرکے عبداللہ بن عامر کو والی مقرر کیا[2]،

---

[1] فتوح البلدان فتح قبرص، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۷،

ایران کی بغاوت اور فارس پر قبضہ

عہد فاروقی کی فتوحات میں گذر چکا ہے کہ ایران کی فتح کے بعد یزدگرد ترکستان بھاگ گیا تھا، اس وقت سے وہ برابر ایران میں بغاوت کرانے کی سازشیں کرتا رہا لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور ۲۹ھ میں فارس اور کرمان سے لیکر خراسان تک سارے عجم میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے حضرت عثمانؓ نے فوراً اس کی طرف توجہ کی اور عبید اللہ بن معمر کو فارس کی مہم پر مامور کیا لیکن وہ ناکام ہوکر مارے گئے، ان کے قتل ہونے کے بعد عبد اللہ بن عامر والی بصرہ نے اس مہم کو سر کرنے کا بیڑا اٹھایا اور بصرہ سے فارس پہنچا، اہل فارس نے پوری قوت اور جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا، لیکن ابنؓ عامر نے انھیں شکست دے کر فارس پر دوبارہ قبضہ کرلیا،

ولید بن عقبہ کی معزولی

۳۰ھ میں ایک سازش کے ماتحت جس کی تفصیل آیندہ کسی موقع پر آئے گی، ولید بن عقبہ والی کوفہ معزول کردیئے گئے، اور ان کی جگہ سعید بن العاص کا تقرر ہوا،

طبرستان کی فتح

اہل طبرستان نے عہد فاروقی میں صلح کرلی تھی، عجم کی بغاوت کے سلسلہ میں انھوں نے بھی صلح توڑدی، اس لئے ۳۰ھ میں سعید بن العاص نے طبرستان پر فوج کشی کی، حضرت امام حسنؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ متعدد صحابہ اس مہم میں شریک تھے، سعید بن عامر سیدھے جرجان پہنچے یہاں کے باشندوں نے دولاکھ درہم سالانہ پر صلح کرلی، جرجان کے بعد پورے طبرستان کو فتح کیا،

خراسان

سعید کے ساتھ ہی عبد اللہ بنؓ عامر خراسان روانہ ہوئے تھے، راستہ سے انھوں نے مجاشع بن مسعود سلمی کو کرمان اور ربیع بن زیاد کو سجستان کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا، اور خود خراسان پہنچے حدود خراسان میں داخل ہوکر سارے علاقہ میں فوجیں پھیلادیں انھوں نے باخرز، جوین، بیہق وغیرہ فتح کئے اور ابن عامر خواف، اسفرائن اور ارغیان

پر قبضہ کرکے نیشاپور کا محاصرہ کرلیا، ایک مہینہ کے بعد نیشاپور کے مرزبان نے صلح کرلی نیشاپور پر قبضہ کے بعد خراسان کے اور بڑے بڑے مقامات نسا، سرخس، اور ابیورد وغیرہ آسانی کے ساتھ قبضہ میں آگئے،

یزدگرد اس زمانہ میں بہین تھا، بغاوت فرو ہونے کے بعد مایوس ہوکر بھاگا، مسلمان عرصہ تک اس کا تعاقب کرتے رہے، مہینوں وہ ادھر اودھر مارا مارا پھرتا رہا، آخر میں ایک ہمدانی کے ہاتھ سے مارا گیا، اس کی موت کے بعد ساسانی خاندان اور اسی کے ساتھ ان کی ریشہ دوانیوں کا خاتمہ ہوگیا،

طخارستان کی فتح خراسان پر تسلط قائم ہوجانے کے بعد ابن عامر نے احنف بن قیس کو طخارستان بھیجا، انھیں دیکھ کر طالقان جوزجان اور فاریاب وغیرہ قرب وجوار کے سارے علاقوں کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے امنڈ آئے، لیکن احنف نے بڑی خونریز جنگ کے بعد ان سب کو شکست دی، کچھ شکست خوردہ فوجوں نے طالقان اور جوزجان میں اجتماع کیا، اس لئے احنف خود طالقان اور فاریاب کی طرف بڑھے، اور اقرع بن حابس کو دوسری سمت جوزجان بھیجا، انھوں نے جوزجان پہنچکر انھیں شکست دے کر جوزجان پر قبضہ کرلیا، اسی دوران میں احنف، طالقان اور فاریاب کو صلحاً مطیع کرکے بلخ کی طرف بڑھے، لیکن جیحون نہ پار کرسکے، ماوراء النہر کے بعض امراء نے ان کے پاس آکر اظہار اطاعت کیا اور قیمتی ہدایا پیش کئے،

کرمان اور سجستان پر قبضہ اوپر گذر چکا ہے کہ ابن عامر نے کرمان اور سجستان کی مہین علی الترتیب مجاشع ابن مسعود اور ربیع بن زیاد کے متعلق کی تھین چنانچہ مجاشع نے اسی سنہ میں کرمان کے شہر سیرجان پر قبضہ کرکے یہان کی شورش پسند آبادی کو نکالدیا، یہان سے نکلکر یہ لوگ قفص مین جمع ہوئے، مجاشع نے قفص جاکر بھی انھین شکست دی، اور کرمان کے علاقہ پر

قبضہ ہو گیا،

دوسری طرف ربیع بن زیاد سجستان کی طرف بڑھے اور چھوٹی چھوٹی آبادیوں کو مطیع کرتے ہوئے سجستان کے صدر مقام زرنج پہنچے، یہان کے باشندون نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر قلعہ بند ہو گئے، ربیع نے محاصرہ کر لیا، آخر مین یہان کے مرزبان نے محاصرہ سے گھبرا کر صلح کر لی، اور مسلمان شہر مین داخل ہو گئے، زرنج پر قبضہ کے بعد ربیع ایک سال تک یہان مقیم رہے، پھر اپنا ایک نائب چھوڑ کر ابن عامر کے پاس لوٹ گئے، ان کی واپسی کے بعد زرنج کے باشندے ان کے نائب کو نکال کر پھر باغی ہو گئے، اس مرتبہ ابن عامر نے عبد الرحمن بن سمرہ کو بھیجا، انھون نے پہنچتے ہی زرنج کا محاصرہ کر لیا، مرزبان نے پھر سپر ڈال کر صلح کر لی،

کش اور دوار کی فتوحات عبد الرحمن بڑے حوصلہ مند تھے سجستان کو قابو مین لانے کے بعد ہندوستان کی سمت فوجیں بڑھا دین اور رخج سے لے کر دوار کے علاقہ تک قبضہ کر لیا دوار کے باشندے کوہ روز مین جمع ہوئے، عبد الرحمن نے انھین گھیر لیا، ان لوگون مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی، اس لئے صلح کر لی، اس پہاڑ پر ٹھوس سونے کا ایک بت نصب تھا، اس کی آنکھین یاقوت کی تھین، عبد الرحمن نے اس کے ہاتھ کاٹ کر آنکھین نکال لین، پھر مرزبان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہ تھی، صرف یہ دکھانا تھا کہ بت کچھ نفع و نقصان نہین پہنچا سکتے"،

غزنہ کی فتح اب زابلستان یعنی غزنہ کا علاقہ سامنے تھا، کوہ روز کے بعد عبد الرحمن نے ادھر کا رخ کیا، اور غزنہ سے لیکر کابل تک کا علاقہ فتح کر لیا،

یہ تمام فتوحات ابن عامر کی امارت کے زمانہ مین ہوئی تھین، ان کی تکمیل کے بعد وہ ان کے شکرانہ مین حج کو روانہ ہو گئے[1]

[1] یہ تمام حالات طبری اور ابن اثیر سے ملخصاً ماخوذ ہین،

سواحل شام پر رومیون کا حملہ اگرچہ مسلمانون نے رومیون کو پیہم شکستین دے کر ان کی قوت بہت کمزور کر دی تھی، لیکن ہاتھون سے نکلے ہوے ملک کا غم ان کے دل سے نہ بھولتا تھا، چنانچہ آخری آزمایش کے لئے ۳۱ھ مین قیصر روم نے پانچسو جہازون کے بیڑے کے ساتھ سواحل شام پر ہجوم کیا، امیر معاویہ اور عبید اللہ بن ابی سرح نے نہایت کامیاب مدافعت کی اور رومیون کو نہایت فاش شکست دی اور وہ باحال تباہ قسطنطنیہ لوٹ گئے،

متفرق فتوحات ان اہم معرکون اور فتوحات کے علاوہ عہد عثمانی مین اور چھوٹی چھوٹی لڑائیان اور فتحین بھی حاصل ہوئین، ۳۲ھ مین امیر معاویہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اور ۳۳ھ مین اناطولیہ کے قلعہ حصن المراۃ پر قبضہ کیا، ۳۴ھ مین افریقہ مین بڑی زبردست بغاوت ہوئی، لیکن عبد اللہ نے پوری مستعدی سے فرو کر دی، غرض دس سال کے عرصہ مین اسلامی حکومت کے حدود ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کے صدر پھاٹک تک وسیع ہو گئے،

انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت

اس دور کے ابتدائی پانچ چھ سال نہایت امن و سکون سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، محاصل و خراج کی زیادتی، وظائف کی کثرت، اور زراعت و تجارت کی ترقی نے ملک کو فارغ البالی اور عیش و تنعم کے سامانون سے معمور کر دیا، اس کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم و نتائج بغض و حسد اور رشک و رقابت کا قدم بھی آیا، ان اندرونی تغیرات اور بیرونی اسباب نے مل کر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایسا انقلاب بپا کیا جس نے نظام خلافت کو درہم برہم کر دیا، اس انقلاب کے خارجی اسباب حسب ذیل تھے

(۱) کبار صحابہ جو اسلام کے سچے خدمتگذار اور شیدائی تھے، اٹھتے جاتے تھے، اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی تھی، بہت سے بزرگ ضعف پیری کی وجہ سے عملی کامون مین حصہ لینے کے قابل نہ رہ گئے تھے، ان کی جگہ نئی نسل لے رہی تھی، جن مین اپنے اسلاف کے جیسا سچا خلوص و ولولہ تو کجا مال و دولت کی فراوانی نے ان مین رشک وحسد کا مادہ پیدا کر دیا تھا (۲) حضرت عمرؓ بڑے عاقبت اندیش تھے، انھون نے اپنے زمانہ مین اکابر قریش کو جنکے دلون مین خلافت کا خیال پیدا ہو سکتا تھا، مدینہ کے باہر نہین نکلنے دیا، حضرت عثمانؓ نے یہ قید اٹھا دی، یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے تو خاندانِ رسالت کے تعلق سے لوگون نے انہین ہاتھون ہاتھ لیا، بڑی بڑی جاگیرون کے مالک بن گئے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انھین بھی اپنی جلالتِ شان کا احساس پیدا ہوگیا اور مفتوحہ اقوام نے ان مین خلافت کے جذبات پیدا کر دیئے، (۳) اسلام نے جن اقوام و مذاہب کو مغلوب کیا تھا، ان مین نہایت سخت مخفی منتقمانہ جذبات موجود تھے، انھون نے خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے سازش کا نہایت وسیع جال بچھا دیا (۴) قریش اپنے خاندانی اعزاز کی وجہ سے اپنے کو عام عربون سے بلند سمجھتے تھے اور انھین بڑی بڑی جاگیرین ملی تھین، ان کے اس غرور و امتیاز کو وہ قومین جن کی تلوارین ملکون کے فتح کرنے مین برابر کی شریک تھین ناپسند کرتی تھین، (۵) بنی ہاشم خلافت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے، ان مین اور بنی امیہ مین قدیم چشمک تھی جو عہد نبوی مین دب گئی تھی اسکے بعد پھر ابھر آئی (۶) حضرت عثمانؓ بڑے نرم خو اور کنبہ پرور تھے، اپنی جیب خاص سے بنی امیہ کی بڑی مدد کرتے تھے، اسی کنبہ پروری مین اپنے بہت سے امویون کو جن مین حکومت کی اہلیت نہ تھی، یا آپ کو ان کا تجربہ نہ تھا، حکومت کے ذمہ دار عہدون پر ممتاز کر دیا تھا، ان کی بے عنوانیون پر لوگون کو نکتہ چینی کا موقع مل گیا، (۷) اپنی فطری نرمی کی وجہ سے

حضرت عثمانؓ معمولی بے عنوانیوں سے چشم پوشی کر جاتے تھے، اس لئے ناتجربہ کار اموی عمال کی بے عنوانیاں بڑھتی گئیں، اور حضرت عثمانؓ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا، اور قریش کے ان نوجوانوں نے جنھیں آپ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا، برملا نکتہ چینی شروع کردی اور آپ کی کنبہ پروری کو نہایت بدنما شکل میں مشہور کرنا شروع کر دیا، جس کا دوسروں پر نہایت ناگوار اثر پڑا،

ان حالات کی وجہ سے یہودیوں اور مجوسیوں کو جن کی حکومت اور جن کے مذاہب کو اسلام نے مٹایا تھا، بدلہ لینے کا موقع مل گیا، چنانچہ اس انقلاب کی اصل بانی یہی دونوں قومیں تھیں،

عبداللہ بن سبا کی فتنہ انگیزی

ان مخالفین میں سب سے بڑا فتنہ انگیز بلکہ دشمنِ اسلام ایک نومسلم یہودی عبداللہ بن سبا تھا، اسلام نے سب سے زیادہ صدمہ یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچایا تھا، اس لئے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے، اور عہد نبوی ہی سے اس کی بیخکنی کے درپے تھے، لیکن عہد فاروقی تک ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب نظامِ خلافت میں وہ استواری باقی نہ رہ گئی اور اموی عمال کی بعض بے عنوانیوں اور دوسرے مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حضرت عثمانؓ کے خلاف نکتہ چینی شروع ہوئی اس وقت عبداللہ بن سبا کو یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع مل گیا، یہ بڑا ذہین طباع اور سازشی دماغ رکھتا تھا، چونکہ یہودی مذہب پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا اس لئے اس نے اسلام کا لباس پہنکر، حضرت عثمانؓ بلکہ درحقیقت اسلام کے خلاف ایک وسیع سازش شروع کردی،

بنی امیہ اور بنی ہاشم میں پرانی چشمک چلی آ رہی تھی، گو اسلام نے اس کو دبا دیا تھا لیکن وہ دلوں سے مٹی نہ تھی، ابن سبا نے سب سے پہلے اسے ابھارا اور محبت اہل بیت کے لباس میں اہل بیت کی حمایت کیساتھ خلفا، خصوصاً بنی امیہ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا، اور سادہ لوح مسلمانوں کو پھنسانے اور ان میں تفریق پیدا کرنے کے لئے ان کے صاف وسادہ عقائد میں خرافات شامل کر دیئے کہ رسول اللہ صلعم حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح ایک دن اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، اور ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے، رسول اللہ صلعم کے وصی حضرت علیؓ ہیں، رسول کی وصیت کو پورا نہ کرنے والے ظالم ہیں، حضرت عثمانؓ نے ظلم سے خلافت حاصل کی ہے وغیرہ ذلک من الخرافات

تفریق کا یہ بیج بونے کے بعد اس نے نظام خلافت کو درہم برہم کرنے کے لئے یہ کامیاب طریقے اختیار کئے،

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پرفریب لباس میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا،

(۲) عثمانی عمال کو ہر ممکن طریقہ سے بدنام کرنا،

(۳) حضرت عثمانؓ کی کنبہ پروری کی داستان کو مشہور کرنا،

اس سازش کا جال اس نے تمام اسلامی مرکزوں میں بچھا دیا اور ہر جگہ دعاۃ اور خفیہ خط وکتابت کے ذریعہ سے ایسا وسیع اور منظم پروپیگنڈا کیا کہ چند ہی دنوں میں سارے ملک کی فضا خراب ہوگئی[1]

ابن سبا کی کامیابی کے اسباب

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، مختلف اسباب اور مختلف اغراض کی بنا پر حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت پہلے سے موجود تھی، اسے

---

[1] طبری ص ۲۹۴۲،

حضرت عثمانؓ کو نشانہ ملامت بنانے کے لئے ایک بہانہ ملنا چاہئیے تھا، چنانچہ اس جماعت میں ابن سبار کی دعوت بہت کامیاب ہوئی،

یہودیوں کے بعد مسلمانوں کے دوسرے دشمن اہل عجم تھے، جن کی حکومت انھون نے مٹائی تھی، ان کی فطرت مین شاہ پرستی تھی، ابن سبار، اہل بیت کے داعی کے لباس مین تھا، اس لئے سرزمین عجم مین اس کی تحریک کو بڑا فروغ ہوا، گو عجمیون کا نقطہ نظر اس سے مختلف تھا، ابن سبار کا مقصد مسلمانون کا شیرازہ درہم برہم کرنا تھا، اور اہل عجم چاہتے تھے کہ اسلامی خلافت ایسے موروثی قالب مین ڈھل جائے کہ ان کی خدمات یعنی حمایت اہلبیت کے صلہ مین ان کو حکومت مین زیادہ سے زیادہ حقوق حصول ہوجائین اس لئے عراق وغیرہ مین ابن سبا کی تحریک زیادہ بارآور ہوئی،

ان طبقوں کے علاوہ بعض مخلص مسلمان بھی اس کے فریب مین اس طرح آگئے کہ بعض نوجوان عثمانی عمال، عہد سعادت کے فیض تربیت سے محروم تھے، اس لئے ان مین صحابہ کرام کے جیسا اخلاص و تدین نہ تھا، پھر حضرت عثمانؓ مین فاروقی صولت نہ تھی جس سے بڑے بڑے مدبرین تھراتے تھے، بلکہ آپ فطرۃً نرم خو، حلیم الطبع اور متحمل تھے، آپ مین عفو و درگذر کا مادہ زیادہ تھا، اس لئے عثمانی عمال سے بعض بے عنوانیان سرزد ہوجاتی تھین، گو علم کے بعد آپ اسکا تدارک کرتے تھے، لیکن مخالفین کو بدنام کرنے کا بہرحال موقع مل جاتا تھا، اس لئے بعض مخلص، اور خیر خواہ خلافت مسلمانون کے دلون میں بھی کم از کم شکوک پیدا ہوگئے،

ابن سبار نے دعاۃ اور تحریری پروپگنڈہ کے علاوہ خود عراق اور مصر وغیرہ میں جاکر خفیہ جماعتین قائم کین، سب سے اول ۳۳ھ مین عبداللہ بن عامر والیٔ بصرہ کو اس کی سازش کا علم ہوا، انھون نے اسکو اپنے یہان سے نکالا یہان سے نکل کر وہ کوفہ پہنچا، کوفہ سے بھی نکالا گیا،

تو آخر میں مصر کو اپنا مستقر بنایا[1]،

غرض مذکورہ اسباب کی بنا پر قریب قریب ہر جگہ ابن سبار کے پروپگنڈے کا کچھ نہ کچھ اثر پڑا، خصوصاً عراق جس کی فطرت میں شر و فساد ہی، اس فتنہ کا مرکز بن گیا، چنانچہ کوفہ اور بصرہ مین علانیہ حضرت عثمانؓ کے مخالف پیدا ہو گئے،

کوفہ میں مخالفت کوفہ مین انقلاب پسندون کے سرغنہ اشتر نخعی، جندب بن کعب، ابن ذی الحنکہ، صعصعہ، ابن الکوا، کمیل اور عمیر بن صابی تھے، ان کا کام حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنا تھا، یہ لوگ ذرا ذرا سی بات پر فتنہ انگیزی کرتے تھے، ان کی آئے دن کی فتنہ انگیزیوں سے تنگ آکر سعید بن العاص اور اشرافِ کوفہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ کوفہ کو ان کے شر سے بچانے کے لئے انھیں یہان سے نکال دیا جائے، آپ نے قیام امن کے خیال سے ان لوگون کو امیر معاویہ کے پاس شام بھیجدیا اور لکھا کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی کرتے ہین، ان کی اصلاح کی کوشش کرو، اگر باز نہ آئین تو میرے پاس بھیجدو[2]،

حضرت عثمانؓ کے خلاف پہلا عملی اقدام حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف نکتہ چینی تو عرصہ سے شروع ہو گئی تھی، لیکن کسی کو آپ کے خلاف اٹھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، سبائیون کی قوت مضبوط ہونے کے بعد سب سے اول ۳۴ھ مین کوفہ کے ایک انقلابی یزید بن قیس نے اس کی جرأت کی اور سبائیون کو لے کر حضرت عثمانؓ سے دست برداری کا مطالبہ کرنے کے لئے مدینہ چلا، لیکن قعقاع بن عمرو نے پکڑ لیا، گرفتار ہو جانے کے بعد اس نے کہا مین صرف سعید بن العاص والی کا تبادلہ چاہتا ہون، اس لئے قعقاع نے اسے چھوڑ دیا، اور یزید نے خط لکھکر کوفہ کے سب سے بڑے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۵ [2] ایضاً ص ۵۳،

سرغنہ اشتر نخعی کو بلا لیا، اس کے کوفہ پہنچنے کے بعد یہاں شورش شروع ہوگئی، اشتر نخعی نے سعید بن العاص کے ایک غلام کو قتل کر دیا، سعید نے جب دیکھا کہ مفسدین نے فتنہ انگیزی کے لئے ان کی معزولی کو آڑ بنایا ہے تو انھوں نے خود جا کر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ وہ لوگ میرے بجائے ابو موسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں، حضرت عثمانؓ امن وامان کے خواہاں تھے، اس لئے سعید کو معزول کرکے ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو مقرر کر دیا، اور اہل کوفہ کو لکھا کہ "میں نے سعید کو معزول کرکے جس کو تم چاہتے تھے، اس کو مقرر کر دیا ہے، خدا کی قسم میں تم سے اپنی آبرو بچاؤں گا، تمھارے مقابلہ میں صبر سے کام لوں گا، اور تمھاری اصلاح میں پوری کوشش صرف کر دوں گا، (ابن اثیر ج ۳ ص ۵۰)

عمال سے حضرت عثمانؓ کا مشورہ

لیکن مفسدین کی اصل غرض تو انقلاب برپا کرنا تھا، پھر کوفہ بصرہ سارے عراق میں یہی حال تھا، اس لئے کوئی اصلاح کارگر نہ ہو سکتی تھی، جب ہر طرف سے اسی قسم کی خبریں آنے لگیں تو حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہؓ، عبد اللہ بن سعد، سعید بن العاص، عبد اللہ بن عامر اور عمرو بن العاصؓ وغیرہ تمام ذمہ دار لوگوں کو بلا کر ان سے موجودہ صورتِ حال کی اصلاح کے متعلق مشورہ کیا،

عبد اللہ بن عامر نے کہا، لوگوں کو جہاد میں لگا دیجئے، اس کی مشغولیت میں ان سب کی توجہ دوسری طرف ہٹ جائے گی،

سعید بن العاص نے رائے دی کہ شورش چند لوگوں کی وجہ سے ہے، اگر ان کے سرغنہ پکڑ کے قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ خود بکھر جائے گا، امیر معاویہؓ نے کہا کہ ہر حاکم اپنے اپنے صوبہ میں امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا جائے، شام کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عبد اللہ بن سعد نے رائے دی کہ یہ سب بندۂ زر ہیں، روپیہ دیکر ان کا منھ بند کر دیجئے،

عمروبن العاص بولے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ لوگوں کے منشا کے خلاف کام کرتے ہیں، عدل و انصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے، ورنہ پھر ہمت کر کے جو دل میں آئے کیجئے،

حضرت عثمانؓ نے متعجب ہو کر ان سے پوچھا تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے؟ عمرو خاموش رہے، جب لوگ چلے گئے تو کہا امیرالمومنین میں نے جو کچھ کہا تھا وہ در اصل میرا خیال نہیں ہے آپ کی ذات اس سے بلند ہے، یہ میں نے اس مصلحت کی بنا پر کہا تھا کہ مخالفین پس پردہ ہماری گفتگو کی تجسس میں تھے، اس لئے میں نے یہ باتیں کیں تاکہ وہ لوگ مجھے اپنا ہم خیال سمجھکر رازدار بنائیں، اور مجھے آپ کو ان کے شر سے بچانے کا موقع ملے[1]

حضرت علیؓ کا مشورہ | جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے عثمانی عمال کی بعض بے عنوانیوں کی وجہ سے بعض صحابہ کو بھی ان سے شکایات تھیں، لیکن ان کا مقصد صرف عمال کی اصلاح تھا چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے خلاف زیادہ شورش بڑھی، تو صحابہ کرامؓ نے اصلاح کے لئے قدم اٹھایا، اور زید بن ثابتؓ انصاری، ابو اسید ساعدی، کعب بن مالک اور حسان بن ثابت نے حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے پاس موجودہ صورت حال پر گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، انھوں نے جا کر کہا کہ مجھے لوگوں نے آپکے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ سے کیا کہوں آپ خود کسی چیز سے ناواقف نہیں ہیں، جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں، آپنے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے، آپ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ کی باتیں سنی ہیں، رسول اللہ صلعم کے عزیز قریب ہیں، ان کی دامادی کا شرف حاصل ہے، جو ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب کو حاصل نہیں ہے، کسی امر میں انکو

---

[1] طبری ص ۲۹۳۱،

آپ پر تقدم حاصل نہین ہے، اس لئے آپ ان سے زیادہ عمل بالحق کے مستحق ہین"، اس خوش آیند طریقہ سے حضرت علیؓ نے اپنے خیالات پیش کئے اور اصلاح حال کے متعلق مفید مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان کا مناسب جواب دیا اور عام مسلمانون کے سامنے مسجد مین موجودہ حالات کے متعلق تقریر کی۔[1]

تحقیقاتی کمیشن — اس گفتگو کے بعد ۳۵ھ مین اہل مدینہ کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے اکابر صحابہ کا ایک کمیشن مقرر کیا کہ وہ ملک کا دورہ کر کے موجودہ حالات کی تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے، چنانچہ علی الترتیب کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کی تحقیقات محمد بن مسلمہ، اسامہ بن زید، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق ہوئی،

ان بزرگون نے یہان کے اکابر اور عوام سے مل کر حالات کی تحقیقات کی اور عمار بن یاسر کے علاوہ سب نے بالاتفاق یہ بیان دیا کہ ما انکرنا شیئاً ولا انکرہ اعلام المسلمین ولا عوامھم" یعنی ہمنے اور ان مقامات کے سربرآوردہ" اور عام مسلمانون نے کوئی قابل اعتراض بات نہین پائی، حضرت عمار بن یاسرؓ سادہ دل بزرگ تھے، وہ سبائیون کے دام فریب مین مبتلا ہو گئے، استمالہ قوم بمصر وقد انقطعوا الیہ منھم عبداللہ بن السوداء وخالد بن ملجم وغیرھم، یعنی لوگوں نے (سبائی) مصر مین انھین پھسلا لیا اور عبداللہ بن السوداء اور خالد بن ملجم وغیرہ ان کے ساتھ ہو گئے۔[2]

اعلان عام — حضرت عثمانؓ نے تنہا اس تحقیقات پر بس نہین کیا، بلکہ تمام ممالک محروسہ مین اعلان عام کر دیا کہ مین ہر سال حج کے موقع پر اپنے عمال کے کامون کا محاسبہ کیا کرونگا جب سے خلافت کی ذمہ داری میرے متعلق ہوئی ہے، اس وقت سے مین نے امر بالمعروف

---

[1] طبری اور ابن اثیر مین اس گفتگو کی پوری تفصیل ہے، طبری ص ۲۹۳۷، ۲۹۳۰، [2] ایضاً ص ۲۹۴۳ و ۲۹۴۴،

اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنایا ہے، اور میرے یا میرے عمال کے پاس جو معاملات پہنچائے جاتے ہین ان کا تدارک کرتا ہون، رعایا کے اسی مال مین میرا اور میرے اہل وعیال کا حق ہے جو اس کے مصارف سے بچ رہے،... جس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرکے مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق حاصل کرے، یا صدقہ کردے کہ خدا صدقہ کرنے والون کو دوست رکھتا ہے،

یہ اعلان ایسا مؤثر تھا کہ سارے مسلمان اسے پڑھ کر رو دیئے، اور حضرت عثمانؓ کے حق مین دعا کی[1]

عمال کی طلبی اس اعلان کے ساتھ ہی آپنے تمام عمال کو حج کے موقع پر طلب کیا، امیر معاویہ عبداللہ بن عامر وغیرہ تمام بڑے بڑے عمال حاضر ہوے، آپنے ان سے پوچھا یہ شکایتین اور افواہین کیسی سننے مین آتی ہین؟ خدا کی قسم مجھے خوف ہے کہ رسول اللہ صلعم کی پشین گوئی پورے کرنے والے تم ہی نہ ہو، ان لوگون نے جواب دیا کہ آپ خود ان کی افواہون کی تحقیقات کرا چکے ہین، اور تحقیق کرنے والون کا بیان بھی آپکے سامنے ہو چکا ہے کہ انکے سامنے کسی نے کوئی شکایت نہین پیش کی، یہ تمام افواہین بے بنیاد ہین، ان کی کوئی اصل نہین محض افواہ اور شہرت عام پر مواخذہ کرنا جائز نہین ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو مجھے مشورہ دو کہ آخر کیا صورت اختیار کی جائے، سعید بن العاص نے کہا کہ یہ ایک خفیہ سازش کا نتیجہ ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ سازش کرنے والون کو پکڑ کے قتل کردیا جائے، عبداللہ بن سعد نے مشورہ دیا کہ جب آپ لوگون کے حقوق ادا کرتے ہین تو آپ ان سے بھی ان کے فرائض کا مطالبہ کیجئے، امیر معاویہؓ نے کہا میرے رقبۂ حکومت مین سب

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴،

امن وامان ہے، وہاں آپکو کسی فتنہ کی خبر نہ ملے گی، عمرو بن العاص نے کہا کہ آپ نرمی سے زیادہ کام لیتے ہیں، لوگوں کو ڈھیل دیتے ہیں، عمر سے زیادہ لوگوں کو دیتے ہیں ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقہ کو اختیار کیجئے، سختی کے موقع پر سختی کیجئے اور نرمی کے موقع پر نرمی سے کام لیجئے

یہ مشورہ سنکر پیکرِ حلم وعفو نے جواب دیا کہ ہر ہونے والے واقعہ کا ایک دروازہ ہوتا ہے جس سے وہ آتا ہے، اس امت کے لئے جس حادثہ کا خوف ہے وہ آکر رہے گا، اگر اس کا دروازہ بند بھی کر دیا جائے تو وہ بزور کھول دیا جائے گا، لیکن میں اس کو نرمی سے بند کرون گا، البتہ حدود اللہ میں نرمی نہ برتون گا، اگر یہ دروازہ بزور کھولا گیا تو مجھ پر کسی کی حجت باقی نہ رہ جائے گی، خدا جانتا ہے کہ مین نے لوگون کی بھلائی مین کسی قسم کی کوتاہی نہین کی، فتنہ کی چکی چلنے والی ہے، اگر عثمان اس حالت مین مرگیا کہ اس نے اس چکی کو حرکت نہین دی تو اس کے لئے بشارت ہے" تم لوگ لوگون مین سکون پیدا کرو، انکے حقوق پورے کرو، خدا کے حقوق مین کسی قسم کی مداہنت نہ کرو[1]۔

غرض آپنے فتنہ رفع کرنے کی ہرممکن کوشش کی لیکن یہ نہ ہوا کہ فتنہ شمعِ خلافت کو بجھا کر رہا، اس حادثۂ عظمیٰ کے حالات لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین کے ان اعتراضات پر ایک نظر ڈال لیجائے، جنکی بنا پر حضرت عثمانؓ کو موردِ طعن بنایا جاتا ہے،

مخالفین کے اعتراضات اور اس کی حقیقت حامیانِ انقلاب کی جانب سے جو اعتراضات حضرت عثمانؓ کے خلاف کئے جاتے تھے وہ یہ ہیں،

(۱) کبار صحابہ کو معزول کر کے ان کی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانون کو مقرر کیا، مثلاً مغیرہ بن شعبہ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ ابن ارقم اور عمرو بن العاص کو ان کے عہدون سے برطرف کیا گیا،

[1] طبری ص ۲۹۴۹

(۲) بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابوذر غفاریؓ، عمار بن یاسرؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کیساتھ ناروا سلوک کیا گیا،

(۳) بیت المال کا روپیہ بیجا طور سے صرف کیا اور اپنے اعزہ کو بڑی بڑی رقمین دین مثلاً مروان کو طرابلس کے مال غنیمت کا پانچوان حصہ دیدیا، عبد اللہ بن ابی سرح کو خمس کا پانچوان حصہ عطا کیا، عبد اللہ بن خالد کو پچاس ہزار دیئے،

(۴) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کر لیا، اور عام لوگون کو اس سے فائدہ اٹھانے سے روک دیا،

(۵) اموی عمال کی بے عنوانیون کا کوئی تدارک نہین کیا،

(۶) حدود کے اجرا مین تغافل برتا،

(۷) ایک مصحف کے علاوہ باقی مصاحف جلا ڈالے،

(۸) بعض نئی بدعتین جاری کین، مثلاً سنت رسول اور سنت شیخینؓ کے خلاف منیٰ مین دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھی،

(۹) فرائض مین تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا، حالانکہ شیخین پوری توثیق کے بغیر روایتون کو قبول نہ کرتے تھے،

(۱۰) حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلعم نے جلا وطن کر دیا تھا دوبارہ مدینہ بلا لیا،

(۱۱) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی،

یہ وہ اعتراضات ہین جو حضرت عثمانؓ کے مخالفین کی جانب سے آپ کے اوپر کئے جاتے ہین، لیکن ان مین سے بعض تو بالکل غلط ہین، بعض مین واقعات کو مسخ کر کے بدنما شکل مین پیش کیا گیا ہے، اور بعض غلط فہمی کا نتیجہ ہین، ان کی اصل حقیقت یہ ہے:-

(۱) پہلے اعتراض کے دو حصے ہین ایک یہ کہ اکابر صحابہ کو معزول کیا، دوسرے یہ کہ انکی جگہ اپنے خاندان کے ناتجربہ کار نوجوانون کو مقرر کیا، لیکن ان مین سے ایک بات بھی قابل اعتراض نہین، اگر کسی صحابی کی معزولی کے معقول اسباب ہون تو اس کا معزول کرنا کوئی جرم نہین، حضرت عمرؓ نے جن کا عدل وتدبر مسلم ہے، خالد سیف اللہ کو معزول کردیا اور مغیرہ بنؓ شعبہ جیسے مدبر کی معزولی کی وصیت کرتے گئے،

حضرت عثمانؓ نے جن صحابہ کو معزول کیا ان کی معزولی کے معقول اسباب موجود تھے، حضرت مغیرہ بنؓ شعبہ کی معزولی کے متعلق حضرت عمرؓ کی وصیت تھی[1]، ابوموسیٰ اشعری کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ بصرہ کی رعایا ان کے خلاف ہوگئی تھی، اور حضرت عثمانؓ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کیا تھا[2]، پھر بصرہ سے معزولی کے چند برسون کے بعد ان کو کوفہ کا والی بنادیا[3]، سعد بن ابی وقاصؓ کی معزولی کا سبب یہ تھا کہ انھون نے بیت المال سے ایک رقم قرض لی تھی جس کو نہ ادا کرسکے اور مہتمم بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تقاضے پر سخت کلامی کی نوبت پہنچ گئی[4]، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ضعف پیری کی وجہ سے معزول کیا تھا، جس کی تصریح عزل کے وقت کردی تھی، پھر ان کی جگہ ایک صحابی ہی حضرت زید بنؓ ثابت کا تقرر کیا[5]، عمرو بنؓ العاص کی معزولی کا سبب اوپر گذرچکا ہے، کہ مصر جیسے زرخیز ملک کے خراج کی آمدنی برابر گھٹتی جاتی تھی، حضرت عثمانؓ کے حکم پر بھی عمرو بنؓ العاص نے اضافہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی درآنحالیکہ اس کی گنجایش موجود تھی، چنانچہ ان کے جانشین عبداللہ بنؓ سعد بن ابی سرح نے چند دنون مین بڑھاکر دونا کردیا[6]،

۱؎ طبری ص ۲۸۰۲، ۲؎ ایضاً ص ۲۸۲۸، ۳؎ ایضاً ص ۲۹۳۰، ۴؎ ایضاً ص ۲۸۱۱، ۵؎ ابن اثیر ج ۳ ۶؎ یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹،

دوسرا الزام عمرو بن العاص پر یہ تھا کہ انھون نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے مین یہون پر بعض نارواز یادتیان کی تھین،

اس اعتراض کا دوسرا ٹکڑا کہ صحابہ کے بجاے اپنے نوجوان اور ناتجربہ کار اعزہ کو مقرر کیا، محض ایک بے معنی مغالطہ ہے، عمال کے عزل ونصب کا اصل معیار حکومت وجہانبانی کی صلاحیت ہے، اس اعتبار سے حضرت عثمانؓ نے جن لوگون کا انتخاب کیا وہ ان عہدون کے لئے موزون ترین تھے، ان کی اولوالعزمی اور شجاعت نے اسلامی حکومت کے ڈانڈے، اسپین، چین اور ہندوستان سے ملا دیئے، جن کی تفصیلات اوپر فتوحات مین گذر چکی ہین،

یہ صحیح ہے کہ شرف صحابیت بھی ایک بڑا معیار ہے، لیکن مذہبی اور سیاسی کسی نقطۂ نظر سے بھی عمال کے لئے صحابیت کی شرط ضروری نہین تھی، پھر حضرت عثمانؓ کے عہد مین اکثر اکابر صحابہ عمر کے اس حصہ کو پہنچ چکے تھے جبکہ ضعف پیری کی وجہ سے وہ کسی بڑی خدمت کی ذمہ داری سے معذور ہو چکے تھے، پھر یہ بھی صحیح نہین ہے کہ صحابہ کو معزول کر کے تمامتر نوجوانون کو مقرر کیا، اس کے برخلاف مثالین بھی ہین، مثلاً کوفہ سے سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مقرر کیا، جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، اس لئے یہ اعتراض کہ اکابر صحابہ کی جگہ نوجوانون کا تقرر کیا، کسی حیثیت سے بھی قابل توجہ نہین رہتا،

(۲) اکابر صحابہ سے بدسلوکی کے سلسلہ مین شہرت ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلا وطن کر دیا، حضرت عمار بن یاسر کے ساتھ سختی کی اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ بند کر دیا،

پہلا واقعہ بالکل غلط ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلا وطن نہیں کیا تھا، بلکہ وہ خود ایک ویرانہ میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذرؓ جائز سرمایہ داری کے بھی خلاف تھے، ان کے مشرب میں کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا جائز نہ تھا، وہ شام میں سرمایہ داری کے خلاف وعظ کہتے پھرتے تھے، اس سے بد امنی پھیلنے کا اندیشہ تھا، اس لئے امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھ بھیجا کہ ان کو شام سے بلا لیجئے، حضرت عثمانؓ نے امن عام کے خیال سے اپنے پاس بلا لیا، اور فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے، آپ کی کفالت میں کروں گا، لیکن وہ ایک بے نیاز بزرگ تھے، جواب دیا مجھے تمہاری دنیا کی ضرورت نہیں ہے اور خود مکہ کے قریب ایک ویرانہ ربذہ میں سکونت اختیار کر لی[1]،

حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ بھی کوئی سختی نہیں ہوئی لیکن چونکہ وہ سبائی جماعت سے متاثر ہو گئے تھے، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے حضرت عثمانؓ نے انکی فہمایش ضرور کی،

عبداللہ بن مسعودؓ کا وظیفہ ضرور بند کیا، لیکن اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے امت کو ایک قرآن پر متحد رکھنے کے لئے عہد صدیقی کے مصحف کے سوا باقی تمام مصاحف ضائع کرا دیئے تھے، عبداللہ بن مسعودؓ کا علحدہ ایک مصحف تھا، اس سلسلہ میں حضرت عثمانؓ نے ان کا مصحف بھی طلب کیا، لیکن وہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے، اس لئے حضرت عثمانؓ کو سختی سے کام لینا پڑا، درحقیقت تمام امت کو ایک قرآن پر متحد کر دینا حضرت عثمانؓ کی ایسی خدمت ہے جس کے احسان سے امت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ہے،

---

[1] ابن سعد ج ۴ ق اول ص ۱۶۷،

ابن مسعودؓ کا مصحف خواہ انھیں کتنا ہی عزیز کیون نہ رہا ہو لیکن جس مصلحت کی بنا پر حضرت عثمانؓ نے اسے طلب کیا تھا، اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا انکار کرنا قطعاً نامناسب تھا،

(۳) بیت المال میں تصرف کرنے کا الزام بالکل غلط بلکہ مہمل ہے، جس فیاض غنی نے اسلام کے عہدِ عسرت مین اس کے مصالح کے لئے اپنی بے دریغ دولت لٹائی ہو وہ بیت المال پر کیا نگاہ ڈالتا، حضرت عثمانؓ اپنے عہدِ خلافت میں بھی بڑے صاحبِ ثروت تھے انھیں بیت المال سے فائدہ اٹھانے کی احتیاج ہی نہ تھی بلکہ خلفاء میں وہی ایک ایسے بزرگ تھے جو اپنے واجبی مصارف کیلئے بھی بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے،

اس شہرت کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ حضرت عثمانؓ بڑے صاحب ثروت تھے، اور ثروت کے ساتھ خدا نے فیاض بھی بنایا تھا، اس لئے وہ اپنے ذاتی روپیہ سے اپنے غریب اعزہ کی مدد کرتے تھے، اسے مخالفین دوسرے رنگ میں مشہور کرتے تھے، اس غلط فہمی کو آپ نے خود ایک تقریر میں دور فرمایا تھا، وہ تقریر یہ ہے،

لوگ کہتے ہین کہ مین اپنے خاندان والون سے محبت کرتا ہون، اور ان کو دیتا لیتا ہون، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہین کیا ہے، بلکہ مین ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہون، جو کچھ مین ان کو دیتا ہون وہ اپنے ذاتی مال سے، مسلمانون کا مال نہ مین اپنے لئے حلال سمجھتا ہون، نہ کسی دوسرے کے لئے مین رسول اللہ صلعم ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ مین بھی اپنے ذاتی مال سے ان کو بڑی بڑی رقمین دیتا تھا، حالانکہ اس زمانہ مین مین بخیل و حریص تھا، اور اب جبکہ مین اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہون زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و

عیال کے سپرد کر دیا ہے، تو ملحدین ایسی باتین مشہور کرتے ہین، خدا کی قسم مین نے کسی ملک پر خراج کا کوئی مزید بار نہین ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام مجھ پر عائد کیا جائے، جو آمدنی ہوئی وہ ان ہی لوگون کی ضرورت و فلاح مین صرف ہوئی، میرے پاس صرف خمس آتا ہے، اس مین سے بھی میں کچھ لینا جائز نہین سمجھتا، اسے مسلمان جس مصرف مین مناسب سمجھتے ہین صرف کرتے ہین، اس مین میرا مشورہ تک نہین ہوتا، خدا کے مال مین ایک پیسہ کا تصرف نہین کیا جاتا، حتی کہ مین کھانا بھی اپنے ذاتی مال سے کھاتا ہون[1]،

بیت المال میں تصرف کے سلسلہ میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ نہایت مسخ شدہ شکل میں ہیں، اصلی شکل میں وہ قابلِ اعتراض نہین، مثلاً مروان کو طرابلس کے مالِ غنیمت کا کوئی حصہ آپ نے عطا نہیں کیا تھا بلکہ اس نے پانچ لاکھ میں خریدا تھا[2]،

عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح کو خمس کا پانچوان حصہ البتہ دیا تھا، لیکن جب مسلمانون نے اعتراض کیا تو آپ نے واپس کرا دیا، اس کی شکل بھی یہ تھی کہ عبداللہؓ بن ابی سرح نے جب طرابلس پر فوجکشی کی تو حضرت عثمانؓ نے اس کی حوصلہ افزائی کے لئے وعدہ فرمالیا تھا کہ اگر تم نے یہ مہم سر کی تو تم کو مالِ غنیمت کے خمس کا پانچواں حصہ دیا جائے گا، چنانچہ طرابلس کی فتح کے بعد یہ وعدہ پورا کیا، لیکن مسلمانون کو اس پر اعتراض ہوا، انھون نے حضرت عثمانؓ سے کہا، آپ نے فرمایا اگر تم لوگ رضامند ہو تو رہنے دیا جائے ورنہ واپس کر دیا جائے، لوگ راضی نہ ہوئے تو آپ نے اسی وقت عبداللہؓ بن ابی سرح کو واپس کرنے کا حکم لکھدیا[3]،

عبداللہؓ بن خالد کو بھی ان کے خدمات کے صلہ مین پچاس ہزار دیئے تھے، لیکن جب

---

[1] طبری ص ۲۹۵۳ [2] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹، [3] طبری ص ۲۸۱۵،

مسلمانوں نے اعتراض کیا تو اسے بھی واپس کرا دیا۔[1]

(۴) بقیع کی چراگاہ کو اپنے لئے مخصوص کرنے کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بعض چراگاہیں عہد فاروقی سے بیت المال کے مویشی کے لئے مخصوص تھیں، اس کی تصریح خود حضرت عثمانؓ نے ایک بیان میں فرمائی ہے،

"میں نے انہی چراگاہوں کو مخصوص قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں ...... میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ خلافت سے پہلے میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا، اور آج دو اونٹوں کے سوا جو حج کے سفر کے لئے رکھ چھوڑے ہیں، میرے پاس ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے۔"[2]

(۵) یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ اموی عمال کی بے عنوانیوں کا تدارک نہیں کیا، اس باب میں آپ کے طرز عمل کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، چنانچہ آپ کے علم میں جو بے عنوانی آتی تھی آپ اس کا تدارک فرماتے تھے، چنانچہ انقلاب کے سلسلہ میں جب عمال کے خلاف شکایتیں پہنچیں تو آپ نے ممالک محروسہ میں اعلان عام کر دیا کہ "میں ہر سال حج کے موقع پر اپنے تمام عمال کے کاموں کا محاسبہ کیا کروں گا، میں نے آغاز خلافت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا نصب العین بنایا ہے، میرے یا میرے عمال کے پاس جو شکایت پہنچتی ہے میں اس کا پورا تدارک کرتا ہوں ... میرے پاس یہ شکایت پہنچی ہے کہ کچھ لوگوں کو مارا جاتا ہے اور گالی دیجاتی ہے اس خفیہ ضرب دشتم پر مجھ کو افسوس ہے جس کو اس قسم کی کوئی شکایت ہو وہ میرے پاس حج کے موقع پر پیش کرے، اور مجھ سے اور میرے عمال سے اپنا حق لے یا معاف

[1] ایضاً ص ۲۹۴۹ [2] ص ۲۹۵۲۔

کردے کہ خدا معاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے[1]،

جب کسی عہدہ دار کے خلاف لوگوں کو شکایت ہوئی اور انھوں نے اس کی معزولی کا مطالبہ کیا تو آپنے فوراً معزول کر دیا، چنانچہ اہل کوفہ کی شکایت پر سعیدؓ بن العاص کو معزول کرکے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری صحابی کو مقرر کیا،

(۶) اجرای حدود میں تغافل کے دو واقعات پیش کئے جاتے ہیں،

ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبید اللہ سے ہرمزان اور جفینہ کے قتل کا قصاص لیا گیا، دوسرے ولید بن عقبہ پر شراب خواری کی حد میں تاخیر کی گئی،

پہلے واقعہ کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کے سامنے عبید اللہ کا مقدمہ پیش ہوا تو آپنے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے قصاص لینے کی رائے دی لیکن دوسرے بزرگوں نے اختلاف کیا اور کہا یہ مناسب نہیں ہے کہ کل عمرؓ قتل ہو چکے ہیں اور آج ان کے لڑکے کو قتل کیا جائے، عمرو بن العاص نے عرض کیا امیر المومنین اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دینگے تو امید ہے کہ خدا آپ سے اس کا مواخذہ نہ کرے گا، اس اختلاف رائے پر آپنے فرمایا کہ چونکہ مقتول کا کوئی وارث نہیں ہے اس لئے میں بحیثیت ولی کے قصاص کو دیت سے بدلے دیتا ہوں، اور اپنی جیب خاص سے دیت ادا فرمائی[2]

ظاہر ہے کہ اس خاص شکل میں سب سے زیادہ دانشمندانہ فیصلہ یہی ہو سکتا تھا جو حضرت عثمانؓ نے کیا، ولید بن عقبہ کی حد میں تاخیر ضرور ہوئی لیکن غفلت نہیں برتی گئی، اس تاخیر کا سبب یہ تھا کہ پوری شہادت مہیا نہیں ہوئی تھی، شہادت ملنے کے بعد فوراً حد جاری کی گئی[3]

[1] طبری ص ۲۹۴۴ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۶ [3] ایضاً ص ۲۹،

(۷) ساتواں اعتراض کہ آپ نے مصحف صدیقی کے سوا تمام مصاحف ضائع کر دیئے، نہایت لغو اور مہمل ہے، یہ تو حضرت عثمانؓ کی سب سے بڑی مذہبی خدمت اور امت اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ انھوں نے پوری امت کو ایک قرآن پر متحد کر دیا، ورنہ دوسرے اہلِ کتاب کی طرح ان کا بھی حشر ہوتا،

(۸) بدعات میں صرف یہ بدعت بیان کیجاتی ہے کہ منی میں خلافِ سنت دو رکعت نماز پڑھنے کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں، اس کی وجہ خود عثمانؓ نے بیان فرما دی تھی کہ جب میں مکہ پہنچا تو یہاں قیام کی نیت کر لی تھی اور میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی مقام پر اقامت کی نیت کرے اسکو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہئے[۱]،

(۹) نویں الزام کے ثبوت میں کوئی واقعہ نہیں پیش کیا جاتا، آپ نے کسی مسئلہ میں متواتر روایات کو چھوڑ کر روایاتِ شاذہ پر عمل نہیں کیا، ممکن ہے، کسی اجتہادی مسئلہ میں، آپ کی رائے عام رائے سے مختلف رہی ہو اور یہ کوئی قابلِ اعتراض امر نہیں ہے،

(۱۰) حکم بن العاص کو ضرور رسول اللہ صلعم نے جلا وطن کر دیا تھا، لیکن آخر زمانہ میں حضرت عثمانؓ نے آپ سے اس کے واپس بلانے کی اجازت لے لی تھی[۲]، جسکا علم عام طور سے لوگوں کو نہ تھا،

(۱۱) مصریوں کے ساتھ بدعہدی کے واقعہ کی تفصیل آیندہ آئے گی،

ان الزاموں کے علاوہ بعض اور چھوٹے چھوٹے اعتراضات ہیں، لیکن وہ لائقِ اعتنا نہیں،

ان الزاموں کی حقیقت ظاہر ہو جانے کے بعد ناظرین کو پھر انقلاب کے حالات

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲، [۲] اصابہ تذکرہ حکم بن العاص،

کی جانب رجوع کرنا چاہیئے، حضرت عثمانؓ کی حج سے واپسی تک کے حالات اوپر لکھے جاچکے ہیں

اکابر صحابہ سے مشورہ اور جوار رسولؐ کو چھوڑنے سے انکار

مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کو بلاکر ان سے مشورہ کیا، ان بزرگون نے خیر خواہانہ مشورے دیئے، حضرت عثمانؓ نے ان پر کاربند ہونے کا وعدہ فرمایا اوران بزرگون نے بھی اظہار طمانیت کیا،

امیر معاویہ مکہ سے ساتھ آئے تھے، شام واپس جاتے وقت انھون نے عرض کیا کہ یہان کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے، آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے، وہان آپ کا بال بیکا نہیں ہوسکتا، حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "خواہ میرا سرتن سے جدا ہوجائے لیکن میں جوار رسول کو نہیں چھوڑ سکتا" امیر معاویہ نے کہا کہ پھر آپ کی حفاظت کے لئے وہان سے فوجین بھیجدون، فرمایا مین ہمسایگان رسول کو فوج کے مصائب مین مبتلا نہ کرونگا امیر معاویہؓ نے چلتے چلتے پھر کہا کہ مجھے ناگہانی حادثہ کا خطرہ ہے، فرمایا حَسۡبِیَ اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ[1]

غرض امیر معاویہؓ مایوس ہوکر تنہا شام واپس گئے،

مدینہ پر باغیوں کی یورش

ادھر حضرت عثمانؓ اصلاح حال کی تدبیرون مین مصروف تھے، دوسری طرف کوفہ بصرہ اور مصر کے باغی آپس مین خفیہ خط وکتابت کرکے مدینہ پر یورش طے کرچکے تھے، چنانچہ ۳۴؁ کے آخر مین جبکہ موسم حج کی وجہ سے مدینہ خالی ہوجاتا تھا، تینون مقامون کے باغیون نے حج کے بہانہ سے مدینہ کا رخ کیا اور قریب پہنچکے مدینہ سے چند میل باہر ٹھہرے، یہ تینون حضرت عثمانؓ کی معزولی پر تو متفق تھے، لیکن انکے آیندہ

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۰،

جانشین کے بارہ مین ان کی رائین مختلف تھین، کوفی حضرت زبیرؓ کو چاہتے تھے، بصری حضرت طلحہؓ کو اور مصری حضرت علیؓ کو، چنانچہ تینون نے ان بزرگون سے مل کر خلافت قبول کرنے کی درخواست کی لیکن ان حضرات نے انھیں ڈانٹ کر واپس کر دیا،

حضرت عثمانؓ پر حملہ اس کے بعد جمعہ کا دن پڑتا تھا، حضرت عثمانؓ حسب معمول نماز کیلئے مسجد تشریف لائے، اور نماز کے بعد باغیون کو فہمائش کی، لیکن اب ان کی سرکشی فہمائش کے حدود سے گذر چکی تھی، انھون نے پتھر مار مار کر نمازیون کو مسجد سے نکال دیا، اور حضرت عثمانؓ پر اتنے پتھر برسائے کہ آپ منبر سے گر کر بیہوش ہو گئے، لوگ اٹھا کر گھر لائے، باغیون کی یہ جسارت دیکھ کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، زیدؓ بن ثابت، ابوہریرہ اور حضرت امام حسینؓ، حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے پہنچے، لیکن آپ نے ان سب کو واپس کر دیا[1]

مصریوں کی یورش اس واقعہ کے بعد ہی مصر کے بلوائیون نے حضرت عثمانؓ کو شہید کرنے کی نیت سے مدینہ پر یورش کی، حضرت عثمانؓ ہر وقت فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے ہر اصلاحی صورت کو قبول کرنے کے لئے آمادہ تھے، چنانچہ حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "آپ جو کچھ مشورہ دین مین اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہون، آپ باغیون کو واپس کر دیجئے"۔ چنانچہ تینؓ مہاجر و انصار صحابہؓ نے انھین سمجھا بجھا کر واپس کیا، اور حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے مشورہ سے عام مسلمانون کے سامنے تقریر کر کے اور آیندہ کے متعلق اپنا طرز عمل بتایا، یہ تقریر اتنی مؤثر تھی کہ سارے سامعین رو دیئے[2]

دوسری یورش اور خلافت سے دست برداری کا مطالبہ لیکن ابھی اس خوش آیند خواب کی تعبیر نہ نکلی تھی کہ ایک دن دفعۃً مصر کے باغیون کا گروہ پہنچ گیا، حضرت محمد بن مسلمہ نے

---

[1] طبری ص ۲۹۵۶ و ۲۹۵۷، [2] ایضاً ص ۲۹۶۰ و ۲۹۶۱،

جا کر ان سے واپسی کا سبب پوچھا۔ انھون نے کہا ہم کو راستہ میں ایک سرکاری ہرکارہ[1] مصر کی طرف جاتے ہوئے ملا، ہم کو شک ہوا، تلاشی لی تو اس کے پاس والی مصر کے نام حضرت عثمانؓ کا فرمان ملا، جسمیں ہم لوگوں کو قتل کرنے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم تھا، اور حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہ کے ہمراہ حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا آپ نے بالکل لاعلمی ظاہر فرمائی کہ "نہ ایسا حکم مین نے لکھا نہ کسی سے لکھوایا، اور نہ اس کے متعلق مجھکو کوئی علم ہے"۔ سب نے اس بیان کی تصدیق کی، باغیون کو یقین ہو گیا کہ یہ مروان بن حکم کی شرارت ہے، لیکن وہ تو آپ کی معزولی کا بہانہ چاہتے تھے، اس واقعہ سے ان کے گمان کے مطابق ایک سند بھی ان کے ہاتھ آگئی تھی، چنانچہ انھون نے کہا کہ "جس شخص کی طرف ایسے اہم فرامین لکھے جائین ان پر اس کی مہر لگائی جائے اور سرکاری ہرکارہ اسے لے کر جائے اور اس کو خبر تک نہ ہو، ایسا شخص ہرگز خلافت کا اہل نہین ہے، اس لئے آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیے، آپ نے جواب دیا "خدا نے جو مجھے خلعت پہنایا ہے اُسے میں اپنے ہاتھون سے نہ اتارون گا، البتہ جو کچھ ہو چکا اس پر ندامت ہے اور آیندہ اس کی تلافی کے لئے تیار ہون[2]"۔ لیکن باغی کوئی معذرت سننے کے لئے تیار نہ ہوئے، انھون نے کہا کہ "اگر تم خلافت سے دست بردار نہین ہوتے تو ہم تم کو قتل کر کے چھوڑینگے"۔ اور جو شخص مزاحم ہو گا اس کا بھی مقابلہ کرینگے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میں سر دیدون گا، لیکن خدا کی خلافت نہ چھوڑون گا"۔ تم کو کسی سے مقابلہ اور جنگ کی ضرورت نہین، اس لئے کہ مین کسی کو تم سے لڑنے کی اجازت نہ دونگا جو ایسا کرے گا وہ میرے حکم کے خلاف کرے گا، اگر میں جنگ ہی کرنا چاہتا تو میرے حکم پر ہر طرف سے فوجوں کا ہجوم ہو جاتا، یا میں خود کسی محفوظ مقام پر چلا جاتا،[3]

[1] طبری ص ۲۹۹۴
[2] ایضاً ص ۲۹۹۷
[3] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۶

محاصرہ — اس مرتبہ پھر حضرت علیؓ نے کسی نہ کسی طرح باغیوں کو ہٹا دیا، لیکن اب انکے سروں پر خون سوار ہو چکا تھا اس لئے آپ کے واپس جاتے ہی نہایت سختی سے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا، باہر سے کوئی شے اندر نہ جانے پاتی تھی، اس وقت بھی جانثاروں کی ایک جماعت آپ کی حفاظت میں سینہ سپر تھی، لیکن آپ نے باصرار سب کو واپس کر دیا، چند نوجوان حضرت امام حسینؓ، ابن عباسؓ، محمد بنؓ طلحہ اور عبد اللہ بنؓ زبیرؓ وغیرہ واپس نہ گئے،

آخر میں باغیوں نے پانی تک بند کر دیا، حضرت علیؓ اور ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو معلوم ہوا تو یہ دونوں باغیوں کو سمجھانے کے لئے گئے، لیکن اب ان کا جوش انتقام جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا، ان میں خطا و ثواب کی کوئی تمیز باقی نہ رہ گئی تھی حرم نبوی کا بھی ادب و احترام نہ کیا، حضرت ام حبیبہؓ کی شان میں نا ملائم الفاظ استعمال کئے اور آپ کے اونٹ کو زخمی کر کے گرا دیا، چند آدمیوں نے آپ کو وہاں سے علٰحدہ کیا[1]

اس وقت مدینہ کی حالت نہایت خطرناک ہو رہی تھی، باغیوں پر کسی کا قابو نہ رہ گیا تھا، ہر شخص کی جان خطرہ میں تھی، صحابہ بالکل مجبور و بے بس ہو رہے تھے، یہ بدامنی دیکھ کر بہت سے لوگ مدینہ سے نکل گئے، کچھ لوگوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت علیؓ کا جب تک بس چلا وہ برابر باغیوں کو سمجھاتے رہے لیکن آخر میں وہ بھی مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب آخری مرتبہ آپ کو بلا بھیجا، اور آپ نے جانے کا قصد کیا تو آپ کو زبردستی روک لیا گیا، آپ نے اپنا عمامہ اتار کر قاصد کو دیا اور فرمایا جو حالت ہے دیکھ لو اور جا کر کہہ دو[2]

[1] طبری ص ۳۰۱۰ [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۰،

اتمام حجت کے لئے تقریریں

درحقیقت یہ انقلاب انگیز شورش تنہا حضرت عثمانؓ کے خلاف نہین بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی وحدت کے خلاف تھی، حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کے لئے اس کے تباہ کن نتائج نظر آرہے تھے، اس لئے محاصرہ کی حالت میں بھی مسلمانوں کی شیرازہ بندی کو بار بار بچانے کی کوشش کی، ایک دن قصرِ خلافت کے اوپر سے تقریر فرمائی،

"لوگو! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہون، خدا کی قسم جہانتک میرے بس میں تھا میں نے ہمیشہ اصلاح کی کوشش کی، لیکن بہر حال میں انسان ہون، اس لئے اصابتِ رائے کیساتھ لغزشیں بھی ہوئیں،

یاد رکھو! بخدا اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھوگے اور نہ ایک ساتھ جہاد کروگے"[1]

یہ تقریر درحقیقت پیشین گوئی تھی، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے وحدتِ اسلامی میں جو رخنہ پیدا ہوا وہ آج تک نہ بند ہوسکا،

ایک دن آپنے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا،

"میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لے گئے تو مسجد بہت تنگ تھی، آپ نے فرمایا اس زمین کے ٹکڑے کو کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے، اس کو جنت میں اس سے بہتر جگہ ملے گی، اس وقت مین نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اس زمین کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کیا، اور آج تم اسی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے مجھے روکتے ہو، میں

---

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۷،

خدا کی قسم دے کر تم سے سوال کرتا ہوں، کیا تم کو نہیں معلوم کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو یہاں بیر رومہ کے علاوہ میٹھے پانی کا دوسرا کنواں نہ تھا، رسول اللہ صلعم نے فرمایا، اسے کون خرید کر مسلمانوں پر وقف کرتا ہے! اسکو جنت میں اس سے بہتر ملے گا، تو میں نے اس کو خرید کر وقف کیا، اور آج تم مجھے اسی کنویں کے پانی سے روکتے ہو، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں ہی نے جیش عسرت کا پورا سامان کیا تھا، سب نے کہا ہاں سچ ہے[۱]"

لیکن کسی پر اس کا اثر نہ ہوا، اس لئے آپ نے پھر ایک دن تقریر فرمائی،

"میں ان لوگوں کو جو رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے قسم دے کر پوچھتا ہوں کسی کو یاد ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم کوہ حراء پر چڑھے تو وہ ہلنے لگا، آپ نے ٹھوکر مار کر فرمایا حرا، ٹھہر جا! کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے اس کی تصدیق کی پھر آپ نے فرمایا میں ان لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں جو بیعتہ رضوان میں موجود تھے کہ جب رسول اللہ صلعم نے مجھے مشرکین کے پاس گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا تو اپنے دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار دے کر میری جانب سے بیعت نہیں لی، سب نے کہا ہاں سچ ہے[۲]"

جب آپ نے دیکھا کہ خیرہ چشم کسی طرح آپ کے قتل سے باز نہیں آتے تو آخری تقریر فرمائی،

"لوگو! آخر کس جرم میں تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے، کہ تین صورتوں کے سوا کسی مسلمان کا خون جائز نہیں، اسلام کے بعد جو

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۹ و ۷۵، [۲] ایضاً ص ۵۹

مسلمان مرتد ہوجائے، یا پاکدامنی کے بعد بدکاری کا مرتکب ہو، یا کسی کو قتل کرے تو قصاص میں قتل کیا جائے، اور ان تینوں سے میرا دامن پاک ہے، خدا کی قسم جب سے خدا نے مجھے ہدایت دی ہے میں نے اپنے مذہب کے مقابلہ مین کسی مذہب کو پسند نہین کیا، نہ زمانہ جاہلیت میں بدکاری کا مرتکب ہوا اور نہ اسلام کے بعد کسی کو قتل کیا، پھر تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو۔[1]

جان نثاروں کے مشورے اور مقابلہ کے لئے اجازت طلبی

جب باغیوں پر کسی افہام و تفہیم کا اثر نہ ہوا اور وہ اپنی خیرہ سری پر اڑے رہے تو ہوا خواہان امت نے حاضر ہوکر جاں نثاری کی اجازت طلب کی، حضرت زید بن ثابتؓ انصار کی جماعت کو لے کر پہنچے اور عرض کیا کہ انصار دروازہ پر حاضر اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے "انصار اللہ" ہونے کا ثبوت دیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اگر جنگ مقصود ہے تو اس کی اجازت نہ دونگا،[2] حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے عرض کیا کہ قصر خلافت میں ہم لوگوں کی خاصی تعداد ہے اجازت ہو تو میں جانبازی کے جوہر دکھاؤں، فرمایا خدا کی قسم دلاتا ہوں کہ میرے لئے خونریزی نہ کیجائے،[3]

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے عرض کیا کہ آپ امام امت ہیں، اور اس حال مین مبتلا ہیں، اس لئے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمائیے، آپکے پاس کافی قوت ہے، ہم لوگوں کو ساتھ لے کر نکلئے اور مقابلہ کیجئے آپ حق پر ہین، اور وہ باطل پر، یا پھر صدر دروازہ کو جس پر باغیوں کا ہجوم ہے چھوڑ کر ہم آپکے لئے عقب سے دروازہ توڑے دیتے ہین، آپ سواری پر بیٹھکر مکہ نکل جائیے وہاں حرم میں لوگ جنگ نہ کرینگے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۲ [2] ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۴۸ [3] ایضاً ص ۴۹،

یا پھر شام چلے جائیے وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں مقابلہ نہ کروں گا کہ رسول اللہ صلعم کا وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں آپ کی امت کی خونریزی کا آغاز ہو، مکہ بھی نہ جاؤں گا کہ یہ خیرہ سر وہاں بھی خونریزی سے باز نہ آئیں گے، اور میں رسول اللہ صلعم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بننا نہیں چاہتا کہ قریش کا ایک شخص مکہ کی حرمت اٹھائے گا اور اس پر ساری دنیا کا آدھا عذاب ہوگا، شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہؓ بھی وہاں موجود ہیں، لیکن دار الہجرۃ اور جوارِ رسول کو نہ چھوڑوں گا،[۱]

غرض بہی خواہِ امت نے کسی درجہ پر بھی اپنے بچاؤ کے لئے مسلمانوں کی خونریزی پسند نہ کی، بلکہ فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو اپنے ہاتھ اور اسلحہ کو روک رکھے[۲]

شہادت کی تیاری | جتنا وقت گذرتا جاتا تھا، حاجیوں کی واپسی کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا، اس کے علاوہ بعض مقاموں سے فوجوں کے آنے کی بھی خبر تھی، اس لئے باغیوں نے جلد سے جلد حضرت عثمانؓ کی شمعِ حیات بجھا دینے کا فیصلہ کرلیا،

آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمانؓ کو اپنی شہادت کا یقین تھا اور اب صبر و استقامت کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے، چنانچہ باغیوں کی سرگرمی دیکھکر آپنے شہادت کی تیاری شروع کردی، جمعہ کے دن سے روزہ رکھا، ایک پائجامہ جسے آپنے پہلے کبھی نہ پہنا تھا زیب تن کیا،[۳] بیس غلام آزاد کئے اور کلام اللہ کھول کر اس کی تلاوت میں مصروف ہوگئے، اس وقت تک قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسنؓ، عبد اللہ بن زبیرؓ، محمد بن مسلمہ اور بہت سے صحابہ زادے باغیوں کو روکے ہوئے تھے، کچھ معمولی سا

---

[۱] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷، [۲] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۸، [۳] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۷

کشت وخون بھی ہوا، اس لئے وہ صدر پھاٹک سے اندر نہیں داخل ہوسکتے تھے چنانچہ انھوں نے پھاٹک میں آگ لگادی، اور کچھ لوگ قصرِ خلافت کے متصل دوسرے مکانوں کے ذریعہ سے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہوگئے، حضرت عثمانؓ تلاوت میں مصروف تھے، لیکن ہمت نہ پاکر لوٹ آئے، اس کے بعد محمد بن ابی بکر نے جو حضرت عثمانؓ کے بڑے دشمنوں میں تھے، بڑھ کر ریشِ مبارک پکڑلی اور گستاخانہ کلمات زبان پر لائے حضرت عثمانؓ نے فرمایا بھتیجے اس کو چھوڑ دو تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے اگر وہ دیکھتے تو ان کو تمہارا یہ فعل کبھی پسند نہ آتا، ایک روایت یہ ہے کہ وہ یہ کلمات سنا کر محجوب ہوکر لوٹ گئے۔[1]

شہادت ان کے بعد ایک غافقی بڑھکر حملہ آور ہوا اور کلام پاک کو پاؤں سے ٹھکرایا[2]، ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے اس زور سے پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ حضرت عثمانؓ تیورا کر پہلو کے بل گر پڑے، زبانِ مبارک سے بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا، اور خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہوگیا، اس کے بعد ہی عمرو ابن الحمق نے سینہ پر چڑھ کر مسلسل کئی وار کئے آپ کی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے نہ دیکھا گیا، وہ بے تابانہ بچانے کے لئے دوڑیں، ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے اڑ گئیں، اور سودان بن حمران نے لپک کر شہید کردیا، شہادت کے وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے، فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔[3]

تجہیز وتکفین یہ حادثہ جمعہ کے دن ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا، مدینہ پر باغیوں کا قبضہ تھا، بدامنی کی وجہ سے کسی کو گھر سے نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، دو دن تک لاشِ مبارک

---

[1] طبری ص ۳۰۱۸، [2] ایضاً ص ۳۰۱۸، [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۱ و ۵۲،

بے گور وکفن پڑی رہی، دوسرے دن یعنی سنیچر کی شام کو چند آدمیوں نے جان پر کھیل کر تجہیز وتکفین کی ہمت کی، شہادت کی طہارت غسل سے بے نیاز تھی چنانچہ انھی خون آلود کپڑوں میں چار آدمیوں نے جنازہ اٹھایا، باختلاف حضرت زبیرؓ بن عوام یا جبیرؓ بن مطعم نے نماز جنازہ پڑھائی اور کابل سے مراکش تک کے فرمانروا کو سترہ آدمیوں کی مختصر جماعت نے خفیہ جنت البقیع سے متصل حش کوکب میں سپرد خاک کیا، اور باغیوں کے خوف سے قبر کا نشان چھپا دیا[1] شہادت کے وقت ۸۲ سال کی عمر شریف تھی، مدت خلافت بارہ سال،

صحابہ پر اثر | حضرت عثمانؓ کی شہادت عظمیٰ معمولی واقعہ نہ تھا، آپ کی زندگی میں لوگوں نے آپ پر نکتہ چینیاں بھی کیں، اور مخالفتیں بھی ہوئیں لیکن اس حادثہ کے پیش آجانے کے بعد ہر مسلمان دم بخود تھا، صحابہ مضطرب وبے قرار اور مخالفین نادم وپشیمان تھے حضرت علیؓ نے جس وقت یہ خبر سنی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا "خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں"، حضرت ابنؓ عباس نے فرمایا "اگر ساری مخلوق اس قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح اس پر آسمان سے پتھر برستے"، حضرت سعیدؓ بن زید نے فرمایا لوگو! اگر تمھاری بداعمالی کی سزا میں کوہ احد تم پر پھٹ پڑے تو بھی بجا ہے"، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا "عثمانؓ کی شہادت سے وہ رخنہ پیدا ہوگیا، جسے پہاڑ بھی بند نہیں کرسکتا"، حضرت عبداللہؓ بن سلام نے فرمایا "آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا"، ثمامہ بن عدی کو معلوم ہوا تو بے اختیار رو کر کہا کہ "آج رسول اللہ صلعم کی جانشینی کا خاتمہ ہوگیا، اب بادشاہت کا دور شروع ہوگا"، حضرت زیدؓ بن ثابت کی آنکھیں اشکبار تھیں، حضرت ابوہریرہؓ حادثہ کا ذکر کرکے زار زار روتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ... ۵۱ ... و طبری و ابن اثیر

کہ "عثمان دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک وصاف ہو گئے"،

جن لوگوں نے کسی اثر کے ماتحت مخالفت بھی کی تھی وہ بھی منفعل و پشیمان تھے حضرت عمار بن یاسر حضرت عثمانؓ کے مخالفین سے کہتے تھے کہ ہم نے ابن عفان کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی اور ان سے راضی تھے، تم لوگوں نے ان کو شہید کیوں کیا" ایک شخص عبداللہ بن عکیم جو آپ کی زندگی میں آپ کی برائی کرکے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا تھا، شہادت کے بعد اتنا نادم و شرمسار ہوا کہ اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کسی خلیفہ کے قتل میں معاون نہ ہوگا۔[1]

شہادت کے نتائج حضرت عثمانؓ کی شہادت درحقیقت تنہا آپ کی شہادت کا واقعہ نہ تھا، بلکہ وحدتِ اسلامی کی شکست اور مسلمانوں کے شیرازہ کی برہمی کا حادثہ تھا، اس حادثہ سے مسلمانوں میں جو تفریق پیدا ہوئی وہ تا قیامت نہ مٹے گی، اور اس وقت جو تلوار بے نیام ہوئی تھی وہ ہمیشہ بے نیام رہے گی، مسلمان، شیعہ، سنی، خارجی اور عثمانی فرقوں میں بٹ گئے، اور جو متحدہ قوت غیر مسلموں اور اسلام کے دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہوتی تھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صرف ہونے لگی اور عہدِ صحابہ سے جس خانہ جنگی کا آغاز ہوا، اس کا سلسلہ اب تک قائم ہے،

ازدواج واولاد حضرت عثمانؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سب سے بہت سی اولادیں ہوئیں، آنحضرت صلعم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ یکے بادیگرے آپ کے عقد میں آئیں، حضرت رقیہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادے عبداللہ تھے، آپ کی کل اولادوں کی تعداد سترہ اٹھارہ ہے،

---

[1] یہ تمام اقوال ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۵۶ و ۵۷ سے ماخوذ ہیں،

عہدِ عثمانی پر تبصرہ

حضرت عثمانؓ کو اگرچہ اطمینان و سکون کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع صرف پانچ سال ملا، لیکن اس قلیل مدت میں آپنے امتِ اسلامیہ کی بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں، بہت سے ممالک زیرنگیں ہوئے، نظامِ خلافت حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ میں اتنا مکمل ہو چکا تھا، کہ اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی بہت کم گنجایش تھی، تاہم جو جو گوشے تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے، ان کی تکمیل ہوئی اور رفاہِ عام کے کام انجام پائے،

بغاوتوں کا استیصال | اوپر تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد ہی ملک کے مختلف گوشوں میں بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں، ایران کے متعدد صوبے باغی ہو گئے، خراسان، آرمینیہ اور آذربیجان کے علاقوں نے اطاعت کا جوا اتار پھینکا، مصر و اسکندریہ میں رومیوں نے بغاوت برپا کر دی، قیصرِ روم اسکندریہ پر چڑھ آیا، غرض ہر طرف خلفشار برپا ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے نہایت مستعدی اور سرگرمی سے ان تمام بغاوتوں کا استیصال کرکے دوبارہ حکومت قائم کی،

فتوحات | بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ، آرمینیہ اور آذربیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات حاصل ہوئیں، بحرِ روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا، اسپین پر حملہ ہوا، اور اسلامی حکومت کے حدود

سندھ اور کابل سے لیکر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئے،

نظامِ خلافت جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے، نظامِ خلافت حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اتنا مکمل ہو چکا تھا کہ اس میں ترقی کی گنجایش بہت کم تھی، حضرت عثمانؓ نے اس کو علیٰ حالہ قائم رکھا، البتہ انتظامی ضروریات اور حالات کے مطابق اس میں بعض تبدیلیاں کیں اور جن شعبوں میں ترقی کی گنجایش تھی، ان کو ترقی دی،

مجلسِ شوریٰ گو عثمانی عہد میں عہد فاروقی کی طرح شوریٰ کا اہتمام نہ رہ گیا تھا لیکن مہماتِ امور میں حضرت عثمانؓ اکابر صحابہ اور عمالانِ حکومت سے مشورہ فرماتے تھے، اوپر انقلاب کے حالات میں ملک کی صلاح و فلاح اور فتنہ و فساد کی بیخکنی کے لئے اکابر صحابہ اور عمالانِ حکومت سے صلاح و مشورہ کے واقعات گذر چکے ہیں،

بعض تبدیلیاں صوبوں کی تقسیم قریب قریب وہی رہی جو عہد فاروقی میں تھی، البتہ شام کے ملک کو جو کئی صوبوں میں تقسیم تھا ایک صوبہ بنا دیا گیا، اور امیر معاویہ پورے صوبہ کے والی مقرر ہوئے جس سے فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچا، نئے مفتوحہ ملکوں کے نئے صوبے بنائے گئے،

عمال کا احتساب اور ان کی نگرانی عثمانی عمال کی بے عنوانیوں اور ان سے احتساب کے سلسلہ میں ایک امر خاص طور سے پیشِ نظر رکھنے کے لائق ہے، جسے نظر انداز کر دینے سے حضرت عثمانؓ کے طرزِ حکومت کے متعلق بعض غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اگر اسے ملحوظ رکھا جائے تو بہت سے شکوک و شبہات خود بخود دور ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ فطرۃً نہایت حلیم الطبع، نرم خو اور خطاپوش تھے، آپ میں عفو و درگذر کا پہلو غالب تھا، اس لئے آپ میں مواخذہ و احتساب کی وہ سختی نہ تھی جو

حضرت عمرؓ کا طغرائے امتیاز تھی، آپ بعض ایسے امور سے چشم پوشی فرماجاتے تھے، جس پر حضرت عمرؓ بڑے سے بڑے عہدہ دار کو لے ڈالتے تھے، یہ فرق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ میں بھی نظر آتا ہے، مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید سے عہد صدیقی میں بعض بے عنوانیاں سرزد ہوئیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے انھیں نظر انداز کر دیا، اور حضرت عمرؓ کے پیہم اصرار کے باوجود خالدؓ بن ولید کو معزول نہیں کیا، لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ایک دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد فوراً معزول کر دیا، حضرت عمرؓ عمال کی شان و شوکت کا سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن حضرت عثمانؓ ان چیزوں سے تعرض نہیں کرتے تھے، اور اس قبیل کے معاملات میں دونوں کے طبائع اور طرزِ عمل میں فرق تھا،

اس طبعی فرق کی وجہ سے عہد عثمانی میں عہد فاروقی کے جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے جس سے اصولِ اسلام، اخلاقِ عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی اثر پڑتا ہو، جب کبھی کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی، آپ فوراً معزول کر دیتے تھے، چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا، ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کی، سعید بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو رعایا کی شکایت پر علحدہ کیا،

حج کے موقع پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے، اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اسے پیش کرے، چنانچہ شکایتیں سنکر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔[1]

---

[1] طبری ص ۲۹۴۴،

بیت المال کے محاصل و مصارف عثمانی عہد میں بہت سے نئے ملک مفتوح ہوئے، اس سے خراج کی آمدنی بہت بڑھ گئی، اس کے علاوہ آپکے عمال کے حسنِ انتظام سے پرانے محاصل میں کافی اضافہ ہوا، چنانچہ مصر کے خراج کی مقدار پوری دونی ہوگئی۔[1]

آمدنی میں اضافہ کے ساتھ آپنے لوگوں کے وظائف میں اضافہ فرمایا، جن لوگوں کو رمضان کے مصارف کے لئے نقد ملتا تھا، ان کا کھانا بھی مقرر کیا،[2] ان کے علاوہ قومی مصارف اور رفاہ عام کے کاموں میں صرف کیا، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی،

صیغۂ فوج صیغۂ فوج میں بعض تبدیلیاں اور ترقیاں ہوئیں بعض صوبوں میں انتظامی اور فوجی شعبے جو ابتک ایک چلے آتے تھے، الگ کردیئے گئے، سپاہیوں کی تنخواہ میں سو سو روپیہ کا اضافہ ہوا،[3]

نئے مفتوحہ علاقوں میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں، امیر معاویہ نے شام میں بحرروم کے ساحل پر انطاکیہ سے لے کر طرطوس تک فوجی نوآبادیاں بسادیں،[4]

فاروقی عہد میں جہاد کے گھوڑوں اور دوسرے مویشی کے لئے متعدد چراگاہیں بنائی گئی تھیں، حضرت عثمانؓ نے ان میں اور اضافہ کیا، اور ان کے متعلق چشمے جاری کرائے، یہ چراگاہیں اتنی وسیع تھیں کہ صرف ایک ضریہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے،[5]

بحری فوج اور اسلامی بیڑہ اس سلسلہ میں سب سے نمایاں اور اہم ترقی بحری فوج کا قیام ہے، عہد فاروقی میں فارس کی بحری جنگ میں مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف ہوگئے تھے، امیر معاویہ نے ان

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹ [2] طبری ص ۲۸۰۴ [3] ایضاً [4] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳ [5] وفاء الوفاء،

سے بارہا بحرِ روم میں فوجیں اتارنے کی اجازت مانگی لیکن فارس کے تلخ تجربہ کے بعد آپ نے اجازت نہ دی، آپ کے بعد امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی، آپ نے بھی پہلے انکار کیا لیکن پھر ان کے اصرار پر اس شرط کے ساتھ اجازت دیدی، کہ بحری جنگ میں شرکت کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے جو اپنی خوشی سے جانا چاہے وہ جاسکتا ہے[1] چنانچہ حصولِ اجازت کے بعد امیر معاویہؓ نے بحرِ روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ کیا جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے، قبرص کی فتح سے امیر معاویہ اور عبداللہؓ بن سعد بن ابی سرح والی افریقیہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے چند برسوں کے اندر اسلامی بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے طاقتور رومی بیڑے سے بڑھ گیا، چنانچہ ۳۱ھ میں جب قیصر روم نے چھ سو جہازوں کے ساتھ سواحلِ شام پر حملہ کیا تو امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے سطح سمندر پر اس کا مقابلہ کرکے رومی بیڑے کو نہایت فاش شکست دی[2] بحری بیڑے کے قیام کے بعد بحرِ روم مسلمانوں کا آماجگاہ بنگیا،

بنی امیہ تلوار کے دھنی اور بڑے شجاع اور اولوالعزم تھے، اس لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قدرۃً فوجی صیغہ کو بڑی ترقی ہوئی جس کی شاہد ان کے عہد کی فتوحات ہیں اگر درمیان میں سیاسی انقلاب نہ برپا ہوگیا ہوتا تو عہد عثمانی فتوحات کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا،

رفاہِ عام کے کام عثمانی عہد میں رفاہِ عام کے بھی بہت سے کام انجام پائے، خصوصاً تعمیرات میں بڑا اضافہ ہوا، دفاتر کے لئے وسیع عمارتیں تعمیر ہوئیں، رعایا کی آسائش کے لئے سڑک پل اور مسافرخانے بنوائے، کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات خرید کر ایک وسیع

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۶۹ و فتوح البلدان ذکر فتح قبرص [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۵،

مہمان خانہ بنوایا[۱]، مدینہ اور نجد کی راہ میں ایک سرائے تعمیر کرائی اور اس کے متعلق ایک بازار بسایا، اور شیریں پانی کا ایک کنواں کھدوایا[۲]،

بند تعمیر | مدینہ خیبر کی سمت سے نشیب میں ہے، اس لئے کبھی کبھی یہاں سیلاب آجاتا تھا جس سے شہر کو بڑا نقصان پہنچتا تھا، حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پہ مدری کے قریب بندھ بندھوایا، اور نہر کھدواکر سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا[۱] اس سے مدینہ کی آبادی بالکل محفوظ ہوگئی[۳]،

مسجد نبویؐ کی تعمیر | تعمیرات اور مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے روشن کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر و توسیع ہے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق اس کی توسیع کرائی تھی،

لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب یہ ناکافی ثابت ہوئی تو آپ نے ۲۹ھ میں اس کی دوبارہ تعمیر و توسیع کرائی، عمارت کے لئے چونا اور پتھر بطن نخل سے منگایا، ساری عمارت میں منقش پتھر استعمال کئے، ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا گیا، حضرت عمرؓ کی تعمیر میں مسجد کا طول ایک سو چالیس[۱۴۰] گز اور عرض ایک سو بیس[۱۲۰] گز تھا، حضرت عثمانؓ نے طول میں بیس[۲۰] گز کا اور عرض میں تیس[۳۰] گز کا اضافہ کیا[۴]،

مصحف صدیقی کی اشاعت | مذہبی خدمات کے سلسلہ میں آپ کا سب سے اہم کارنامہ مسلمانوں کو ایک قرأت اور ایک مصحف پر متحد کرنا ہے، یہ اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ کتابی صورت میں کلام اللہ کی تدوین حضرت ابوبکرؓ ہی کے زمانہ میں ہوچکی تھی، لیکن اس کی اشاعت نہ ہوئی تھی، کلام اللہ کے بعض الفاظ کا املا اور ان کا تلفظ مختلف طریقوں سے ہوسکتا ہے

۱؎ طبری ص ۲۸۴۲ ۲؎ وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۵۴ ۳؎ ایضاً ص ۲۱۷ ۴؎ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۹ و یعقوبی ج ۲ ص ۱۹۱،

چنانچہ مختلف صحابہ املا اور تلفظ مختلف طریقوں سے کرتے تھے لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا[1]
اس لئے صحابہ میں اس خفیف اختلاف کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن نومسلم عجمیوں میں
جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، اسکی بڑی اہمیت ہوگئی، ہر مقام کے لوگ اپنی قرأت
کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے حضرت حذیفہ بن یمان ایک جہاد میں شریک
ہوئے، انھوں نے اہل عجم کا یہ اختلاف دیکھا تو انھیں خوف پیدا ہوا کہ کہیں قرآن میں
اختلاف نہ پیدا ہو جائے، چنانچہ انھوں نے واپس آکر حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ امیر المومنین
اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا، تو عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح مسلمان بھی خدا کی کتاب
میں اختلاف پیدا کردینگے، ان کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقیؓ کا مدون
کیا ہوا نسخہ جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا، منگایا اور اس کی نقلیں کرا کے تمام ممالک اسلامیہ
میں بھجوائیں، اس کے علاوہ اور کلام اللہ کے جو نسخے تھے انھیں تلف کرا دیا[2]، اس سے
ساری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ایک قرآن پر ہوگیا،

موذنوں کی تنخواہ | مساجد کے لئے تنخواہ دار موذن مقرر کیے[3]،

متفرق خدمات | خلیفۂ وقت کا ایک اہم فرض مسلمانوں کی مذہبی تعلیم اور ان کی اخلاقی
اصلاح و تربیت ہے، حضرت عثمانؓ مدینہ میں اس فرض کو بہ نفس نفیس انجام دیتے تھے
مسلمانوں کو مذہبی مسائل بتاتے، انھیں اس کی عملی تعلیم دیتے جس کے واقعات حدیث کی
کتابوں میں ہیں،

لہ یعنی بعض الفاظ ایک سے زیادہ طریقوں سے لکھے جا سکتے ہیں، اور اسی طریقہ سے اس کا تلفظ
بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا [2] بخاری اور فتح الباری ابواب جمع القرآن
میں اس کی پوری تفصیل ہے [3] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴،

فارغ البالی کی وجہ سے اہل مدینہ میں لہو ولعب کے مشاغل پیدا ہو چلے تھے، چنانچہ کبوتر بازی اور غلیل بازی خوش حال لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہو گیا تھا، حضرت عثمانؓ نے ان دونوں مشاغل کو روک دیا[1]،

فضل وکمال | حضرت عثمانؓ خاص حاشیہ نشینان بساطِ نبوت میں تھے، اس لئے شیخین کی طرح آپکی ذات بھی علم وعمل کا نمونہ تھی، کان ممن جمع بین العلم والعمل[2]،

آپ کو ابتدا سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، چنانچہ زمانۂ جاہلیت سے آپ نوشت و خواند سے واقف تھے[3]،

تحریر میں مہارت کی وجہ سے کتابتِ وحی کی جلیل القدر خدمت آپ سے متعلق تھی[4]، تقریر وخطابت میں آپ کو کوئی خاص امتیاز نہ تھا، لیکن تحریر دلکش ہوتی تھی، آپ کی تحریر کے نمونے تاریخوں میں مذکور ہیں،

مذہبی علوم میں آپ کا پایہ بلند تھا، کان ممن جمع بین العلم والعمل[5]، کلام اللہ کے ساتھ آپ کو خاص شغف تھا، اس کی تعلیم انھوں نے خاص زبانِ نبوت سے حاصل کی تھی[6]، ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[7]، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے خود بھی کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا[8]، اس ذوق نے کلام اللہ میں آپ کا علم بہت وسیع کر دیا تھا،

احادیثِ نبوی کے بھی ممتاز حفاظ میں تھے، ودعٰی جملۃ کثیرۃ من العلم[9]

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸، [3] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷، [4] روضۃ النظرہ تذکرۂ عثمانؓ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸، [6] ایضاً ص ۸ [7] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳ [8] تاریخ الخلفاء ص ۱۴۸ [9] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸،

لیکن کلامِ رسول میں تغیر و تبدل کے خوف سے روایت بہت کم کرتے تھے، فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ کے مقابلہ میں میں حدیث کو زیادہ صحیح محفوظ نہ رکھتا ہوں، اور میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے اس کو چاہیئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانا بنانے کے لئے تیار رہے[1]

اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی مرفوع روایات کی کل تعداد ۱۴۶ ہے،

فقہ میں اگرچہ آپ کا پایہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے برابر نہ تھا، لیکن آپ بھی مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، اور دوسرے صحابہ آپ کے اجتہاد سے استناد کرتے تھے[2]، آپ کے فقہی اجتہاد کے بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، عہد صحابہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عثمانؓ، انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا، شیخین کے عہد میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ اور اس کی مشکلات کو حل یہی دونوں کرتے تھے، اس عہد کے بزرگوں کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا[3]

سیرۃ الغنی حضرت عثمانؓ عہد جاہلیت سے بڑے صاحب ثروت تھے، لاکھوں روپیے کا تجارتی کاروبار تھا، لیکن زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن تمول کے برے نتائج

---

[1] مسند احمد ج ۱ ص ۶۵، [2] بخاری کتاب الغسل و مسند احمد بن حنبل وغیرہ، [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶،

سے آلودہ نہ ہوا،

خشیت الٰہی اور رقت قلب آپ نہایت رقیق القلب تھے آپ کا دل ہمیشہ خوف الٰہی سے معمور رہتا تھا، جب کسی قبر کے پاس گذرتے تو اتنی رقت طاری ہوتی کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی،[1]

مواخذۂ قیامت کا خوف آخرت کے مواخذہ کا اتنا خوف غالب تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھکو یہ علم ہو کہ مجھے جنت ملیگی یا دوزخ تو مین اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کرون گا،[2] اس خوف کا اثر آپ کے ہر عمل مین نمایان تھا،

حضرت عثمانؓ کے ساتھ محبت نبوی حضرت عثمانؓ کے ساتھ گونا گون تعلقات اور آپ کے خدمات اسلامی کی بنا پر رسول اللہ صلعم کو آپکے ساتھ خاص تعلق تھا، اس تعلق کی بنا پر آپنے دو مرتبہ ان کو اپنے شرف مصاہرت سے نوازا اور اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کو آپکے ساتھ بیاہ دیا، لیکن یہ دولت بہت جلد آپسے چھن گئی، حضرت عثمانؓ کو اس کا بڑا قلق تھا، ان کی پریشانی کو دیکھ کر آنحضرت صلعم نے ان سے پوچھا عثمان کیا حالت ہے؟ عرض کی بابی انت وامی یا رسول اللہ، اس سے بڑھ کر مصیبت کیا ہو سکتی ہے کہ ذات نبوی سے میرا رشتہ منقطع ہو گیا، یہ سنکر آپنے ان کی تسکین خاطر کے لئے دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا عقد ان کے ساتھ کر دیا، اور فرمایا اگر میری سو لڑکیان ہوتیں اور وہ مرتی جاتیں تو مین برابر یکے بادیگرے عثمان کے ساتھ بیاہتا چلا جاتا،[3]

محبت رسول حضرت عثمانؓ کو بھی ذات رسالت کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی، آپ آنحضرت کے حصول رضا کے لئے اپنی کل کائنات نثار کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے،

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۰۲، [2] ایضاً ص ۳۷۵، [3] اس مین دو روایتون کو یکجا کر دیا گیا ہے،

صلعم کی ادنیٰ تکلیف کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے، ایک مرتبہ اہل بیت نبوی پر کئی دن فقر و فاقہ سے گذر گئے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو بیچین ہو کر رونے لگے اور اسی وقت کئی بورے گیہوں، آٹا، کھجور، بکری کا گوشت اور تین سو نقد لے جا کر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ جب اس قسم کی ضرورت پیش آئے، تو عثمانؓ کو یاد فرمایا جائے[1]،

احترام رسول | ذات نبویؐ کا اتنا احترام تھا کہ جس ہاتھ سے آنحضرت صلعم کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اسے تاعمر محل نجاست سے مس نہیں کیا[2]،

اتباعِ سنت و پاسِ فرمانِ رسولؐ | اس محبت و احترام کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ آپ کی زندگی سرتاپا اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ کا فرمان ہردم و ہر لحظہ پیش نظر رہتا تھا، آپکے اتباع سنت کے واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، آپکے فرمان کا اتنا لحاظ رکھا کہ جان دیدی، لیکن دشمنوں کا مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہوے،

انفاق فی سبیل اللہ | آپ کا طغرائے امتیاز راہِ خدا میں فیاضی ہے، جیسا خدا نے آپکو غنی بنایا تھا، ویسے ہی آپنے اس کی راہ میں بے دریغ دولت لٹائی، اس کے واقعات اوپر گذر چکے ہیں، دو لاکھ اشرفی مالیت کی مستقل جائداد راہِ خدا میں وقف کی تھی[3]،

فیاضی | آپ طبعًا فیاض و سیر چشم تھے، سیکڑوں بیواؤں، یتیموں اور اپنے غریب اعزہ کی پرورش کرتے تھے، ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے[4]، آپ کی غیر معمولی فیاضی ہی کی وجہ سے آپکے دشمنوں کو آپکے خلاف غلط واقعات مشہور کرنے کا موقع ملا،

حیا | آپ کا دوسرا امتیازی وصف حیا ہے، آپ طبعًا اتنے باحیا تھے کہ رسول اللہ صلعم

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۶ [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ تذکرہ عثمان [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۴ [4] نزہتہ الابرار قلمی،

آپ کی حیا کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اور زانوے مبارک سے کپڑا ہٹا ہوا تھا، آپ نے اسے بند نہ کیا، تھوڑی دیر میں حضرت عثمانؓ تشریف لائے، انہیں دیکھ کر آپ نے کپڑا برابر کر لیا، صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا کہ عثمانؓ کی حیا سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔

صبر و تحمل تیسرا وصف صبر و تحمل اور عفو و درگذر ہے، آپ حلم و عفو کا پیکر تھے، آپ میں اس وصف کا اتنا غلبہ تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے، اموی عمال کی بے عنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھیں، کسی حالت میں بھی حلم و صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، آپ کے خلاف کتنا طوفان بپا ہوا، مخالفین نے رُو در رُو گستاخیاں کیں لیکن اس پیکر حلم نے سوائے صبر و شکر کے کوئی جواب نہ دیا، اگر آپ چاہتے تو آپ کی شہادت سے پیشتر خون کی ندیاں بہ جاتیں لیکن آپ نے جان دیدی، مگر صبر و حلم کے جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے،

تواضع آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن اپنے کاموں کے لئے ان کی راحت میں خلل نہ ڈالتے تھے، شب کو تہجد کے وقت کسی غلام کو نہ جگاتے خود ہی پانی لے کر وضو کرتے، عرض کیا گیا، آپ کیوں زحمت فرماتے ہیں، کسی غلام کو جگا لیا کیجیے، فرمایا رات کا وقت ان کے آرام کے لئے ہے،

ذریعۂ معاش حضرت عثمانؓ قریش بلکہ عرب کے دولتمند ترین لوگوں میں تھے، لاکھوں روپیہ کا آپ کا تجارتی کاروبار تھا، اپنی غیر معمولی ثروت کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے، نقدی دولت کے علاوہ متعدد علاقے تھے، خیبر میں آنحضرت صلعم نے ایک جاگیر عطا فرمائی تھی، اس کے علاوہ آپ نے بعض زمینیں خریدی تھیں، آپکی

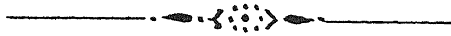
---

[1] بخاری مناقب عثمانؓ، [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۱،

دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ زندگی مین لاکھون روپیہ صرف کرنے کے بعد بھی شہادت کے وقت علاوہ جائداد کے پینتیس[۳۵] لاکھ درہم اور ڈیڑہ لاکھ دینار نقد چھوڑے[۱]

غذا و لباس

آپ شروع سے لیکر آخر تک دولت و ثروت کے گہوارہ مین رہے زندگی کے کسی دور مین عسرت و تنگدستی سے سابقہ نہ پڑا تھا، اس لئے سخت اور پر محن زندگی کے عادی نہ تھے، آرام و آرایش کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، خوش خوراک و خوش لباس تھے، دسترخوان وسیع تھا لیکن اس مین خاص اہتمام نہ تھا، اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ چار پانچ درہم کی تہمد مین مسجد آتے تھے[۲]



[۱] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۵۳، [۲] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶،

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

۳۵ھ مطابق سنہ ۶۵۶ء
تا ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء

ترجمہ علی بن ابی طالب | حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی بن ابی طالب خلیفہ ہوئے،

آپ رسول اللہ صلعم کے چچیرے بھائی تھے، آپ کے خاندان بنی ہاشم کو کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب مین مذہبی سیادت حاصل تھی، رسول اللہ صلعم کے کئی چچا تھے لیکن آپ کو جو تعلق خاطر حضرت علیؓ کے والد ابو طالب کے ساتھ تھا وہ کسی کے ساتھ نہ تھا، ابو طالب اس زمانہ مین جبکہ رسول اللہ صلعم ہر طرف سے مشرکین مکہ کے نرغہ مین گھرے ہوئے تھے آپ کی حمایت اور پشت پناہی کرتے تھے ان کی بیوی یعنی حضرت علیؓ کی والدہ فاطمہ بھی آپ پر بڑی شفقت کرتی تھین، اس لئے آپ کو ابو طالب اور ان کی اولاد کے ساتھ خاص انس و محبت تھی،

ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی، اس لئے رسول اللہ صلعم نے چچا کا بار ہلکا کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے دامنِ پرورش مین لے لیا تھا، اس طرح ابتدا ہی سے حضرت علیؓ نے آغوشِ نبوت مین پرورش پائی، اسی کا یہ اثر تھا کہ جب رسول اللہ صلعم نے اول اول

اسلام کی دعوت دی تو سب سے پہلے اسی ننھے لڑکے نے لبیک کہا، چونکہ حضرت علیؓ کو ابتداہی سے تربیت صالحہ ملی تھی، اس لئے زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیون سے آپ کا دامن محفوظ رہا،

قبول اسلام کے بعد حضرت علیؓ وعظ و پند کے جلسون اور تبلیغ اسلام کے مجمعون مین ہر وقت آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، بعثت کے چوتھے سال جب قریبی اعزہ کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم نازل ہوا اور آپ نے اس کی تعمیل کے لئے کوہ صفا پر اپنے خاندان والون کو جمع کیا، اور ان سے فرمایا کہ "اے بنی مطلب مین تمھارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہون، تم مین سے کون میرا ساتھ دیتا ہے اور کون میرا معاون و مددگار بنتا ہے" تو اس کے جواب مین صرف ایک آواز آئی کہ گو مین عمر مین چھوٹا ہون، اور میری ٹانگین کمزور ہین تاہم مین آپ کا معاون و مددگار اور قوت بازو بنون گا" یہ آواز علی بن ابی طالب کی تھی، آنحضرت صلعم نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، اس کے جواب مین ہر مرتبہ علی ہی کی آواز آئی اس صلہ مین آپ نے ان کو یہ اعزاز بخشا کہ "تم میرے وارث اور بھائی ہو" یہ صرف زبانی دعوی نہ تھا عمل کچھ اس سے بڑھ کر بھی تھا، ہجرت کے واقعات مین اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہو،

مدینہ آنے کے بعد ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا، اس وقت سے حضرت علیؓ کی مستقل زندگی شروع ہوئی، ہجرت مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، حضرت علیؓ ان تمام غزوات، احد، بدر، خندق، بنی قریظہ اور حنین وغیرہ مین کارہائے نمایان دکھائے، جن کی تفصیلات اوپر گذر چکی ہین، اس لئے یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین، متعدد سرایا آپ کی ماتحتی مین بھیجے گئے، جنھین آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام کو پہنچایا، آنحضرت صلعم کی آخری خدمت یعنی آپ کے غسل اور تجہیز و تکفین

وغیرہ کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ مین آئی، غرض شروع سے آخر تک آپ رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے،

آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ قدرۃً خلافت نبویؐ کے متوقع تھے، اس لئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب سے آپ کو آزردگی پیدا ہوئی، لیکن پھر بہت جلد دور ہو گئی اور آپ دونون خلفاء کے زمانہ مین مجلس شوریٰ کے رکن رہے، حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشورون پر بڑا اعتماد تھا، آپ نے اپنے مشورون سے خلافت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچایا، جب تک بس چلا حضرت عثمانؓ کی بھی حمایت کرتے رہے،

خلافت

بیعت خلافت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی، مدینہ مین شور قیامت بپا تھا، ہر طرف باغی چھائے ہوئے تھے، لیکن خلافت کا انتظام بہر حال ضروری تھا، اس وقت اکابر صحابہ مین حضرت علیؓ ہی کی ذات ایسی تھی، جس پر سب کا اتفاق ہو سکتا تھا، چنانچہ مہاجرینؓ و انصارؓ جن مین حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے، آپ کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کیا کہ خلیفہ کا انتخاب ضروری ہے، حضرت علیؓ نے یہ اشارہ سمجھکر جواب دیا کہ مجھ کو اس کی حاجت نہین جسے تم منتخب کروگے مین بھی اسے قبول کرون گا، ان لوگون نے عرض کیا کہ آپکے علاوہ ہم کسی دوسرے کو منتخب ہی نہین کر سکتے، کسی حیثیت سے آپ کے علاوہ کوئی دوسرا اس اعزاز کا مستحق نہین ہے، حضرت علیؓ نے پھر عذر کیا کہ امیر ہونے کے مقابلہ مین مجھے وزیر ہونا زیادہ پسند ہے، آخر مین لوگون نے پھر عرض کیا کہ ہم لوگ آپ ہی کے ہاتھ

بیعت کرینگے، غرض مسلمانون کے اصرار سے مجبور ہوکر اور امت اسلامیہ کا پاس کر کے آپنے قبول فرمالیا اور مجمع عام مین مسلمانون نے آپکے ہاتھ پر بیعت کی[1]، اس بیعت مین مدینہ کے تمام ممتاز صحابہ تھے[2] بیعت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ھ مین آپنے مسند خلافت پر قدم رکھا،

قاتلین عثمانؓ کی تلاش مین ناکامی اور اسکے نتائج

بیعت خلافت کے بعد حضرت علیؓ کے لئے سب سے اہم مرحلہ اور انکا سب سے مقدم فرض، حضرت عثمانؓ کے قاتلون کا پتہ چلا کر ان سے قصاص لینا تھا، لیکن چند در چند اسباب کی بنا پر اس مین ناکامی ہوئی، حضرت علیؓ کی جانب سے اس مین کسی قسم کی کوتاہی نہین کی گئی لیکن دشواری یہ تھی کہ متعین طور سے کسی شخص کے خلاف شہادت موجود نہ تھی، حادثۂ شہادت کے وقت گھر مین صرف حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہؓ تھین، وہ ایک پردہ نشین خاتون تھین، ایک مرتبہ دیکھ کر کسی کو پہچان نہ سکتی تھین، گھر مین گھسنے والون مین وہ صرف محمد بن ابی بکرؓ کو پہچانتی تھین لیکن وہ حضرت عثمانؓ کے ایک جملہ سے محجوب ہوکر لوٹ گئے تھے اور قتل مین شریک نہ تھے ان کے علاوہ نائلہؓ اور کسی کو نہ پہچانتی تھین، پھر قاتل جس گروہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت علیؓ کا اس پر کوئی قابو نہ تھا، اس لئے حضرت علیؓ مجبور ہوگئے، لیکن حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت کا دلون پر اتنا اثر تھا کہ عوام تو عوام اکابر صحابہؓ تک صرف قصاص چاہتے تھے، اور حضرت علیؓ کی مجبوریون پر ان کی نظر نہ جاتی تھی، چنانچہ حضرت طلحہؓ زبیرؓ اور چند صحابہؓ نے حضرت علیؓ سے جاکر کہا کہ عثمانؓ کے قتل مین جو جماعت شریک رہی ہے اس سے قصاص لینا ضروری ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو مین اس سے غافل نہین ہون، لیکن ایسی جماعت کے ساتھ کیا کرون جس پر میرا کوئی قابو نہین ہے[4]،

---

[1] طبری ص ۳۰۶۶، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۷، [3] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۲۰، [4] طبری ص ۳۰۸۰،

بدقسمتی سے قاتل جس جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اس نے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کرلی تھی، اس لئے آگے چل کر صحابہ کو خود اس سے قصاص لینے کا خیال پیدا ہوگیا، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل ہوئی، جس کے حالات آیندہ آئیں گے،

امیر معاویہ کی معزولی اور ان کی مخالفت

حضرت علیؓ کے لئے یہ ایک دشوار مرحلہ تو تھا ہی کہ آپ کی بعض سیاسی فروگذاشتوں سے ایک دوسری نازک صورت پیدا ہوگئی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ عثمانی عہد کے اکثر عمال خصوصًا امیر معاویہ والی شام کے سخت خلاف تھے، اس لئے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان سب کو معزول کردینے کا فیصلہ کرلیا، حضرت علیؓ کے عاقبت اندیش خیر خواہوں نے اس کی مخالفت کی، مغیرہؓ بن شعبہ نے جو سیاست وتدبیر میں امیر معاویہؓ کے ہم پایہ تھے، حضرت علیؓ سے عرض کیا کہ ابھی آپ معاویہ اور دوسرے عثمانی عمال کو ان کے عہدوں سے نہ ہٹائیے، جب وہ بیعت کرکے آپ کی خلافت تسلیم کرلیں اس وقت جو دل میں آئے کیجئیگا، لیکن حضرت علیؓ نے نہایت سختی سے انکار کیا، حضرت ابن عباسؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی سمجھایا کہ ابھی معاویہ کو معزول نہ کیجئے، اگر وہ اپنے عہدہ پر قائم رہیں گے تو پھر انھیں اس کی پروا نہ ہوگی، کہ کون خلیفہ ہے، لیکن اگر وہ معزول کردیئے گئے، تو عثمان کے قصاص کی دعوت لے کر اٹھ کھڑے ہونگے، اور سارے شام وعراق کو آپ کے خلاف کردینگے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ بھی قبول نہ فرمایا[1]، اور ۳۶ھ میں تمام عثمانی عمال کی معزولی کا فرمان جاری کردیا، اور ان کی جگہ نئے عمال مقرر کئے، اسی سلسلہ میں شام پر سہیل بن حنیف کا تقرر ہوا اور وہ شام روانہ ہوگئے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۷، واخبار الطوال ص ۱۵۱،

امیر معاویہؓ خود بڑے باتدبیر تھے، پھر بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے، یہاں ان کا بڑا اثر تھا، انھیں معزول کرنا آسان نہ تھا، چنانچہ انھوں نے سہیل بن حنیف کو شام کے حدود میں نہ داخل ہونے دیا اور شام کی سرحد تبوک ہی سے واپس کر دیا، امیر معاویہؓ کو معزول کرنے کے ساتھ ہی حضرت علیؓ نے ان کے پاس بیعت کیلئے علیحدہ ایک خط لکھا تھا بڑے بڑے صحابہ تک حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت خصوصاً آپکے قاتلوں کا پتہ نہ چلنے سے سخت متاثر تھے، امیر معاویہؓ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کا خون آلود پیراہن اور نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر، دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر آویزاں کرا دیا، اس تدبیر سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے لوگ جوق درجوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے،

امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک لیا تھا، یہ منظر دکھانے کے بعد واپس کیا، اور اس کے ہمراہ اپنا قاصد ایک سادہ لفافہ دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا، حضرت علیؓ نے اسے کھولا تو کچھ نہ تھا، آپ کو حالات کا کچھ اندازہ ہو چلا تھا، آپ نے قاصد سے پوچھا شام میں کیا حال ہے، اس نے کہا شام کے ساٹھ ہزار شیوخ عثمانؓ کے پیرہن پر رو رہے ہیں اور قصاص لینے کا عہد کر چکے ہیں، اسوقت حضرت علیؓ کے سامنے حقیقت واضح ہوئی، آپ نے فرمایا خدایا میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں[1]،

امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں

اب حضرت علیؓ کو واقعات کا پورا اندازہ ہو گیا، اس لئے آپ نے امیر معاویہ کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی تلواریں آپس ہی میں بے نیام ہونے والی تھیں، اس لئے

---

[1] طبری ص ۳۰۸۳ و ۳۰۸۴، [2] ایضاً ص ۳۰۹۱،

اکثر صحابہ اس کی شرکت کے بارہ مین متردد تھے بہتون نے اس کی مخالفت کی یا کم از کم غیر جانبدار رہے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور محمد بن مسلمہؓ انھی بزرگون مین تھے، حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ مجھے تم لوگون کی جانب سے ناپسندیدہ خبرین ملی ہین، کیا واقعہ ہے؟ حضرت سعد بن وقاصؓ نے فرمایا، اگر اس جنگ مین آپ میری شرکت چاہتے ہین تو ایسی تلوار عنایت کیجئے جو کافر و مسلم مین امتیاز کرے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ایسی چیز مین شرکت کے لئے مجھ کو مجبور نہ کیجئے جس کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ مین نہین کرسکا، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے حکم دیا تھا کہ مین اپنی تلوار کو مشرکون کے مقابلہ مین استعمال کرون اور جب مسلمانون سے جنگ کا وقت آئے تو اس کو کوہ احد کے پتھر پر پٹک کر توڑ دون، چنانچہ کل مین نے اس کو توڑ دیا، حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا کہ مجھے اس مین شرکت سے معاف رکھا جائے، مین نے عہد کیا ہے کہ کلمۂ شہادت پڑھنے والے سے جنگ نہ کرونگا[۱]، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے، غرض اکثر محتاط صحابہ نے اس مین شرکت سے احتراز کیا تاہم بعضون نے اپنے خدمات بھی پیش کین،

اصلاح و قصاص کے لئے حضرت عائشہؓ کی آمادگی

ابھی حضرت علیؓ امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریون مین مصروف تھے کہ اس سے زیادہ سخت اور نازک صورت حال پیدا ہوگئی،

حضرت عائشہؓ ہر سال حج کے لئے تشریف لیجایا کرتی تھین چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے زمانہ مین وہ مکہ ہی مین تھین، یہین آپ کو واقعۂ شہادت کی اطلاع

---

[۱] اخبار الطوال ص ۱۵۲،

ملی، اس کے بعد پیہم مدینہ میں بد امنی کی خبریں ملیں، مکہ سے واپسی میں راستہ میں آپ کے ایک قریبی عزیز نے اطلاع دی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے، حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور مدینہ میں بد امنی بپا ہے[1]،

یہ اطلاع پاکر آپ مکہ لوٹ گئیں، اس کے بعد ہی حضرت طلحہؓ و زبیرؓ پہنچ گئے انھوں نے بیان کیا کہ "ہم لوگ بدوؤں اور عوام الناس کے ہاتھوں بھاگے چلے آرہے ہیں، مدینہ میں لوگ حیران و سرگرداں ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ نہ حق کو پہچان سکتے ہیں اور نہ باطل سے گریز کر سکتے ہیں، اور نہ ان میں اپنی حفاظت کی طاقت ہے[2]،

یہ حالات سنکر حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خونِ بے گناہی کے قصاص اور فتنہ و فساد کی اصلاح کی دعوت دی، آپ کے واپس آنے کی خبر سنکر بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، آپ نے ان کے سامنے ایک مختصر تقریر کی،

لوگو! مختلف ملکوں کے عوام، اجنبیوں اور اہل مدینہ کے غلاموں نے چند معمولی باتوں پر اس شخص (حضرت عثمانؓ) کو مظلوم شہید کر دیا، ان کے پاس اس فعل کی کوئی حجت نہ تھی، انھوں نے سرکشی کر کے حرام خون بہایا، بلد حرام اور شہر حرام کو حلال کیا، ناجائز طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کیا، خدا کی قسم عثمان کی ایک انگلی ان کے جیسے سارے روئے زمین کے عوام سے بڑھ کر ہے[3]

اور لوگوں کو یہ کہہ کر قصاص پر ابھارا،

---

[1] طبری ص ۳۰۹۰ [2] ایضاً ۳۰۹۹ [3] ایضاً ۳۰۹۷،

"میں اس لئے واپس آئی ہوں کہ عثمان مظلوم شہید کر دیئے گئے، اس شور و غوغا اور فتنہ و فساد کی اصلاح اس طرح نہ ہو گی، عثمان کے خون کا قصاص لیکر اسلام کو معزز کرو"[1]

خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت تھی اور ام المومنین کی زبان سے! سیکڑوں بلکہ ہزاروں مسلمان سرفروشی کے لئے آمادہ ہو گئے، سب سے پہلے عبد اللہ بن عامر حضرمی والی مکہ نے اس دعوت کا جواب دیا، اموی خاندان کے وہ تمام افراد جو مکہ بھاگ آئے تھے ساتھ ہو گئے، ایک رئیس یعلی بن امیہ نے چھ سو اونٹ اور چھ لاکھ درہم نقد پیش کئے عبد اللہ بن عامر نے اعلان عام کرا دیا کہ جو شخص اس دعوت میں شریک ہونا چاہے اور اس کے پاس سواری اور زاد راہ کا سامان نہ ہو اس کو پورا سامان دیا جائے گا' چنانچہ چھ سو سواریوں اور ان کے پورے اخراجات کا انتظام کیا، صرف حرمین کے ایک ہزار آدمیوں نے ساتھ دیا، کل آدمیوں کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی، ان کے علاوہ تمام امہات المومنین ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئیں[2]

اس تیاری کے بعد حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ اصل مقصد مدینہ کے حالات کی اصلاح ہے اور سبائی جماعت اور قاتلین عثمان کا گروہ بھی وہیں ہے اس لئے سیدھے مدینہ چلنا چاہیئے، کچھ لوگوں کا مشورہ شام چلنے کا تھا، لیکن آخر میں بصرہ جانے کی رائے قرار پائی، مدینہ جانے میں امہات المومنین بھی ساتھ دینے کے لئے آمادہ تھیں، لیکن بصرہ کا ارادہ ہونے کے بعد انھوں نے ارادہ ترک کر دیا، صرف حضرت حفصہؓ نے یہاں بھی ساتھ دینا چاہا، لیکن ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے روک دیا،

---

[1] طبری ص ۳۰۹۸ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۰،

درحقیقت مسلمانون کے لئے یہ بڑی آزمایش کا وقت تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانون کی تلوارین مسلمانون کے مقابلہ مین بے نیام ہونے والی تھین، اس لئے محتاط بزرگ اس مین شرکت پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو جب شرکت کی دعوت دی گئی تو انھون نے انکار کیا اور کہا کہ مین اہل مدینہ کے ساتھ ہون جو وہ کرینگے مین ان کی تقلید کرونگا، یہ مسئلہ ایسا نازک تھا کہ محتاط لوگ بھی کوئی فیصلہ ہی نہ کرسکتے تھے، ایک طرف ام المومنین تھین، مظلوم اور شہید خلیفہ کے خون بیگناہی کی دعوت تھی، دوسری طرف خلیفۂ وقت علی مرتضیٰ تھے،

بصرہ کی روانگی | غرض صفر ۳۵ھ مین حضرت عائشہؓ مدینہ سے روانہ ہوگئین، رخصت ہوتے وقت مسلمان اسلام کی اس نازک گھڑی پر زار زار روتے تھے، طبری کے یہ الفاظ ہین کہ "اس دن مسلمان اسلام پر اتنا روئے کہ اس سے پہلے کبھی نہ روئے تھے، اس دن کا نام ہی یوم النحیب "یوم گریہ" پڑگیا[1]"

جس وقت حضرت عائشہؓ مدینہ سے نکلی ہین چپ و راست مسلمانون کا ہجوم تھا[2]، اس ہجوم مین مخلص مسلمانون کے ساتھ بہت سے مفسد بھی شامل ہوگئے تھے جن کا کام جنگ کی آگ کو بھڑکانا تھا،

راستہ مین حواب کے چشمہ پر قافلہ پہنچا تو حضرت عائشہؓ نے کتون کے بھونکنے کی آوازین سنین، پوچھا یہ کون چشمہ ہے، معلوم ہوا حواب، یہ سُنکر فرمایا مجھے یہین سے واپس کردو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا کہ "تم ان مین سے نہ ہونا جن پر حواب کے کُتے بھونکین گے"، لیکن چالیس آدمیون نے قسم کھا کر شہادت دی کہ حواب کا چشمہ

---

[1] طبری ص ۳۱۰۰، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۳،

نہین ہے، اس وقت حضرت عائشہؓ آگے بڑھین (ابن یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۰)

بصرہ کے قریب پہنچین تو عثمان بن حنیف نے جو حضرت علیؓ کی جانب سے بصرہ کا حاکم تھا، عمران بن حصین اور ابو الاسود دولی کو تحقیق حال کے لئے بھیجا، انھون نے حاضر ہو کر والی بصرہ کی جانب سے آنے کا سبب دریافت کیا، ان کے جواب مین حضرت عائشہؓ نے یہ تقریر فرمائی،

خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ اپنے ارادہ کو نہین چھپاتے اور نہ کوئی مان اپنے بیٹون سے کوئی حال چھپاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ عوام اور جھگڑالو لوگون نے حرم رسول (مدینہ) پر حملہ کیا، اور اس مین فتنہ و فساد بپا کر کے اور فتنہ پردازون کو پناہ دے کر اپنے کو خدا اور رسول کی لعنت کا مستحق بنا لیا، انھون نے بے سبب اور بے گناہ امام المسلمین کو شہید کیا، معصوم خون بہایا، اس مال کو لوٹا جو ان کے لئے حرام تھا، مقدس شہر اور مقدس مہینہ کی بے حرمتی کی، لوگون کی آبرو ریزی کی، مسلمانون کو مارا، ان کے گھرون مین زبردستی گھس گئے، جو ان کے رکھنے کے روادار نہ تھے، انھون نے نقصان پہنچایا، مسلمانون مین نہ ان سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ وہ ان سے محفوظ ہین، مین مسلمانون کو لے کر اس لئے نکلی ہون کہ لوگون کو بتاؤن کہ ان سے مسلمانون کو کیا نقصان پہنچ رہا ہے، خدا فرماتا ہے لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوَاھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ (لوگون کی بہت سی سرگوشیون مین کوئی بھلائی نہین ہے مگر یہ کہ خیرات اور عام نیکی کا حکم دین، اور لوگون کے درمیان اصلاح کرین)

ہم اصلاح کے لئے اٹھے ہیں، جس کا خدا اور رسول نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے، یہ ہے ہمارا وہ نیک مقصد جس پر تم کو آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تم کو روکنا چاہتے ہیں۔[1]

یہ جواب سنکر عثمان بن حنیف کے ایک قاصد عمران بن حصین الگ جھگڑوں سے الگ ہو کر گھر بیٹھ گئے، اور عثمان بن حنیف نے بزور حضرت عائشہؓ کو روکنے کا ارادہ کیا، بعض لوگوں کو سمجھایا کہ تمہارے اس طرز عمل سے ایسی نازک صورت پیدا ہو جائیگی کہ پھر اس کی تلافی نہ ہو سکے گی، جب تک علیؓ نہ آجائیں، اس وقت نرمی اور صلح و آشتی سے کام لو، لیکن عثمان نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے کر مقابلہ کیلئے نکلا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی مقابلہ کے لئے بڑھے، اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے پھر ایک تقریر کی،

لوگ عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں بیان کرتے تھے، اور مدینہ آکر ہم سے شکایتیں بیان کر کے مشورہ چاہتے تھے ہم ان شکایتوں پر غور کرتے تو عثمان کو نیکوکار، پرہیزگار اور راست باز اور شکایت کرنے والوں کو گنہگار، غدار اور جھوٹا پاتے تھے، ان کے دل میں کچھ تھا اور زبان پر کچھ، جب ان کی تعداد اور قوت بڑھ گئی، تو عثمان کے گھر میں گھس گئے اور بغیر کسی سبب اور عذر کے معصوم خون بہایا، قابل عزت شہر کی بے حرمتی کی،

آگاہ ہو جاؤ کہ جو کام تمھیں کرنا ہے، اور جس کے خلاف کرنا ناسزا ہے وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کتاب اللہ کے احکام کا اجرا ہے۔

[1] طبری ۳۱۲۶،

خدا فرماتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتَابِ یُدْعَوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ الآیہ یعنی کیا تم ان لوگون کو نہین دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کی جانب ان کو دعوت دیجاتی ہے،[1]

سامعین کے دلون پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ خود عثمان بن حنیف کے ساتھیون مین سے ایک جماعت نے یہ کہکر کہ "ام المومنین سچ فرماتی ہین" اس کا ساتھ چھوڑ دیا،[2] لیکن عثمان اس وقت بھی اپنے ارادہ سے باز نہ آیا، اور حضرت علیؓ کے آنے سے پہلے جنگ ہوگئی، عثمان شکست کھاکر گرفتار ہوا، پھر حضرت عائشہؓ کے حکم سے رہا کر دیا گیا، عثمان کے شکست کھانے کے بعد اس کی جماعت کے بہت سے سبائی اور قاتلین عثمان کی جماعت کے آدمی پکڑ کر قتل کر دیئے گئے، اس سے بصرہ مین ایک جماعت حضرت عائشہؓ کے خلاف ہوگئی،[3]

حضرت علی کی تیاریان اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریان کر رہے تھے، کہ آپ کو حضرت عائشہؓ کے قصاص عثمانؓ کی دعوت اور آپ کے بصرہ جانے کی خبر ملی، یہ اطلاع پاکر آپ نے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا، حضرت علیؓ کے لئے بھی یہ مسئلہ نہایت نازک تھا، اگر وہ خاموش رہتے تھے تو نظام خلافت پر اثر پڑتا تھا اور نکلتے تھے تو ام المومنین کا مقابلہ تھا، لیکن قیام نظم کے لئے نکلنا ناگزیر تھا، پھر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ کچھ مفسد بھی ہوا خواہی کے پردہ مین حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہوگئے ہین، اس لئے ان کے شر کو دبانے کے لئے آپکو چاروناچار مقابلہ کا عزم کرنا پڑا، لیکن جیسا کہ آیندہ واقعات سے معلوم ہوگا کہ آخر

---

[1] طبری ص ۳۱۱۹ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۳ [3] ایضاً ص ۳۰۹ اس جنگ کی تفصیلات طویل ہیں ہم نے صرف نتیجہ لکھدیا ہے،

تک آپ صلح و آشتی اور اصلاح کے خواہان رہے حضرت عائشہؓ کی بھی یہی کوشش تھی لیکن فتنہ پرستون نے کامیاب نہ ہونے دیا،

محتاط صحابہ کی روش حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت علیؓ کیلئے بھی یہ دشواری تھی کہ اکثر محتاط اہل مدینہ اور اکابر صحابہ اس خانہ جنگی کے خلاف تھے، اور کم از کم خود اس مین شرکت کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ جس وقت آپ نے بصرہ جانے کا عزم کیا تو اہل مدینہ نے اس مین شرکت سے اپنا پہلو بچایا فاشتد الامر علی اھل المدینۃ فتثاقلوا[1] یعنی اہل مدینہ کے لئے یہ مسئلہ بہت مشکل ہوگیا، اور انھون نے پہلو بچایا

حضرت علیؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ میرا ساتھ دو، انھون نے آپ کو بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہؓ کو دے چکے تھے، کہ مین اہل مدینہ کے ساتھ ہون جو وہ کرینگے وہی مین بھی کرون گا، اہل مدینہ کہتے تھے کہ "یہ مسئلہ مشتبہ ہے ہماری کچھ سمجھ مین نہین آتا، جب تک بالکل واضح نہ ہوجائے ہم اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہین کرسکتے[2]"

مدینہ سے روانگی تاہم کچھ انصار اور چند بدری صحابہ نے ساتھ دیا، اور حضرت علیؓ ربیع الاول ۳۶ھ مین مدینہ سے روانہ ہوے، حضرت عبد اللہ بن سلام صحابی کو خبر ہوئی تو انھون نے حاضر ہو کر آپ کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا امیر المومنین آپ مدینہ سے نکلے اگر اس وقت نکلے تو خدا کی قسم پھر آپ یہان واپس نہ آئین گے، اور مدینہ سے مرکز حکومت نکل جائے گا[3]، لیکن اب اس کوشش کا وقت گذر چکا تھا،

مدینہ سے روانگی کے وقت حضرت علیؓ کے ساتھ سات سو آدمی تھے، جن مین

---

[1] طبری ص ۳۰۹۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۱۰۶،

زیادہ تعداد اہل کوفہ اور بصرہ کی تھی، لیکن راستہ مین برابر لوگ ملتے گئے،

کوفہ اور بصرہ کی مدد ذی قار پہنچکر آپنے منزل کی اور کوفہ اور بصرہ سے مدد کے لئے دعاۃ بھیجے اور اہل کوفہ کو لکھا کہ "ہمارا مقصد اصلاح ہے، ہم چاہتے ہین کہ اس امت مین پھر قوت و وحدت پیدا ہوجائے[1]"

حضرت امام حسنؓ، عمار بن یاسر اور ہاشم بن عتبہ وغیرہ کوفہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ یہ وعظ کہہ کر لوگون کو اس جنگ مین شرکت سے روک رہے ہین، کہ لوگو! میرا کہنا مانو تم عرب کی بیج وبنیاد بنجاؤ کہ مظلوم تمھارا سہارا پائین اور خوفزدہ تمھارے دامن مین پناہ لین، لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا، جب گذر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے، معلوم نہین اس فتنہ کا سرچشمہ کہان سے پھوٹا ہے، اپنی تلوارون کو نیام مین کرلو، تیرون کے پھل اتار ڈالو، کمانون کی تانت کاٹ دو، لوگو فتنہ کے زمانہ مین سونے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا اس مین بڑھ جانے والے سے بہتر ہے،

ان کے اس وعظ کا بڑا اثر پڑ رہا تھا، اس لئے حضرت حسنؓ نے انھین مسجد سے نکالدیا، اور خود تقریر کرکے لوگون کو حضرت علیؓ کی امداد پر آمادہ کیا، آپ کی تقریر پر دس ہزار آدمیون نے ساتھ دیا[2]

حضرت عائشہؓ سے مصالحت کی کوشش کوفہ کے رؤسا مین ایک بزرگ قعقاع بن عمرو صحابی اور خیر خواہ امت تھے، حضرت علیؓ نے انھین حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس مفاہمت کی گفتگو کے لئے بھیجا، انھون نے بصرہ جاکر حضرت عائشہؓ

---

[1] طبری ص ۳۱۰۴ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۴،

انکی خدمت مین عرض کیا، امان آپ کس غرض سے یہان تشریف لائی ہین؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، بیٹا لوگون مین اصلاح کے لئے، قعقاع نے کہا تو ذرا طلحہ اور زبیرؓ کو بلا لیجئے کہ وہ بھی میری اور آپ کی گفتگو سن لین، یہ دونون بزرگ بلا کر آئے قعقاع نے ان سے کہا کہ مین نے ام المومنین سے پوچھا تھا کہ وہ کس غرض سے تشریف لائی ہین، انھون نے فرمایا اصلاح کے لئے، اب آپ دونون کیا کہتے ہین، ام المومنین کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہین یا مخالفت، انھون نے کہا تعمیل، قعقاع نے کہا تو پھر بتایئے اصلاح کا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ہم کو معلوم ہوجائے تو ضرور اصلاح کرینگے اور اگر ہمین نہ معلوم ہوسکا تو کبھی اصلاح نہ ہوسکے گی، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے جواب دیا قاتلین عثمان کا قصاص اگر اسے چھوڑ دیا گیا تو قرآن کو چھوڑ دیا گیا، اور اسے لیا گیا تو قرآن کو زندہ کیا گیا،

اس کے جواب مین قعقاع نے کہا کہ آپ لوگ بصرہ کے قاتلین عثمان کو قتل کر چکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھ ہزار بصریون نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، پھر جب آپ لوگون نے حرقوص بن زہیر کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو بھی چھ ہزار آدمی مزاحم ہوئے اور آپ لوگ حرقوص کو چھوڑنے پر مجبور ہوگئے، گویا جس قصاص کا دعویٰ ہے اس کو خود چھوڑ چکے، اگر آپ لوگون نے جنگ کا خیال ترک نہ کیا تو وہی لوگ جو آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہین آپکے خلاف لڑینگے،

غرض قعقاع نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو جنگ سے روکنے کی پوری کوشش کی انکی باتین سنکر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ "پھر تمھاری کیا رائے ہے" انھون نے کہا میرے نزدیک تو بہتر طریقہ امن وسکون ہے، جب حالات سکون پذیر ہوجائینگے تو قاتلین عثمانؓ کو بھی پریشانی ہوگی، اور ان سے قصاص بھی لیا جاسکیگا، اس کی صورت یہ ہے

کہ آپ لوگ بیعت کر لیجئے کہ یہ امت کے لئے فال نیک اور رحمت ہے، اور قصاص کی بھی یہی صورت ہے، اور اگر اپنی ضد پر قائم رہے تو نہ امن وامان قائم ہوگا اور نہ قصاص لیا جاسکیگا، جس طرح آپ لوگ ہمیشہ امت کے لئے امن وعافیت کی کنجی تھے ویسے ہی اب بھی بنئے، ہم کو اور اپنے آپ کو اس سخت آزمایش مین مبتلا نہ کیجئے کہ آزمایش دونون کو برباد کردے گی، یہ ایک آدمی یا چند آدمیون یا ایک جماعت کے قتل کا معاملہ نہین، بلکہ ساری امت کا سوال ہے،

قعقاع کی یہ تقریر اتنی مؤثر اور معقول تھی کہ حضرت عائشہؓ طلحہؓ وزبیرؓ تینون نے اسے پسند کیا اور فرمایا تم بالکل بجا کہتے ہو، علیؓ کے پاس جا کر ان کی بھی رائے لو، اگر وہ بھی تمھارے ہم خیال ہون تو معاملات اصلاح پذیر ہو جائینگے،

قعقاع نے واپس ہو کر حضرت علیؓ کو یہ مژدہ سنایا، آپ سنکر بہت مسرور ہوئے اور مخلص مسلمانون کی بڑی جماعت مصالحت کے لئے تیار ہو گئی، اور قعقاع نے مسلمانون کے سامنے تقریر کی، اور ان سے کہا کہ اب معاملات روبا صلاح ہو گئے ہین، اس لئے مین کل لوٹ جاؤن گا، تم لوگ بھی واپس جاؤ، لیکن جن لوگون نے عثمانؓ کے خون مین کسی قسم کی شرکت کی ہے انھین نہ ہم سے کوئی توقع رکھنی چاہیئے اور نہ ہمارا ساتھ دینا چاہیئے[1]

سبائیون کی فتنہ انگیزی یہ رنگ دیکھکر وہ لوگ جنھون نے حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ بپا کیا تھا، اور اب دوسرا فتنہ ابھارنا چاہتے تھے، سخت مضطرب ہوئے، چنانچہ ان کے چند سرغنہ اشتر نخعی، ابن السودا، خالد بن ملجم، علبا بن ہیثم شریح بن ابی اوفیٰ وغیرہ سبائی جماعت کے افراد نے باہم مشورہ کیا، اشتر نخعی

[1] طبری میں یہ واقعات زیادہ تفصیل سے ہیں، ہم نے صرف ضروری حصے نقل کئے ہین،

نے کہا کہ علی مدعیان قصاص سے کتاب اللہ سے زیادہ واقف اور اس پر عامل بھی
ہین یعنی وہ یقیناً خون عثمان کا قصاص لین گے، طلحہؓ و زبیرؓ کی رائے ہم لوگون کے بارے
مین کھلی ہوئی ہے لیکن علی کی رائے ابتک نہین معلوم، اگر یہ صلح انجام کو پہنچ گئی تو پھر ہم
لوگون کی خیر نہین، ہم مین سے کسی کی جان نہ بچے گی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ سب
مل کر علی کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچادین کہ یہ قصہ ہی ختم ہو جائے، طبری کے یہ الفاظ
ہین، وان یصطلحوا مع علی فعلی دمائنا فهلموا فلنثب علی علی فنلحقه
بعثمانؓ، لیکن اس رائے سے لوگون نے اختلاف کیا، دوسرے ارکان نے مختلف
رائین دین، لیکن کسی پر اتفاق نہ ہوا، آخر مین ابن السوداء نے کہا کہ علیؓ طلحہؓ اور زبیرؓ کو مزید
غور و فکر کا موقع ہی نہ دو، اور مصالحت کی تکمیل سے پہلے فوج کے عوام کو ملا کر جنگ
چھیڑ دو، جب ایک مرتبہ شعلہ بھڑک جائے گا تو پھر حضرت علیؓ اپنے بچاؤ کے لئے
جنگ پر مجبور ہو جائین گے، یہ رائے اتنی صائب تھی کہ سب نے اس سے اتفاق کیا[1]

مخالفین صلح کی فتنہ انگیزی اور حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کی مصالحانہ روش،

سبائیون کے علاوہ بھی دونون طرف کچھ ایسے لوگ بھی تھے
جو جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے تھے، ان کی کوششین
الگ جاری تھین، حضرت علیؓ اس وقت ذی قار مین تھے اور بصرہ آنے کا قصد کر رہے
تھے کہ ایک شخص ابو الجربا نے حضرت زبیرؓ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جنگی مصلحت کا
تقاضا یہ ہے کہ قبل اس کے کہ علیؓ اپنی فوج سے ملین، ایک ہزار آدمی انھین روکنے
کے لئے بھیجدینے چاہئیں، حضرت طلحہؓ نے فرمایا جنگ کے یہ ہتھکنڈے مین بھی جانتا
ہون، لیکن انھون نے ہم کو مصالحت کی دعوت دی ہے، پھر یہ ایک نئی صورت

[1] طبری ص ۳۱۶۴، [2] ایضاً ص ۳۱۶۵،

حال ہے، جس کی نظیر اس سے پہلے موجود نہین ہے، اس لئے بہت سوچ سمجھ کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، جو فریق بغیر کسی معقول سبب کے اقدام کر دے گا، قیامت کے دن وہ خدا کے سامنے اس کا کوئی عذر نہ پیش کر سکے گا، ابھی مصالحت کی گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ اس کی صورت پیدا ہو جائے گی، ہم سب کو صبر کے ساتھ اس خوش آیند وقت کا انتظار کرنا چاہئے[1]

ایک دوسرے شخص صبرہ بن شیمان نے حضرت طلحہؓ کو بھی اسی قسم کا شر انگیز مشورہ دیا، لیکن آپنے بھی ویسا ہی جواب دیا[2]،

حضرت علیؓ کی فوج کے جنگجو بھی پیشدستی کے لئے بیچین تھے، چنانچہ کوفیون کی جماعت نے جنگ کی اجازت طلب کی، آپ نے فرمایا کہ "ہم کو اصلاح اور آگ بجھانے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ لوگ مصالحت پر آمادہ ہین، ممکن ہے خدا ہمارے ہی ذریعہ سے جنگ ختم کر کے اس امت کا شیرازہ مجتمع کر دے" اس پر اعور بن بنان منقری نے کہا اگر وہ پیام صلح کا جواب نہ دین تو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس وقت ہم ان کے ساتھ وہی طرز عمل اختیار کرینگے جو وہ ہمارے ساتھ کرینگے، اعور نے کہا اگر وہ لوگ ہمین نہ چھوڑین حضرت علیؓ نے فرمایا تو ہم مدافعت کرینگے، ابو سلامہ دولانی نے کہا اگر ان لوگون کے دعوی قصاص مین اخلاص اور حسن نیت ہو تو کیا وہ خدا کے نزدیک قابل قبول ہوگا فرمایا کیون نہین، ابو سلامہ نے کہا تو اس کی تاخیر مین آپ کے لئے کیا حجت ہے، فرمایا جس چیز کا کچھ پتہ نہ چلتا ہو، اس مین وہ پہلو اختیار کرنا چاہے جو زیادہ وسیع ہو اور اس کا فائدہ زیادہ عام ہو، ابو سلامہ نے کہا کل جب ہم اور وہ مقابل ہونگے تو دونون کا انجام کیا ہوگا، فرمایا دونون مین سے جو بھی خالصۃً للہ صاف دلی کیساتھ قتل ہوگا وہ جنت مین جائیگا

---

[1] طبری ص ۳۱۶۶ [2] ایضاً ص ۳۱۶۷،

اپنی جماعت کو پرامن رکھنے کیلئے ایک دن آپؓ نے اس کے سامنے تقریر فرمائی کہ "ان لوگوں (حضرت طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہ) کے بارہ میں اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھو پیش آنے والے واقعات کا صبر کے ساتھ انتظار کرو اور پیش دستی سے بچو آج جو شخص جنگ کی ابتدا کرے گا، کل خدا کے نزدیک وہ دشمن سمجھا جائے گا۔[۱]"

غرض فریقین ہر ممکن طریقہ سے جنگ کی روک تھام اور صلح کی کوشش کرتے رہے اس درمیان میں بہت سے محتاط مسلمان اس جنگ سے کنارہ کش ہو گئے، چنانچہ احنف بن قیس چھ سو آدمیوں کی جماعت لے کر علیحدہ ہو گئے،

صلح کا انعقاد اب حضرت علیؓ ذی قار سے بصرہ پہنچ چکے تھے، آپ کے آنے کے بعد آپ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہوئی اور مختلف فیہ مسائل پر بحث ومباحثہ ہونے کے بعد بالاتفاق طے پایا کہ امت کی فلاح صلح ہی میں ہے، مصالحت کی تکمیل کے بعد فریقین اپنے اپنے لشکر گاہوں پر مسرور ومطمئن واپس گئے، اور اطمینان وسکون کے ساتھ سوئے[۲]

سبائیوں کی فتنہ انگیزی سبائیوں کے لئے یہ صلح بڑی شاق تھی، اور وہ برابر اندر اندر فتنہ انگیزی کی تدبیروں میں مصروف تھے، انھوں نے دیکھا کہ اگر یہ شب بخیر گذر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا، اور لوگ اپنا اپنا راستہ لیں گے، اس لئے انھوں نے طے کیا کہ صبح ہونے سے پہلے ہی اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کردیا جائے دونوں فریق کے ساتھ قریب قریب ہر قبیلہ کے آدمی تھے، چنانچہ یہ لوگ راتوں رات پھیل گئے اور اندھیرے میں دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا،[۳] اور صبح ہوتے ہوتے ہنگامہ

۱؎ طبری ص ۳۱۶۰ ۲؎ ایضاً ۳۱۸۱ ۳؎ ایضاً ۳۱۸۲

بپا ہو گیا،

اس غیر متوقع حملہ نے دونون کو گھبرا دیا کسی کے کچھ سمجھ مین نہ آتا تھا کہ واقعہ کیا ہے تاہم حضرت علیؓ اور عائشہؓ نے اس وقت بھی اسے روکنے کی کوشش کی، حضرت علیؓ پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو رُک جاؤ" حضرت عائشہؓ فوراً اونٹ پر بیٹھ کر روکنے کیلئے پہنچین، لیکن اس ہنگامہ مین کون کسی کی سنتا، اصل حقیقت کی کسی کو خبر نہ تھی، اس لئے ہر فریق نے یہی گمان کیا کہ دوسرے نے بدعہدی کی،

غرض صبح ہوتے ہوتے رات کا دل آویز خواب پریشان ہو گیا، اور امن و صلح کے پیامی فوج کی قیادت پر مجبور ہو گئے، فریقین اپنی اپنی فوجین لے کر صف آرا ہو گئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی،

حضرت زبیرؓ کی علیحدگی اور شہادت

عین ہنگامہ کارزار مین حضرت علیؓ کی نظر حضرت زبیرؓ پر پڑی، انھون نے ان سے کہا ابو عبد اللہ تم کو یاد ہے، رسول اللہ صلعم نے ایک دن تم سے پوچھا تھا، کہ تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا، ہان یا رسول اللہ! آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک دن تم ان سے ناحق لڑوگے حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہان مجھے یاد آگیا،[۱]

آنحضرت صلعم کی یہ پیشین گوئی یاد آنے کے بعد حضرت زبیرؓ نے فوراً لوٹ جانے کا قصد کر لیا اور اپنے صاحبزادے عبد اللہ سے جو اس جنگ مین اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کی حمایت مین پیش پیش تھے، فرمایا کہ اس جنگ کے حق و باطل ہونے کا فیصلہ نہین کر سکتا، اور علیؓ نے ایک ایسی بات دلا دی ہے جو میرے ذہن سے اتر گئی تھی

[۱] مستدرک حاکم ج ۳ فضائل زبیرؓ،

اس لئے اب مین واپس جاتا ہون تم بھی لوٹ چلو لیکن انھون نے انکار کیا اور حضرت زبیرؓ تنہا لوٹ گئے[1]

واپسی مین ایک سبائی عمرو بن جرموز آپ کے ساتھ ہوگیا[2] وادی سباع مین نماز کا وقت آگیا تھا، حضرت زبیرؓ نماز پڑھنے کے لیے ٹھہر گئے، ابن جرموز نے بھی اقتدا کی جیسے ہی آپ سجدہ مین گئے ابن جرموز نے ایسا وار کیا کہ ایک ہی وار مین آپ شہید ہوگئے، آپ کو شہید کرنے کے بعد اپنی کارگذاری دکھانے کیلئے آپ کا سر گھوڑا تلوار اور زرہ کولے کر خوش خوش حضرت علیؓ کے پاس بھیجا، آپنے فرمایا ابن صفیہ کے قاتل تجھے دوزخ کی بشارت ہو، اور حضرت زبیرؓ کی تلوار کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ اس شخص کی تلوار ہے جس نے اس کے ذریعہ سے بارہا رسول اللہ صلعم کے چہرۂ انور سے حزن وملال کے آثار دور کئے ہین، یہ سُن کر ابن جرموز بولا، کیا میری جان نثاری کا یہی صلہ ہے کہ مین تو آپکے دشمنون کا خاتمہ کرون اور آپ مجھے دوزخ کی بشارت دین[2]

حضرت طلحہؓ کی شہادت حضرت زبیرؓ کو واپس جاتے دیکھ کر حضرت طلحہؓ نے بھی واپسی کا قصد کر لیا تھا، مروان بن حکم نے دیکھا کہ اگر یہ بھی چلے گئے تو لڑائی کا رنگ ہی بدل جائیگا چنانچہ اس نے ایسا تیر مارا کہ ایک ہی تیر مین آپ کا کام تمام ہوگیا[3]

ام المومنین کے اونٹ کے گرد جان نثاروں کی جانبازی لیکن ان دونون بزرگون کے بعد بھی لڑائی کا زور ختم نہ ہوا، فریقین نے نہایت پامردی کے ساتھ ایک دوسرے کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہؓ فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی ہوئی جان نثارون کی حوصلہ افزائی کررہی تھین، اور ہر طرف سے محمل پر تیرون کی بارش ہورہی تھی، تیروں کی کثرت سے

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۷، [2] اخبار الطوال ص ۱۵۸ و طبری [3] اخبار الطوال ص ۱۵۷

محمل ساہی بنگیا تھا[1]، جان نثارون نے جانبازی کا حق ادا کردیا، قبیلہ بنی ضبہ اور ازد نے اونٹ کو اپنے حصار مین لے لیا، اس کی حفاظت مین دو ہزار سات سو ازد اور دو ہزار بنی ضبہ نے جانین فدا کین[2]، اونٹ کی مہار پکڑنا گویا موت کے منھ مین جانا تھا، لیکن جانثارون نے تانتا نہ ٹوٹنے دیا، ایک گرتا تھا تو فوراً دوسرا اس کی جگہ لیتا تھا، اس طریقہ سے ۷۰ آدمیون نے یہ سعادت حاصل کی[3]،

جنگ کا خاتمہ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ اپنی جگہ پر قائم رہے گا، اس وقت تک یہ خونریزی بند نہین ہوسکتی، اس لئے انھون نے حکم دیا کہ اونٹ کے پاؤن زخمی کرکے اسے گرا دیا جائے، اس حکم پر چند آدمی بڑھے اور ایک شخص اعین ابن ضبہ نے اونٹ کے پاؤن زخمی کر دیے، وہ بلبلا کر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی لڑائی کا رنگ بدل گیا اور حضرت عائشہؓ کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی[4]،

حضرت علیؓ نے اعلان کرا دیا کہ نہ کسی بھاگنے والے کا تعاقب کیا جائے نہ کسی زخمی کو پامال کیا جائے، نہ کسی کا مال لوٹا جائے جو شخص ہتھیار ڈالدے یا گھر کا دروازہ بند کرلے وہ مامون ہے[5]،

یہ اعلان ہوتے ہی آپ کی فوج نے ہاتھ روک لئے بعض آدمیون نے حضرت علیؓ سے سوال کیا امیر المومنین جب ان کا مال ہمارے لئے جائز نہین ہے، تو پھر ان سے جنگ کیسے جائز ہوئی، فرمایا کسی مسلمان کو نہ قیدی بنایا جاسکتا ہے اور نہ اس کے مال کو غنیمت، ہان جن اسلحہ سے جنگ کی ہے ان پر قبضہ کرسکتے ہو، تم کو جو حکم دیا گیا ہے

---

[1] طبری [2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۲، [3] طبری ص ۳۱۹۸ [4] جنگ جمل کی تفصیلات بہت طویل ہین، انھیں غیر ضروری سمجھکر ہم نے قلم انداز کرکے صرف نتیجہ لکھدیا ہی، [5] اخبار الطوال ص ۱۶۱ و یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۳

اس کی تعمیل کرو، اور جس بات کو نہین جانتے اسے چھوڑ دو،[1]

حضرت عائشہؓ کی خدمت مین حضرت علیؓ کی حاضری،

اختتام جنگ کے بعد حضرت علیؓ نے فوراً حضرت عائشہ رضؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ جا کر دیکھین ام المومنین کو زخمِ چشم تو نہین پہنچا اور انھین لیجا کر عبد اللہ بن خلف خزاعی کے محل مین ٹھہرائین[2]، اس کے بعد خود مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے، پوچھا امان مزاج کیسا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اچھی ہون، حضرت علیؓ نے فرمایا، خدا ہم دونون کو معاف فرمائے، اس کے جواب مین حضرت عائشہ رضؓ نے بھی یہی کلمات ارشاد فرمائے[3]،

چند دن حضرت عائشہ رضؓ کے آرام کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ عزت و احترام کیساتھ آپکو مکہ پہنچا دین، اور سواری زادراہ نقد و جنس وغیرہ جملہ ضروری سامان آپ کی خدمت مین پیش کیا، حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھیون مین سے جن لوگون نے ساتھ جانا چاہا، انھین اجازت دی، بصرہ کی چالیس معزز خواتین کو پہنچانے کے لئے ہمرکاب کیا اور روانگی کے وقت خود رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے،

رخصت ہوتے وقت حضرت عائشہؓ نے لوگون سے فرمایا، میرے بچو یہ جنگ محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، اس لئے ہمین ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی سے کام نہ لینا چاہئیے، میرے اور علی کے درمیان جو ساس داماد مین کبھی کبھی ہو جایا کرتی ہے اسکے علاوہ کوئی رنجش نہین تھی، وہ ان واقعات کے بعد بھی میرے نزدیک اخیار مین ہین، ام المومنین کے اس ارشاد پر حضرت علیؓ نے فرمایا ام المومنین سچ فرماتی ہین، خدا کی قسم میرے اور ان کے درمیان اس کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی، وہ دنیا اور آخرت

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۱، [2] ایضاً [3] طبری ص ۳۲۱۷،

دونوں ہیں تمھارے نبی کی حرم ہین،

اس خوش آیند گفتگو اور صاف دلی کے ساتھ دونون ایک دوسرے سے رخصت ہوے، حضرت علیؓ نے چند میل تک خود مشایعت کی، اس کے بعد حضرت حسنؓ و حسینؓ کو بھیجا[1]، اور حضرت عائشہؓ مکہ ہوتی ہوئی مدینہ تشریف لے گئین،

جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اس جنگ کی تمہید غلط اطلاعات اور غلط فہمی سے شروع ہوئی، آغاز سبائیون کی فتنہ انگیزی سے ہوا، اور خاتمہ فریقین کی صفائی قلب پر، دونون بزرگون کی نیت نیک تھی، حضرت عائشہؓ کو تاعمر اس کی ندامت رہی، جب اس کا تذکرہ آتا تھا تو زار زار رونے لگتی تھین اور فرماتی تھین کہ کاش آج سے بیس برس پہلے مین دنیا سے اُٹھ گئی ہوتی[2]،

کوفہ کا دار الخلافہ قرار پانا

جنگ جمل کے اختتام کے بعد رجب ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ واپس تشریف لائے، اور مدینہ کے بجاے اس کو مرکز خلافت قرار دیا، اس تبدیلی کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت مین حرم نبویؐ کی بڑی توہین ہوئی، اس لئے آیندہ اس کو شر و فتن سے بچانے کے لئے آپنے سیاسی مرکز کو یہان سے ہٹا دینا مناسب سمجھا، دوسرا سبب یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے حامیون کی بڑی تعداد عراق مین تھی اس لئے سیاسی حیثیت سے کوفہ آپ کے لئے زیادہ اہم تھا،

اس تبدیلی سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مدینہ سیاسی انقلابات کے مذموم نتایج سے محفوظ ہو گیا، اور اس کے بعد جو سیاسی ہنگامے ہوئے ان کا مرکز عراق

---

[1] طبری ص ۳۲۱۰ و ابن اثیر ج ۳ ص ۲۰۰، [2] مسند احمد بن حنبل،

رہا، لیکن اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت اور مرکزیت جاتی رہی، اور حضرت علیؓ مسلمانوں کے حقیقی مرکز سے دور پڑ گئے، جس کے نتائج کچھ مفید نہیں ہوئے،

عمال کا تقرر کوفہ آنے کے بعد حضرت علیؓ نے نئے سرے سے ملک کا نظم ونسق قائم کیا، سہل بن حنیف کو مدینہ کا حاکم بنایا، قیس بن سعد کو مصر کی ولایت پر مامور کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ پر مقرر کیا، اشعث بن قیس کو آذربیجان کی ولایت پر برقرار رکھا، یزید بن قیس ارحبی کو مدائن پر، عمر بن ابی سلمہ کو بحرین پر، مصقلہ بن ہبیرہ کو اردشیر خرہ پر، منذر بن جارود کو اصطخر پر، زیاد بن ابیہ کو فارس پر، قدامہ بن عجلان کو کسکر کے علاقہ پر، عدی بن حاتم کو نہر سیر پر، ربعی ابن کاس کو سیستان کے علاقہ پر، خلید بن کاس کو خراسان کے صوبہ پر، اشتر نخعی کو موصل نصیبین، دارالبجرد، سنجار، آمد، میافارقین، ہیت عانات اور شام کے مقبوضات پر مامور کیا، امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے انھیں روکا، انھوں نے مقابلہ کیا، امیر معاویہ نے عبدالرحمن بن خالد کو مدد کے لئے بھیجا، اشتر موصل لوٹ آئے، اور امیر معاویہ کے عمال کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا[1]

امیر معاویہ کو بیعت کی دعوت اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی خلافت تسلیم نہیں کی تھی، اور آپ سے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، درمیان میں جنگ جمل پیش آجانے کی وجہ سے حضرت علیؓ ان کی طرف توجہ نہ کر سکے تھے، اس سے فراغت کے بعد آپ نے جریر بن عبداللہ بجلی کو خط دے کر امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا، کہ

---

[1] عمال کی تفصیل اخبار الطوال اور یعقوبی سے لی گئی ہے،

"جن لوگوں نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انھوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ اس کے بعد کسی کے لئے چون وچرا کی گنجایش نہیں ہے، خلیفہ کے انتخاب کا حق مہاجرین وانصار کو ہے، ان کے اتفاق کے بعد جو شخص بیعت سے گریز کرے گا، اس سے بزور لیجائے گی، مہاجرین وانصار کی طرح تم بھی بیعت کرو، عافیت وسلامتی اسی میں ہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ، قاتلین عثمانؓ کو بہت آزما چکے، بیعت کے بعد باقاعدہ مقدمہ پیش کرو میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق اس کا فیصلہ کرونگا" [1]

اس وقت امیر معاویہ چند در چند مشکلات میں مبتلا تھے، محمد بن حذیفہ جو ان کے شدید مخالفین میں تھے، قید خانہ سے نکل بھاگے تھے، رومی علیحدہ سواحلِ شام پر حملہ کیلئے فوجیں جمع کر رہے تھے، اسی درمیان میں حضرت علیؓ کا یہ تہدیدی خط پہنچا، امیر معاویہؓ نے عمرو بن العاصؓ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا، انھوں نے کہا محمدؓ بن حذیفہ کا فرار کچھ زیادہ اہم نہیں ہے، انھیں تلاش کراؤ، اگر مل جائیں تو فبہا ورنہ وہ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، قیصر روم کے قیدیوں کو چھوڑ کر اس سے مصالحت کر لو، اس شرط کے ساتھ وہ فوراً آمادہ ہوجائے گا، علی بن ابی طالب کا معاملہ البتہ اہم ہے، مسلمان کبھی تم کو ان کے برابر نہ سمجھیں گے، امیر معاویہ نے کہا انھوں نے عثمانؓ کے قتل میں اعانت کی ہے اور فتنہ برپا کر کے امت میں پھوٹ ڈالی ہے، عمرو بن العاصؓ نے کہا کچھ بھی ہو لیکن تم کو ان کے مقابلہ میں سبقت اسلام اور قرابت نبوی کا شرف حاصل نہیں ہے، اور میں خواہ مخواہ تمھاری کامیابی میں کیوں مدد کروں؟ معاویہؓ نے کہا آخر کیا چاہتے ہو، عمرو بن العاصؓ بولے مصر کی حکومت، معاویہ نے کہا مصر بھی تو عراق سے کم نہیں ہے، عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۷

لیکن یہ مطالبہ اس وقت ہے جب ساری دنیائے اسلام تمھارے زیر نگین ہوگی،

عمرو بن العاص سارے عرب میں تدبر و سیاست میں فرد تھے، اس لئے امیر معاویہ ہر قیمت پر ان کے تدبر سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ بڑے غور و فکر کے بعد ان سے مصر کی حکومت دینے کا تحریری وعدہ کر لیا[1]،

شام میں حضرت علیؓ کے خلاف پروپگنڈا

اس وعدہ کے بعد عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول سبب اور دنیا کے علیؓ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں اسلئے پہلے عمائد شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ عثمان کے قتل میں علی کی شرکت تھی، شام کے سب سے بااثر آدمی شرجبیل بن سمط کندی ہیں، پہلے ان کے دل میں یہ بات بٹھاؤ پھر ان کے ذریعہ سے آسانی کے ساتھ اس کی اشاعت ہو جائے گی، چنانچہ امیر معاویہ نے ان کی بتائی ہوئی تدبیر پر عمل کر کے شرجبیل کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا ہاتھ بھی شامل تھا، شرجبیل کو اسکا اتنا یقین ہو گیا کہ انھوں نے امیر معاویہ سے کہا کہ اگر تم نے علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تو تم کو ہم شام سے نکال دینگے، امیر نے جواب دیا میں تو آپ کا متبع ہوں، آپ کی مخالفت کیوں کرنے لگا،

شرجبیل کو ہم خیال بنانے کے بعد امیر معاویہ نے ان سے کہا کہ یہ مسئلہ بغیر رائے عامہ کے ہموار کئے ہوئے حل نہیں ہو سکتا، آپ شام کا دورہ کر کے اس کی تبلیغ کیجئے، چنانچہ شرجبیل نے شام کے تمام شہروں کا دورہ کر کے یہاں کے عمائد و اعیان سے کہا کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کر کے پورے ملک پر قبضہ کر لیا ہے، صرف تمھارا ملک باقی رہ گیا ہے، وہ شمشیر بکف یہاں بھی آئینگے، معاویہ سے زیادہ ان کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں ہے

[1] اخبار الطوال ص ۱۶۸،

اس لئے خلیفہ مظلوم کے قصاص مین ان کا ساتھ دو، شرجبیل کے اس دورہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علیؓ کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ کے ساتھ ہو گیا[1]،

اوپر گذر چکا ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت عثمان کے خون آلود پیراہن اور آپ کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیون کو جامع دمشق مین آویزان کرادیا تھا، اس کی نمائش برابر جاری رہی، حضرت علیؓ کے خلاف شامی فوجون کے جذبات بھڑکانے کے لئے انھیں دمشق طلب کیا[2]، یہ منظر ایسا دردانگیز تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی مسلمان متاثر ہوے بغیر نہ رہ سکتا تھا، لوگ جوق جوق آتے تھے اور اس منظر کو دیکھ کر زار زار روتے تھے، چنانچہ فوج سے لیکر امراء و عوام تک سب کے جذبات بھڑک اٹھے اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کے خون کا بدلہ نہ لے لین گے اس وقت نہ بستر پر سوئینگے، اور نہ اپنی بیویون کے پاس جائین گے[3]،

حضرت علیؓ کو حالات کی اطلاع

امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے قاصد جریر بن عبداللہ بجلی کو اس وقت تک روک رکھا تھا، یہ تمام حالات مشاہدہ کرانے کے بعد ان کو واپس کیا، انھون نے جاکر بیان کیا کہ سارا شام معاویہؓ کے ساتھ ہے، وہ لوگ عثمانؓ کے پیراہن پر روتے ہین اور کہتے ہین کہ علیؓ نے عثمانؓ کو قتل کیا ہے، اور ان کے قاتلون کو پناہ دی ہے، اور یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جان دیدینگے یا جان لے کر رہین گے[4]،

حضرت علیؓ کی تیاریان اور مصالحت کی کوششین

حضرت علیؓ پہلے سے امیر معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے آمادہ تھے صرف ان کے آخری جواب کا انتظار تھا، جریر بن عبداللہ بجلی کی واپسی کے بعد آپ کے لئے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا، چنانچہ اسکے انتظامات

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۰، [2] طبری ص ۳۲۵۵، [3] ایضاً،

شروع کردیئے،

یہ دیکھ کر بھی جنگ جمل کا بہا ہوا خون بھی خشک نہ ہونے پایا تھا کہ پھر مسلمانوں کی تلواریں آپس میں بے نیام ہونے والی ہیں، مخلص اور خیر خواہ امت مسلمانوں نے اسے روکنے کی تدبیریں کیں اور شام کے ایک عابد و زاہد بزرگ ابو مسلم خولانی چند آدمیوں کو ساتھ لے کر امیر معاویہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم علی بن ابی طالب سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے ہو، تم کو سبقت اسلام کا شرف حاصل نہیں ہے پھر کس بنیاد پر تم کو ان کی برابری کا دعویٰ ہے، امیر معاویہؓ نے جواب دیا کہ میں فضیلت میں ان کی برابری کا مدعی نہیں ہوتا، آپ کو معلوم ہے کہ عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، ان لوگوں نے کہا ہاں امیر معاویہؓ نے کہا بس ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے ہم ان کی خلافت تسلیم کرینگے، ابو مسلم خولانی نے کہا تم اسے لکھ کر دیدو میں علی کے پاس لے کر جاؤں گا، چنانچہ امیر معاویہ نے یہ خط لکھا،

"اما بعد خلیفہ عثمانؓ تمہارے یہاں تمہاری موجودگی میں قتل کئے گئے تم ان کے گھر کا شور و غل سنتے رہے، اور اپنے قول و عمل سے نہ روکا میں سچی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم سچائی اور اخلاص سے ان کی مدافعت کئے ہوتے تو ہم میں کوئی تمہاری مخالفت نہ کرتا، دوسرا الزام تم پر یہ ہے کہ تم نے قاتلین عثمانؓ کو پناہ دی اور وہ اس وقت تمہارے قوت بازو، تمہارے اعوان و انصار اور تمہارے مشیر کار ہیں ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم عثمان کے خون سے برأت کرتے ہو، اگر تم اس میں سچے ہو تو قاتلوں کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کر دو، ہم سب سے پہلے تمہاری بیعت کے لئے تیار ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہمارے پاس تمہارا جواب صرف تلوار ہی ہے خدا کے واحد

کی قسم ہم لوگ بجز اس کے عثمانؓ کے قاتلوں کو تلاش کرکے قتل کرینگے یا خود جان

دے دینگے،

ابو مسلم یہ خط لے کر کوفہ گئے اور حضرت علیؓ کی خدمت میں پیش کرکے عرض کیا کہ

آپ خلیفہ ہیں، اگر آپ سے حقوق پورے کریں تو خدا کی قسم یہ منصب ہم کسی دوسرے کیلئے

پسند نہیں کرتے، عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے، ان کے قاتلوں کو آپ ہمارے حوالہ کیجئے

آپ ہمارے امیر ہیں، اس کے بعد اگر کوئی شخص آپ کی مخالفت کرے گا تو ہم آپکے مددگار

رہیں گے، اور آپ کے لئے بھی دلیل اور معقول عذر ہو جائے گا،

یہ مطالبہ سنکر حضرت علیؓ نے ابو مسلم کو ٹھہرا لیا اور فرمایا کل اس کا جواب دوں گا، دوسرے

دن ابو مسلم جامع کوفہ میں آپ سے ملے، یہاں دیکھا کہ دس ہزار مسلح آدمی نعرہ لگا رہے

ہیں کہ "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں"، یہ رنگ دیکھ کر ابو مسلم نے کہا معلوم ہوتا ہے انھیں

میرے آنے کا سبب معلوم ہو گیا ہے، اور انھوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر نکالی ہے،

حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے ہر چند اس معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی، لیکن قاتلوں کا حوالہ

کرنا میرے امکان ہی میں نہ تھا، اور امیر معاویہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ

"عثمانؓ کے قتل سے میرا کوئی تعلق نہیں، میں نے کسی کو ان کے خلاف

نہیں بھڑکایا، البتہ جب زیادہ ہنگامہ برپا ہوا تو میں خانہ نشین ہو گیا، مجھکو خوب

معلوم ہے کہ قاتلین عثمانؓ کے حوالہ کرنے کے مطالبہ کو تم اپنے حصول مقصد کا

ذریعہ بنانا چاہتے ہو، اگر تم اس فتنہ انگیزی اور بے راہ روی سے باز نہ آؤ گے

تو جو سلوک باغیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی تمہارے ساتھ کیا جائے گا،

اور عمرو بن العاص کو لکھا:

دنیا کی حرص چھوڑ کر اپنے طرز عمل سے باز آؤ، معاویہؓ کی غلط روی مین ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال برباد نہ کرو،[1]

حضرت علیؓ کی روانگی

لیکن ان خطوط کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، امیر معاویہ اپنی ضد پر اڑے رہے، اس لئے حضرت علیؓ کو چار و ناچار مقابلہ کے لئے نکلنا پڑا، اور آپ حضرت ابو مسعود انصاری کو کوفہ مین اپنا قائم مقام بنا کر ذی الحجہ ۳۶ھ مین اسی ہزار فوج کے ساتھ شام کی طرف بڑھے، اس فوج مین عام مسلمانون کے علاوہ ستر بدری صحابہ سات سو بیعت رضوان کے جان نثار اور چار سو عام مہاجر و انصار صحابہ تھے،[2] فرات کو عبور کرنے کے بعد زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی کو چند ہزار سپاہ کے ساتھ آگے روانہ کر دیا،

عراقی اور شامی مقدمۃ الجیش کا سامنا

امیر معاویہ پہلے سے جنگ کے لئے نکل چکے تھے، ان کا مقدمۃ الجیش حالات کا پتہ چلانے کے لئے ابو الاعور سلمی کی قیادت مین آگے آگے تھا، دوسری طرف زیاد بن نضر اور شریح بن ہانی آرہے تھے، سور روم مین دونون کا سامنا ہوا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے اشتر نخعی کو زیاد کی کمک کے لئے بھیجا، ابو الاعور لوٹ گیا اور امیر معاویہؓ کو عراقی فوج کی نقل و حرکت کی اطلاع دی،

صفین مین شامیون کی مورچہ بندی

یہ اطلاع پانے کے بعد امیر معاویہؓ نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان مین فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دین اور تمام مناسب اور اہم جگہون پر قبضہ کر کے مورچہ قائم کر دیا، اور ابو الاعور کو دس ہزار فوج کے ساتھ فرات کے چشمہ پر متعین کر دیا کہ شامی فوجین پانی تک نہ پہنچنے پائین،

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۷۰ و ۱۷۱، اس مین یہ حالات کسی قدر تفصیل سے ہیں، ہم نے خلاصہ لکھا ہے،

[2] یعقوبی ج ۲ ص ۲۱۰،

حضرت علیؓ کا ورود اور پانی کے لئے کشمکش

اس دوران میں حضرت علیؓ بھی پہنچ گئے اور شامی فوجوں کے قریب ہی فوجیں اتاریں، شامیوں نے پہلے سے اہم مقاموں پر قبضہ کرکے پانی پر پہرا لگا دیا تھا، اس لئے حضرت علیؓ کی فوج کو پانی کے لئے بڑی دشواری پیش آئی، حضرت علیؓ نے پہلے زبانی پیام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندش مناسب نہیں ہے، لیکن شامی پانی دینے کے لئے آمادہ نہ ہوئے، آخر میں مجبور ہو کر حضرت علیؓ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا، چنانچہ عراقی فوج کا ایک دستہ چشمہ پر پہنچا، ابوالاعور نے روکنا چاہا، دونوں میں مقابلہ ہوا، عراقی دستہ نے شکست دے کر چشمہ پر قبضہ کرلیا، قبضہ کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے شامیوں کا پانی بند نہیں کیا، بلکہ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ پانی لے کر لوٹ آئیں[1]، اس واقعہ کے بعد فریقین میں اتنا ارتباط بڑھ گیا کہ وہ بے خوف وخطر آپس میں ملنے جلنے اور ایک دوسرے کے لشکرگاہ میں آنے جانے لگے، اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی،

میدانِ جنگ میں مصالحت کی کوشش

دونوں فوجوں میں غوغا پسند عوام کے علاوہ بہت سے مخلص خیرخواہِ امت علما، صلحا اور حفاظِ قرآن بھی تھے، انکی کوششوں سے تین مہینہ تک جنگ رکی رہی، اس درمیان میں بارہا فریقین نے جنگ چھیڑنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ لوگ درمیان میں پڑ کر روک دیتے تھے، التوائے جنگ کے ساتھ صلح کے لئے خط وکتابت بھی ہوتی رہی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا[2]،

جنگ کا آغاز

جمادی الاول ۳۷ھ سے باقاعدہ جنگ چھڑ گئی جس کا سلسلہ

---

[1] طبری ص ۳۲۶۹ [2] اخبار الطوال ص ۱۸۰ و ۱۸۱ میں اسکی تفصیلات ہیں۔

آخر جمادی الثانی تک قائم رہا، لیکن کوئی بڑی خونریز جنگ نہ ہوئی، بلکہ ایک ایک دستہ میدان میں آتا تھا اور صبح و شام معمولی جھڑپ ہو جاتی تھی، رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی شہر حرم کی حرمت میں جنگ روک دی گئی،

مصالحت کی آخری کوشش اور ناکامی

التوائے جنگ کے بعد خیر خواہانِ امت نے پھر صلح کی کوششیں شروع کر دیں کہ شاید اسی حد پر یہ خانہ جنگی رک جائے اور مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر برباد نہ ہو، چنانچہ حضرت ابو دردا رضی اور حضرت ابو امامہ رضی باہلی امیر معاویہ رضی کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ علی رضی تم سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں پھر تم ان سے کیوں جنگ کرتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا عثمان رضی کے خون ناحق کے لئے، ابو امامہ رضی نے کہا کیا علی رضی نے عثمان رضی کو قتل کیا ہے؟ معاویہ رضی نے جواب دیا اگر قتل نہیں کیا ہے تو قاتلوں کو پناہ دی ہے، اگر وہ انھیں ہمارے حوالہ کر دیں تو میں سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا،

ان دونوں بزرگوں نے واپس جا کر حضرت علی رضی کو معاویہ کا مطالبہ سنایا، اسے سنکر حضرت علی رضی کی فوج سے بیس ہزار آدمی نکل پڑے اور نعرہ لگایا کہ ہم سب عثمان رضی کے قاتل ہیں، یہ رنگ دیکھ کر دونوں بزرگ ساحلی علاقہ کی طرف نکل گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہ لیا[1]،

خونریز لڑائیوں کا سلسلہ

غرض صلح کی جتنی کوششیں ہوئیں سب ناکام رہیں، اور شہر حرام کے ختم ہوتے ہی صفر ۳۷ھ سے فریقین پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئے اور خونریز جنگ شروع ہو گئی جس کا سلسلہ کئی مہینے تک جاری رہا، ان کی تفصیلات بہت

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۰۰ و ۱۰۲ [2] ایضاً ۱۰۱،

طویل ہین، اور انھین لکھنا بے کار ہے، مختصر یہ ہے کہ کئی مہینون تک یہ جنگ جاری رہی، جن مین کم و بیش نوّے معرکے ہوے ان مین پینتالیس ہزار شامی اور پچیس ہزار عراقی کام آئے[1] ہزارون عورتین بیوہ اور لاکھون بچے یتیم ہو گئے۔ درمیان درمیان مین مُردون کی تجہیز و تکفین کے لئے ایک ایک دو دو دن کے لئے جنگ ملتوی ہوتی رہتی تھی،

لیلۃ الحریر کی فیصلہ کن جنگ ان تمام لڑائیون مین فریقین نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، دونون کا پلہ قریب قریب برابر تھا، لیلۃ الحریر کا آخری معرکہ بڑا خونریز تھا، اس مین رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی، میدان جنگ مین کشتون کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کی ندیان بہ نکلین، دوسرے دن صبح کو مُردون کی تجہیز و تکفین کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی، اس سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے پھر تیاریان شروع کر دین،

اس جنگ سے قبل تک فریقین نے بڑی پامردی سے برابر کا مقابلہ کیا تھا، لیکن لیلۃ الحریر کے خونریز معرکہ مین شامی کمزور پڑ گئے تھے، اور عراقی بھی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے تھے، اور دونون فریق کے عاقبت اندیش لوگون کو نظر آ رہا تھا، کہ اگر یہ خونریز جنگ قائم رہی تو مسلمانون کی قوت تباہ ہو جائے گی، اور ان مین غیر مسلمون کے مقابلہ کی طاقت باقی نہ رہ جائے گی، چنانچہ امیر معاویہ نے کہا کہ اگر یہ جنگ قائم رہی تو رومی شام سے ہمارے اہل و عیال کو قید کر لینگے اور فارس کے دہقان عراقیون کے بال بچون کو پکڑ لے جائین گے[2]،

---

[1] ابو الفدا، ج اول ص ۱۷۵ [2] اخبار الطوال ص ۲۰۱،

علوی فوج کے ایک مدبر سردار اشعث بن قیس کندی نے بھی یہ خطرہ محسوس کیا اور اپنی جماعت سے کہا کہ گذشتہ خونریز جنگ کے بعد اگر آیندہ پھر جنگ ہوئی تو عرب تباہ ہو جائے گا اور ہماری عظمت و حرمت اٹھ جائے گی[1]،

لیکن حضرت علیؓ کو اس کا پورا اندازہ ہو گیا تھا، کہ اب شامی کوئی دم مین میدان چھوڑنا چاہتے ہین، اس لئے لیلۃ الہریر کی صبح کو اپنی فوج کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا لوگو اب جنگ آخری حد کو پہنچ چکی ہے، تمہارا حریف آخری سانسین لے رہا ہے[2] فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ،

عمرو بن العاص کی ایک تدبیر اور علوی فوج مین اختلاف

امیر معاویہؓ کو بھی اپنی فوج کی حالت کا اندازہ ہو چکا تھا انھون نے عمرو بن العاص سے مشورہ کیا، انھون نے کہا ایسے وقت کے لئے مین نے پہلے سے یہ تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دین، اس کے قبول اور انکار دونون صورتون مین علیؓ کی فوج مین پھوٹ پڑ جائیگی[3] چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان مین آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو پانچ شامی آگے آگے نیزے پر اٹھائے تھے اور اس کے پیچھے ہزارون قرآن نیزون پر بلند تھے، فضل بن ادہم، شریح جذامی اور ورقا بن معمر نے پکار کر علوی فوج سے کہا، معشر عرب! خدارا اپنی عورتون اور بچون کو فارس اور روم سے بچاؤ[4]، اگر شامی ختم ہو گئے تو رومیون سے شام کی حفاظت کون کرے گا، اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو اہل عجم سے عراق کو کون بچائے گا۔ آؤ ہم تم قرآن کو حکم مان لین، اس کا فیصلہ ہم دونون کیلئے واجب التسلیم ہو[5]

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۰۱، [2] طبری ص ۳۳۲۹ و اخبار الطوال ص ۲۲۱ [3] اخبار الطوال ص ۲۰۲، [4] طبری ص ۳۳۲۹،

یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی، حضرت علیؓ اور ان کی فوج کے بعض دوسرے عاقبت اندیش افسروں نے مخالفت کی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ محض فریب ہے، لیکن ایک بڑی جماعت پر یہ جادو چل گیا، اس نے کہا کہ شامیوں کو اسی کتاب کا پابند بنانے کیلئے تو ہم ان سے لڑ رہے تھے، اب جبکہ وہ خود ہمیں اس کی دعوت دیتے ہیں تو ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے، بعض لوگوں نے یہانتک کہا کہ اگر آپ نے قرآن کو حکم ماننے سے انکار کیا تو ہم آپ سے لڑینگے، اور آپ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دینگے[۱]

دوسری طرف امیر معاویہؓ نے اعلان کرا دیا کہ جنگ بہت طول کھینچ گئی ہے، ہم میں سے ہر فریق اپنے کو حق اور دوسرے کو باطل پر تصور کرتا ہے، اس جھگڑے کو چکانے کے لئے ہم نے قرآن کو حکم ماننے کی دعوت دی ہے، اگر اسے وہ لوگ قبول کرینگے تو فبہا ورنہ پھر ہماری حجت تمام ہو چکی، اس اعلان کے ساتھ حضرت علیؓ کو بھی لکھا کہ اس خونریزی کا مواخذہ میرے اور تمہارے سر ہے، اب میں تم کو اس کے بند کرنے الفت و محبت کو قائم کرنے اور بغض و عناد کو بھلا دینے کی دعوت دیتا ہوں[۲]

تحکیم کی تجویز اور حکم کا انتخاب

حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ انکار کی صورت میں خود ان کی فوج میں پھوٹ پڑ رہی ہے تو چار و ناچار تحکیم کے لئے آمادہ ہو گئے اور جنگ روک دی، آپ کے بعض ہوا خواہوں پر جنگ کا التوا سخت شاق تھا، ان میں اور قرآن کی تحکیم پر اصرار کرنے والوں میں سخت گفتگو ہو گئی اور قریب تھا کہ عراقی فوج میں آپس ہی میں تلواریں نکل آئیں لیکن حضرت علیؓ نے معاملہ رفع دفع کر دیا[۳]

التوائے جنگ کے بعد طے پایا کہ دونوں فریق کی جانب سے ایک ایک حکم

---

[۱] طبری صفحہ ۳۳۳۰ [۲] اخبار الطوال ص ۲۰۴ [۳] طبری ص ۳۳۴۲

مقرر کیا جائے، یہ دونوں کتاب اللہ کی رو سے جو فیصلہ کر دیں وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہو اور جو فریق اس فیصلہ کو نہ مانے حکم اس کے خلاف دوسرے کو مدد دیں،

اس قرارداد کے بعد شامیوں نے عمرو بن العاصؓ کو اپنا حکم بنایا، حضرت علیؓ کی جماعت میں سے ان لوگوں نے جو تحکیم کی حمایت میں تھے اپنی جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا، حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، آپ نے فرمایا مجھ کو ان پر اعتماد نہیں ہے وہ ہماری مخالفت کر چکے ہیں، لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتے تھے، ان کی فہم و تدبر پر بھی ہمیں بھروسہ نہیں ہے، اس لئے ان کے بجائے ابن عباسؓ کو حکم بنایا جائے، لیکن جن لوگوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کیا تھا، اس تجویز پر انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ آپ کے خاص عزیز ہیں، حکم غیر متعلق شخص کو ہونا چاہیئے، حضرت علیؓ نے فرمایا تو پھر اشتر نخعی کو بنایا جائے، اشعث بن قیس نے کہا کہ انھی نے یہ آگ بھڑکائی ہے اس لئے وہ کس طرح حکم ہو سکتے ہیں ؛ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بنیگا تو چارو ناچار ابو موسیٰ اشعریؓ پر راضی ہو گئے[1]،

عمرو بن العاصؓ امیر معاویہؓ کے ساتھ ہی تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری خانہ جنگی سے بچنے کے لئے نواحِ شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے، وہاں سے بلا کر لائے گئے، وہ بڑے سادہ دل بزرگ تھے اس لئے حضرت علیؓ کے بعض مشیروں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ابو موسیٰؓ اس کام کے نہیں ہیں، اس لئے کسی دوسرے کو منتخب کیجئے، آپ نے فرمایا لوگ ان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہوں گے،

تحکیم کا معاہدہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے آنے کے بعد تحکیم کا معاہدہ لکھا گیا، کتابت شروع

[1] طبری ص ۳۳۳۲ و اخبار الطوال ص ۲۰۵،

ہوئی تھی کہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھنے پر امیر معاویہؓ کو یہ اعتراض ہوا کہ اگر ہم انھیں امیر المومنین ہی مانتے تو پھر ان سے جنگ کیوں کرتے، حضرت علیؓ کے بعض حامیوں کو اس پر اصرار تھا، آپ نے فرمایا یہ تو سنت نبوی ہے، حدیبیہ کے معاہدہ میں "رسول اللہ" کے لفظ پر مشرکین کو اسی قسم کا اعتراض ہوا تھا تو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے اسے مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھدیا تھا، اس لئے امیر المومنین کو کاٹ کر علی بن ابی طالب لکھا جائے، چنانچہ امیر المومنین کا لفظ کاٹ دیا اور ایک طویل عہد نامہ مرتب ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے،

علی اور ان کی جماعت نے ابو موسیٰ اشعری کو اور معاویہ اور ان کی جماعت نے عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا ہے، یہ دونوں کسی فریق کی رعایت کے بغیر امت کی خیر خواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق جو فیصلہ کر دینگے وہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا اور جو فریق اس کے ماننے سے انکار کرے گا، حکم اور عام مسلمان اس کے خلاف دوسرے فریق کو مدد دینگے لیکن اگر یہ فیصلہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف ہو یا کسی فریق کی جنبہ داری پائی جائے تو اس کی پابندی ضروری نہیں ہے، اس وقت ہر فریق خود اپنا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہوگا، فیصلہ کے اعلان تک جنگ بالکل ملتوی رہے گی، اور کامل امن وامان قائم رکھا جائے گا، اگر فیصلہ کے اعلان سے قبل دونوں امیروں اور حکموں میں سے کوئی امیر یا حکم مر جائے تو اس کی جماعت کو اس کی جگہ دوسرے امیر اور حکم کے انتخاب کا حق حاصل ہوگا، دونوں حکموں کی جان اور مال محفوظ رہے گا، رمضان تک فیصلہ کا اعلان ہو جانا چاہئے لیکن اگر حکم اس میں کچھ تاخیر کرنا مناسب سمجھیں تو اس مدت میں توسیع کر سکتے ہیں، اگر

مقررہ مدت میں فیصلہ نہ سنایا گیا تو فریقین کو از سر نو جنگ شروع کرنے کا اختیار ہوگا[1]

اس عہدنامہ پر فریقین کے تمام ممتاز لوگوں کے دستخط ہو گئے اور شام و عراق کی سرحد

پر دومۃ الجندل کا مقام فیصلہ کے اعلان کے لئے مقرر ہوا، تکمیل کے بعد معاہدہ کا مضمون دونوں

فریق کی فوجوں میں مشتہر کر دیا گیا، اسے سنکر حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا

جس نے بعد میں خارجی فرقہ کی شکل اختیار کر لی، اس کے حالات آیندہ آئیں گے،

حکمین کی گفتگو معاہدہ کی کتابت کے بعد دونوں حکموں کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، عمرو

ابن العاص بڑے مدبر اور دانشمند تھے انھوں نے پہلے ہی سے تعظیم و تکریم کے ذریعہ ابو موسیٰ

اشعری پر اثر ڈالنا شروع کر دیا، خود خاموش رہتے ہر معاملہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہتے

کہ آپ میرے بزرگ اور رسول اللہ صلعم کے مقتدر صحابی ہیں، پہلے آپ اپنا خیال ظاہر

فرمائیے، بہر حال دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی،

ابو موسیٰ اشعریؓ، ابن العاص ہم کیوں نہ ایسے شخص کو منتخب کریں جس میں خدا کی خوشنودی

اور امت کی فلاح دونوں باتیں حاصل ہوں،

عمرو بن العاصؓ، کس کو،

ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمر جن کا دامن ان ہنگاموں سے بالکل پاک ہے،

عمرو بن العاصؓ، امیر معاویہ پر آپ کو کیا اعتراض ہے،

ابو موسیٰؓ، معاویہ کا کیا رتبہ ہے، وہ کس طرح اس کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

عمرو بن العاصؓ، یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عثمان مظلوم شہید کئے گئے، ان کے

بعد معاویہ ان کے گھر کے متولی اور ان کے قصاص کے دعویدار ہیں،

ابو موسیٰ ہاں یہ صحیح ہے،

[1] یہ عہدنامہ طبری اور ... الطوال سے ملخصاً ... ہے

عمرو بن العاص اگر لوگوں کو ان پر یہ اعتراض ہو کہ وہ قدامتِ اسلام کے شرف سے محروم ہیں تو اس کے جواب میں آپ کے پاس قرآن کی یہ دلیل موجود ہے،

من قتل مظلوما فجعلنا لولیہ سلطانا، — جو شخص مظلوم قتل کیا گیا ہو ہم نے اس کے ولی کو قصاص کا حق دیا ہے،

اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلعم کے صحابی اور ام المومنین ام حبیبہؓ کے بھائی ہیں

ابو موسیٰ ابن العاص خدا سے ڈرو اگر یہی شرف ہے اور استحقاقِ خلافت کیلئے اسی قسم کے شرف کافی ہو سکتے ہیں تو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سلاطینِ یمن کی اولاد ابرہہ بن صباح ہوتا جن کی حکومت مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھی، یہ کوئی شرف نہیں ہے، خلافت صاحب فضل اور اہل دین کا حق ہے، پھر شرف میں علیؓ اور معاویہؓ کا کیا مقابلہ، اگر میں سب سے افضل و اشرف قریشی کے حق میں فیصلہ کرنے والا ہوتا تو علیؓ کے حق میں کرتا، تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ قصاص عثمان کے ولی ہیں، تو اس کا حق سب سے زیادہ عثمان کے لڑکے عمرو کو ہے، مہاجرین اولین کے مقابلہ میں میں کسی طرح معاویہ کو خلیفہ نہیں بنا سکتا، ہاں اگر تم چاہو تو عبد اللہ الحبر کو خلیفہ بنا کر عمر بن الخطاب کا نام زندہ کردیں

عمرو بن العاص، تو پھر میرے لڑکے عمرو میں کیا خرابی ہے، اس کے علم و فضل اور شرف و مناقب سے آپ واقف ہیں،

ابو موسیٰ، بیشک تمہارا لڑکا صالح اور اہل ہے لیکن اس فتنہ میں شرکت سے اسکا دامن داغدار ہو گیا ہے، آؤ طیب بن طیب عبد اللہ بن عمر کو خلیفہ بنا دیں،

عمرو بن العاص، خلیفہ ایسے شخص کو ہونا چاہیئے جو ایک داڑھ سے خود کھائے اور دوسری سے دوسروں کو کھلائے،

ابو موسیٰ، ابن العاص! آپس مین خانہ جنگی اور خونریزی کے بعد مسلمانون نے یہ معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے، اب ان کو دوبارہ اس فتنہ مین نہ ڈالو،

عمرو بن العاص، پھر آپ کیا کہتے ہین،

ابو موسیٰ، میری راے تو یہ ہے کہ ان دونون کو معزول کر کے مسلمانون کو نئے سرے سے خلیفہ کے انتخاب کا حق دیا جائے،

عمرو بن العاص مجھے اس سے اتفاق ہے، امت کی بھلائی اسی مین ہے[1]،

فیصلہ کا اعلان اس فیصلہ کے بعد دونون حکم اسے سنانے کے لئے دومۃ الجندل آئے دونون فریق نے چند سو آدمی اپنے اپنے حکم کے ساتھ کر دیئے تھے، یہ فیصلہ امت کی قسمت کا فیصلہ تھا اس لئے ہزارون مسلمان اور بہت سے اکابر صحابہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، مغیرہ بن شعبہؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ جو اس جنگ مین غیر جانبدار تھے، فیصلہ سننے کے لئے آئے[2] بعض عاقبت اندیش اور سمجھدار لوگون کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی سادہ دلی اور عمرو بن العاصؓ کی ہوشمندی سے خطرہ تھا کہ عمرو بن العاصؓ اس پر قائم نہ رہین گے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اس خطرہ سے مطلع کیا کہ اگر آپ دونون کسی فیصلہ پر متفق ہو چکے ہون تو اس کے اعلان مین خود پیشقدمی نہ کیجئیگا، بلکہ پہلے عمرو بن العاص سے اعلان کرائیگا، وہ چالاک آدمی ہین، مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپ نے پہلے اعلان کیا تو عمرو بن العاصؓ دھوکا دے جائین گے، لیکن حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سب کو سچا مسلمان سمجھتے تھے، فرمایا یہ نہین ہو سکتا، ہم دونون ایک فیصلہ پر متفق ہو چکے ہین[1]،

---

[1] اس گفتگو میں طبری اور اخبار الطوال کے بیانات مین بعض جزوی اختلافات ہین، ہم نے دونون کے بیانات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، [2] اخبار الطوال ص ۲۱۰،

غرض مقررہ تاریخ پر دونوں حکموں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا ہزاروں مسلمان اسکے اشتیاق میں جمع تھے حضرت ابو موسیٰ اشعری رض نے عمرو بن العاص رض سے کہا پہلے تم سناؤ، انھوں نے کہا آپ ہر فضل و منقبت میں مجھ سے افضل ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے میں اسکی جرأت نہیں کرسکتا حضرت ابو موسیٰ رض پر یہ یہ جادو چل گیا، چنانچہ انھوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلہ کا اعلان کیا،

اما بعد لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا اس امت کے اتحاد و اتفاق اور اصلاح کی اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہ آئی کہ علی رض اور معاویہ رض دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے عام مسلمان جسے اہل سمجھیں اسے منتخب کرلیں، اس لئے میں علی اور معاویہ دونوں کو معزول کرتا ہوں، آئندہ تم جسے پسند کرو اپنا خلیفہ بناؤ،

ان کے بعد عمرو بن العاص نے اپنا فیصلہ سنایا،

اما بعد لوگو! ابو موسیٰ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا، انھوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا، میں بھی اسکو معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں وہ امیر المومنین عثمان کے ولی اور انکے قصاص کے طالب ہیں، اس لئے انکی قائم مقامی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں،

یہ فیصلہ سنکر حضرت ابو موسیٰ چلائے کہ یہ غداری یہ بے ایمانی، انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلہث او تترکہ یلہث تمہاری مثال کتے کی ہے کہ خواہ اس پر لادو تب بھی وہ ہانپتا رہتا ہے اور چھوڑ دو تب بھی ہانپتا رہتا ہے، عمرو بن العاص بولے ومثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا، اور تمہاری چارپاے (گدھا) بر وکتابے چند کی ہے،

اس فیصلہ سے حضرت علی رض کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص رض کو کوڑے برسانا شروع کر دیئے، لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا، شامی ابو موسیٰ کی تلاش میں تھے وہ یہ رنگ دیکھ کر مکہ نکل گئے،

اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہ رض کے حامیوں نے انھیں باضابطہ خلیفہ تسلیم کر لیا،[1]

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۴ وطبری

خوارج کی سرکشی یہ فیصلہ ایسا نامنصفانہ تھا کہ اسے کوئی حق پسند تسلیم نہیں کرسکتا تھا اس لئے فیصلہ کے اعلان کے بعد حضرت علیؓ نے امیر معاویہ سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کردیں ابھی آپ اس میں مشغول تھے کہ خارجیوں نے عراق میں اتنی شورش اور بدامنی پھیلائی کہ آپ کو فی الحال امیر معاویہ کے مقابلہ کا خیال ملتوی کرکے ادھر متوجہ ہونا پڑا،

اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ شروع میں حضرت علیؓ نے تحکیم کی تجویز کی مخالفت کی تھی لیکن پھر اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اس کے قبول کرنے کی مجبور ہو گئے تھے پھر اسی میں سے ایک جماعت تحکیم کے خلاف ہوگئی اور تحکیم کو کفر قرار دیا، یہی جماعت بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئی، اسی زمانہ میں دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ خدا کے علاوہ کسی انسان کو حکم نہیں بنایا جاسکتا، آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیجئے" لیکن تحکیم کا عہدنامہ لکھا جاچکا تھا، اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے خود اسکی مخالفت کی تھی لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے مجبور کیا، اب عہدنامہ لکھ چکا ہوں اس کو نہیں توڑ سکتا، خدا فرماتا ہے کہ "جو عہد کرو اسے پورا کرو" خوارج نے ان کو بہت مجبور کیا، لیکن آپ آمادہ نہ ہوئے، آخر میں انھوں نے دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑیں گے، آپ نے فرمایا تو تمھاری لاشیں خاک و خون میں تڑپیں گی[1]،

یہ واقعہ تحکیم کے قبل کا ہے، اسی وقت سے خارجی فرقہ کی بنیاد پڑ گئی تھی، فیصلہ کے اعلان کے بعد خارجیوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے

[1] اخبار الطوال ص ۲۱۶، و ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۳،

حضرت علیؓ کی کھلی مخالفت شروع کردی، اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ معاملاتِ دین میں انسان کو حکم بنانا کفر ہے، اور حکم اور اس فیصلہ کے ماننے والے سب کافر ہیں اور ان سے جہاد فرض ہے[1]، ان عقائد کی اشاعت کر کے کوفہ، بصرہ، مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں ایک معتد بہ جماعت اپنی ہم خیال بنالی اور کوفہ کے خوارج خفیہ نہروان روانہ ہو گئے، اور دوسرے شہروں کے خوارج کو اس کی اطلاع دیدی،

مدائن کے والی سعید بن مسعود کو ان کی نقل و حرکت کی اطلاع ہو گئی، انھوں نے تعاقب کیا، کرخ میں دونوں کا سامنا ہوا، سعید کے ساتھیوں نے کہا کہ ان کے بارہ میں امیر المومنین کا کوئی حکم نہیں ہے، اس لئے اس وقت ان سے مزاحمت نہ کیجئے، پہلے امیر المومنین سے لکھ کر دریافت کر لیجئے، اس مشورہ پر سعید نے ان کا راستہ چھوڑ دیا،

نہروان میں اجتماع کوفہ سے نکلنے کے قبل ان لوگوں نے بصرہ وغیرہ کے خارجیوں کو نہروان میں اجتماع کی خبر دے دی تھی، چنانچہ بصرہ سے پانچسو کی جماعت روانہ ہوئی، یہاں کے والی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے ابوالاسود دولی کو ان کے تعاقب میں روانہ کیا، انھوں نے تستر میں انھیں پکڑ لیا، لیکن رات ہو چکی تھی اسلئے خارجی نکل گئے، اور نہروان میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے، راستہ میں انھیں جو مسلمان ملتا تھا اس سے سوال کرتے تھے کہ حکمین کے بارہ میں تمھاری کیا رائے ہے، اگر وہ برأت ظاہر کرتا تو چھوڑ دیتے، ورنہ قتل کر دیتے[2]،

خوارج کو دعوتِ اتحاد یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت علیؓ امیر معاویہؓ کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، یہ حالات سن کر آپ نے خوارج کو خط لکھا،

---

[1] طبری و اخبار الطوال، [2] اخبار الطوال ص ۲۱۹،

"ہم نے جن آدمیون کو حکم بنایا تھا، انھون نے اپنے نفس کی پیروی کرکے کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ کیا، اس لئے ہم نے اس فیصلہ سے برأت ظاہر کی اور آپ پھر پہلی حالت پر آگئے ہین (یعنی جنگ) ہم اپنے اور تمھارے دشمنون کے مقابلہ کے لئے جارہے ہین، خدا تم پر رحم کرے، تم بھی ہمارا ساتھ دو، ہم اس وقت تک مقابلہ کرینگے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے"

خوارج نے اس خط کا یہ جواب دیا،

"اما بعد تم کو اس فیصلہ پر خدا کے لئے نہیں بلکہ اپنے نفس کے خاطر برہمی ہے، اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کرکے توبہ کرو تو ہم تمھارے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہین، اور اگر ایسا نہین کرتے تو ہم تم سے لڑینگے، خدا خیانت کرنے والون کی چال کی ہدایت نہین کرتا"[1]

اس جواب کے بعد بھی آپ نے تیاریان جاری رکھین اور صوبون کے عمال کو اپنی اپنی فوجین لے کر آنے کا حکم دیا، آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوجین جمع ہوگئین، لیکن اس درمیان مین خارجیون کی فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی، کسی مسلمان کی جان ان کے ہاتھ سے محفوظ نہ تھی جو شخص ان کے خیالات کی تائید نہ کرتا اسے بے دریغ قتل کر دیتے، چنانچہ ایک صحابی عبداللہ بن خباب کو اسی جرم مین شہید کر دیا، اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کرکے بے دردی سے قتل کر دیا، قبیلہ طے کی کئی عورتون کو مار ڈالا، ان کی یہ فتنہ انگیزی دیکھ کر لوگون نے حضرت علیؓ سے عرض کیا امیر المومنین آپ اس فتنہ انگیزی کے لئے خارجیون کو آزاد چھوڑ کر کہان کا قصد فرمارہے

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۰، [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶،

ہیں جو آپ کی عدم موجودگی میں بے خطر ہو جائیں گے، پہلے ان کی سرکوبی کیجئے اور انھیں مطیع بنا کر مسلمانوں کو ان کے مخاوف سے بچائیے اس کے بعد شام کا قصد فرمائیے گا!

خوارج کی فتنہ انگیزیوں اور لوگوں کی درخواست پر مجبور ہو کر حضرت علیؓ نے فی الحال شام کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور خارجیوں کے مقابلہ کے لئے نہروان روانہ ہو گئے

اتمام حجت خارجی یہاں پہلے سے جمع تھے حضرت علیؓ کے پہنچتے ہی صف آرائی شروع ہو گئی، جنگ چھڑنے سے پہلے آپ نے خارجیوں کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ "تمھارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالہ کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دینگے، شاید خدا تم کو راہ راست پر لے آئے، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے قتل کیا ہے اور ہم تمھارا اور ان کا دونوں کا خون مباح سمجھتے ہیں[1]

اس جواب کے بعد آپ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ اور قیس بن سعدؓ انصاری کو سمجھانے کے لئے بھیجا، ان دونوں بزرگوں نے ہر چند راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے، آخر میں آپ خود اتمام حجت کے لئے تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کی،

"اے وہ گروہ جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے تم لوگ شبہہ اور غلطی میں مبتلا ہو، میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو، اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمھارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے، کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۲۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ [3] ایضاً،

سرپنچوں سے یہ شرط لی تھی کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے، میں نے
تم کو اسی وقت آگاہ کر دیا تھا کہ تحکیم کی تجویز محض فریب ہے، لیکن تم ہی نے
اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا، میں نے اسی شرط پر اسے منظور کیا تھا کہ دونوں
حکم اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے اور اس کو ختم کرینگے
جسے قرآن نے ختم کیا ہے، لیکن حکموں نے خواہشِ نفس پر عمل کر کے کتاب و سنت
کی مخالفت کی، اس لئے ہم نے ان کے فیصلہ کو رد کر دیا، اب ہم پھر پچھلی حالت پر لوٹ آئے

خوارج نے اس کا یہ جواب دیا،

جب ہم نے حکم کی تجویز قبول کی تھی، اس وقت کافر
ہو گئے تھے، اب ہم نے توبہ کر لی ہے، اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو
ہم تمہارے ساتھ ہیں، ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، حضرت علیؓ نے فرمایا
اگر میں کفر کا اقرار کر لوں تو گمراہی میں مبتلا ہونگا، مناسب صورت یہ ہے کہ
تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لئے بھیجو، اگر وہ مجھے قائل کر دے
تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کر لوں گا، اور اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو
خدا سے ڈرنا چاہئے،[1]

اس تجویز پر خارجیوں نے عبد اللہ بن الکوار کو گفتگو کرنے کے لئے بھیجا، دونوں میں
مباحثہ ہوا، لیکن خوارج اپنی رائے سے بالکل ہٹنا نہ چاہتے تھے، اس لئے کوئی نتیجہ نہ نکلا
اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر مقابلہ میں آنا پڑا،

جنگ شروع کرنے سے پہلے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو امان کا علم دے کر

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱ و ۲۲۲،

اعلان کرا دیا کہ جو شخص اس علم کے نیچے آجائے یا لوٹ جائے یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے وہ مامون ہے، اس اعلان پر ایک خارجی سردار فردہ بن نوفل اشجعی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہمارے پاس علیؓ سے جنگ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اس لئے لوٹ چلنا چاہئے اور اس وقت تک کوئی حصہ نہ لینا چاہئے جب تک ان سے لڑنے یا ان کی پیروی کرنے کے کسی ایک نتیجہ پر نہ پہنچ جائیں، چنانچہ وہ پانچسو آدمیوں کو لے کر لوٹ گیا، ایک اور جماعت کوفہ واپس چلی گئی، ایک ہزار حضرت علیؓ کے جھنڈے کے نیچے آگئے، اور عبداللہ بن وہب راسبی کے ساتھ بہت تھوڑی تعداد رہ گئی،

جنگ اور خوارج کی شکست

اس وقت بھی حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں کو جنگ کی ابتدا کرنے سے روکے رکھا، تا آنکہ خود خارجیوں نے لاحکم الا للہ کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کیا کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت علیؓ کا پیدل دستہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا، اور خارجی علوی فوج کے میمنہ اور میسرہ پر ٹوٹ پڑے اور اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضا رکٹ کر الگ ہو جاتے تھے، لیکن اس حالت میں بھی وہ لڑتے رہتے تھے، ایک خارجی شریح بن ابی اوفی کا پاؤں کٹ گیا، وہ اسی حالت میں لڑتا رہا،[1]

حضرت علیؓ کی فوج نے بھی پوری شجاعت سے مقابلہ کیا، بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو نہایت فاش شکست ہوئی، اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۳۶ و اخبار الطوال ص ۲۲۴،

شام کا قصد اور علوی فوج کی کمزوری

خارجیون کی مہم سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو پھر امیر معاویہ کے مقابلہ کے لئے ابھارا کہ "خدا نے تم کو ایک دشمن کے مقابلہ مین کامیاب کیا ہے اب یہین سے اپنے دوسرے دشمن کے مقابلہ مین روانہ ہو جاؤ"، لیکن اس وقت اس کی ہمت پست ہو رہی تھی، اشعث بن قیس کندی نے عرض کیا، امیر المومنین ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہین، تلوارین کند ہو گئی ہین، نیزون کے پھل خراب ہو گئے ہین، اس لئے اس وقت گھر لوٹ چلیئے، تاکہ ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے اچھی طرح تیاری کرلین، ان کے اس عذر پر حضرت علیؓ نے کوچ کا حکم دیا، مقام نخیلہ مین فوج نے منزل کی، یہان سے لوگون نے اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا شروع کیا، اور آپ کے ہمراہ کل ایک ہزار آدمی رہ گئے، یہ صورت دیکھ کر حضرت علیؓ کوفہ لوٹ آئے،

مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ

عثمانی عمال کو معزول کرنے کے بعد حضرت علیؓ نے مصر کی ولایت پر حضرت قیس بن سعد کو جو ایک مقتدر صحابی تھے مقرر کیا تھا، یہ بڑے مدبر اور مصلحت شناس تھے، انھون نے بڑی ہوشیاری سے مصریون سے حضرت علیؓ کی بیعت لے لی تھی، صرف ایک مقام خربتا کے باشندون نے جو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے زیادہ متاثر تھے بیعت نہین کی، قیس نے انھین چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور کہلا دیا کہ ہم تم کو بیعت پر مجبور نہین کرتے اور تمھاری ہر خدمت کے لئے آمادہ ہین، ان کی اس پالیسی کا یہ اثر ہوا کہ گو اہل خربتا نے بیعت نہین کی لیکن خراج دینے مین کوئی تامل نہین کیا، یہ واقعہ جنگ جمل کے پہلے کا ہے،

قیس بن سعد عرب کے نامور مدبر تھے اسلئے امیر معاویہ جب حضرت علیؓ کے مقابلہ کیلئے

کھڑے ہوتے تو عمرو بن العاص کی طرح انھین بھی ملانا چاہا چنانچہ ان کو خط لکھا کہ "تم بھی قاتلین عثمانؓ کے ساتھ ہو اگر ان کا ساتھ چھوڑ کر طالبین قصاص کے زمرہ مین شامل ہو جاؤ تو ہم تمھارا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہین، تاحیات عراق کی حکومت تمھارے لئے مخصوص ہوگی، حجاز کی حکومت پر تم کو اختیار ہوگا، جس کو چاہنا حاکم بنانا، اس کے علاوہ اور جو تم چاہو مین سب پورا کرنے کے لئے تیار ہون، اگر تم کو یہ منظور ہے تو اپنی رائے لکھو"

اس وقت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی کشمکش کا آغاز تھا، ملک کی حالت مذبذب تھی، اس لئے قیس نے گول جواب دیا، امیر معاویہؓ بڑے جہاندیدہ تھے وہ سمجھ گئے انھون نے لکھا کہ "تم نے بھی کیا جواب دیا ہے، اس سے نہ تم کو دوست ہی سمجھا جاسکتا ہے کہ تمھاری طرف سے اطمینان رکھا جائے اور نہ دشمن یقین کیا جاسکتا ہے کہ تم سے مقابلہ کیا جائے، میرے جیسا شخص تمھارے فریب مین نہین آسکتا، میرے پاس کافی قوت ہے" قیس بنؓ سعد نے اس کا نہایت سخت جواب دیا کہ "مجھ کو تمھاری عقل پر حیرت ہے، تم مجھ کو ایک مستحق خلافت، حق گو، حق پرست، سب سے زیادہ ہدایت یاب اور رسول اللہ صلعم کے قریب عزیز کے مقابلہ مین ایک جھوٹے گمکردہ راہ اور رسول اللہ صلعم سے دور شخص کی اطاعت کی دعوت دیتے ہو، تم مجھے اپنی قوت کی دھمکی دیتے ہو، یاد رکھو کہ تم کو خود اپنے لالے پڑجائینگے"

قیس کا حضرت علیؓ کے ساتھ رہنا امیر معاویہؓ کے مصالح کے بالکل خلاف تھا ان کی موجودگی مین مصر ان کے قبضہ مین نہین آسکتا تھا، انھون نے جب دیکھا کہ قیس طمع اور خوف سے ان کے دام مین آنے والے نہین ہین تو مشہور کرنا شروع کردیا کہ قیس ہمارے خاص آدمی ہین اور شامیون کو منع کردیا کہ ان کو برا بھلا نہ کہو، وہ

ہمارے ساتھ ہین خفیہ ان کی خیر خواہی کے خطوط ہمارے پاس آتے رہتے ہین، دیکھو ہمارے ہم خیال خربتا والون کے ساتھ ان کا سلوک کتنا بہتر ہے' ان کے روزینے اور عطیے جاری ہین، اس شہرت کے ساتھ اپنے نام قیس کا ایک فرضی خط بھی پڑھکر سنا دیا، جس مین حضرت عثمانؓ کے قصاص کی دعوت پر پسندیدگی کا اظہار تھا، شام کے علوی جاسوسون نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن جعفر بن ابی طالب کو اسکی اطلاع دی' انھون نے حضرت علیؓ کو پہنچا دیا، آپ کو اس کے یقین کرنے مین تامل ہوا، لیکن ان دونون نوجوانون نے قیس کی معزولی پر اصرار کیا، اسی دوران مین قیسؓ بن سعد کا ایک خط پہنچا، اس مین انھون نے اہل خربتا کی حالت اور ان کے ساتھ اپنے طرز عمل کی اطلاع دی تھی، اس سے گویا محمدؓ بن ابی بکر اور محمدؓ بن جعفر کو قیسؓ کے خلاف ایک دلیل ہاتھ آگئی انھون نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے قیسؓ کے نام اہل خربتا سے جنگ کرنے کا فرمان لکھا دیا، قیس نے جواب مین لکھا، کہ "آپ ایسے لوگون سے جنگ کرنے کا حکم دے رہے ہین جو اب تک غیر جانبدار ہین، جہان ان کو چھیڑا گیا وہ آپکے دشمن کے ساتھ ہو جائینگے، میرا مشورہ قبول کیجئے ان سے تعرض نہ فرمائیے"

لیکن حضرت علیؓ کی رائے پر دونون نوجوان غالب آگئے تھے محمدؓ بن جعفر نے حضرت علیؓ کو مجبور کر کے محمدؓ بن ابی بکر کو مصر بھجوا دیا، قیس بن سعد کو یہ فطرۃً ناگوار ہوا، انھون نے محمدؓ بن ابی بکر سے پوچھا امیر المومنین نے مصر کی حکومت مین کسی اور کو بھی شریک کر دیا ہے، انھون نے جواب دیا، نہین حکومت آپ ہی کے ہاتھون مین رہیگی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دو عملی نہین چل سکتی تھی، خصوصاً جب کہ ابن ابی بکر قیسؓ کی پالیسی کے بالکل خلاف تھے، اس لئے قیسؓ مستعفی ہو کر مدینہ چلے گئے، (ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۷ و ۱۰۸)

قیس رضؓ حضرت علیؓ کے سچے خیر خواہ تھے، اس لئے مصر چھوڑتے وقت محمد بن ابی بکرؓ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر اپنی پالیسی بتادی،

محمد بن ابی بکرؓ بالکل ناتجربہ کار تھے، جوانی کا جوش تھا، پالیسی سے کام لینے کے بجائے خربتاویون پر فوجکشی کردی، یہ لوگ بڑے شجاع و بہادر تھے، محمد کو فاش شکست ہوئی، ان کی اس ناتجربہ کاری سے سب سے بڑا نقصان یہ پہنچا، کہ پہلے ایک مقام کے لوگ حضرت علیؓ کے خلاف تھے، محمد بن ابی بکر کے طرز عمل نے اور لوگون کو بھی مخالف بنادیا، اور معاویہ بن خدیج کندی نے جو مصر کے ایک مقتدر رئیس تھے، علانیہ قصاص عثمان رضؓ کی دعوت شروع کردی، اس طرح مصر کی فضا مسموم ہوگئی[1]

حضرت علی رضؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اشتر نخعی کو ان کی مدد کے لئے بھیجا، لیکن امیر معاویہؓ کے اشارہ سے راستہ ہی مین ان کا کام تمام کردیا گیا،

اشتر نخعی کو ختم کرانے کے بعد امیر معاویہؓ نے مسلمہ بنؓ مخلد انصاری اور معاویہ بن رضؓ خدیج کندی سے مصر پر فوجکشی کے بارہ مین خط و کتابت کی، انھون نے لکھا تم فوراً آؤ، ہم سب تمھارے منتظر ہین، تم کو ضرور کامیابی ہوگی، یہ جواب آنے کے بعد امیر معاویہؓ نے لوگون کے مشورہ سے عمرو بنؓ العاص کو چھ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کردیا، یہان کا عثمانی گروہ سرحد پر ان سے مل گیا، انھون نے محمد بنؓ ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ مصر کے باشندے تمھارے خلاف ہوچکے ہین اور تمھارا ساتھ چھوڑ چکے ہین، اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ تم کو ہمارے حوالہ کردینگے، اس لئے میرا خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ تم مصر چھوڑ دو مین نہین چاہتا کہ میرے ہاتھ سے تم کو کوئی نقصان پہنچے[2]

---

[1] طبری ص ۳۹۲، [2] ایضاً صفحہ ۳۰۴۱

محمد بن ابی بکر نے یہ خط حضرت علیؓ کے پاس بھجوا دیا، وہاں سے مقابلہ کرنے کا حکم آیا، محمدؓ بن ابی بکر چار ہزار فوج لے کر مقابلہ کے لئے نکلے، مقدمۃ الجیش کی کمان کنانہ ابنؓ بشر کے ہاتھوں میں تھی، یہ بڑے شجاع و بہادر تھے، شجاعت و پامردی کے ساتھ شامیوں کا مقابلہ کیا، جو دستہ آگے بڑھاتھا، کنانہ اسے پسپا کر دیتے تھے، یہ رنگ دیکھ کر عمروؓ بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو اشارہ کیا، انھوں نے کنانہ کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شامی ان پر ٹوٹ پڑے، کنانہ نے گھوڑے سے اتر کر لڑنا شروع کر دیا، لیکن تنہا ایک شخص کا ایک جم غفیر سے مقابلہ کرنا مشکل تھا، بالآخر وہ لڑتے لڑتے مارے گئے کنانہ مصری فوج کے قوت بازو تھے، ان کے قتل ہوتے ہی مصریوں نے میدان چھوڑ دیا، محمد بن ابی بکر روپوش ہو گئے، لیکن معاویہ بن خدیج نے ڈھونڈھ نکالا اور عمروؓ بن العاص نے نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کرادیا[1]، اور مصر پر ۳۸ھ میں ان کا قبضہ ہو گیا، امیر معاویہ نے وعدہ کے مطابق عمرو بن العاص کو مصر کا والی بنایا،

حضرت علیؓ کے مقبوضات پر امیر معاویہ کی پیشقدمی اور اسکے نتائج

امیر معاویہؓ کے قبضہ میں صرف شام و مصر تھے، ان کے علاوہ سارا عرب و عجم حضرت علیؓ کے زیرنگین تھا، اس لئے مصر پر قبضہ کے بعد امیر معاویہ نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف قدم بڑھایا، اس کی تفصیلات میں پڑنا بے کار ہے، مختصر حالات یہ ہیں،

سب سے اول ۳۹ھ میں نعمان بن بشر کو دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ عین التمر روانہ کیا، یہاں کے علوی حاکم مالک بن کعب نے شکست دی،

اسی سنہ میں سفیان بنؓ عوف کو چھ ہزار فوج دے کر انبار و مدائن روانہ کیا،

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۳

وہ ہیت ہوتے ہوئے انبار پہنچے اور یہان کی محافظ سپاہ کے افسر اشرف بن حسان البکری
کو قتل کر کے انبار مین جو کچھ ملا لوٹ لیا، حضرت علیؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپ نے
سعید بن قیس کو سفیان بن عوف کے تعاقب مین روانہ کیا، مگر وہ جا چکے تھے،

عبداللہ بن مسعدہ فزاری کو اہل بادیہ سے صدقہ وصول کرنے کے لئے تیمار روانہ کیا، وہ
یہ فرض انجام دیتے ہوئے مکہ اور مدینہ پہنچے، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسیب بن نجبہ فزاری
کو مقابلہ کے لئے بھیجا، تیمار مین دونون کا مقابلہ ہوا، عبداللہ بن مسعدہ زخمی ہو کر قلعہ بند ہو گئے
کچھ شامی بھاگ نکلے، مسیب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے آگ لگا دی، لیکن پھر عبداللہؓ
کے پناہ مانگنے پر چھوڑ دیا، اور وہ باقی ماندہ ساتھیون کو لے کر لوٹ گئے،

اسی سنہ مین معاویہؓ نے ضحاک بن قیس کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ واقوصہ کے
نشیبی علاقہ مین حضرت علیؓ کے باجگذار اعراب پر تاخت کرنے کے لئے بھیجا، یہ ثعلبیہ
پر تاخت کرتے ہوئے قطقطانہ پہنچے، حضرت علیؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حجر بن عدی
کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا تدمر مین دونون کا سامنا ہوا، حجر نے ان کے انیس۱۹
آدمیون کو قتل کیا، اور شامی رات کی تاریکی مین نکل گئے،

ذی الحجہ ۳۹ھ مین معاویہؓ نے یزید بن شجرہ رہاوی کو اپنی طرف سے امیر الحج
بنا کر مکہ سے حضرت علیؓ کے عامل کو نکالنے اور وہان کے لوگون سے اپنی بیعت لینے
کے لئے بھیجا، یہان کے علوی حاکم قثم بن عباس کو اس کی خبر ہوئی تو انھون نے
اہل مکہ کو یزید کے مقابلہ کے لئے ابھارا، لیکن شیبہ بن عثمان کے سوا کوئی آمادہ نہ ہوا،
اس لئے قثم نے حضرت علیؓ کو اطلاع دے کر مکہ چھوڑ دینا چاہا، لیکن حضرت ابوسعید خدری
نے روکا، اس دوران مین شامی پہنچ گئے، لیکن کسی سے تعرض نہین کیا، قثم حضرت علیؓ

کو اطلاع دے چکے تھے، وہاں سے ریان بن ضمرہ اور ابوالطفیل فوجیں لے کر مقابلہ کے لئے پہنچے، لیکن ابن شجرہ نے خود ہی اعلان کردیا کہ ہم حرم کے امن وامان میں خلل ڈالنا نہیں چاہتے، ہاں سے البتہ جنگ کریں گے جو ہم سے لڑے گا، اور حضرت ابوسعید خدری سے درخواست کی کہ میں حرم میں تفریق پسند نہیں کرتا، میرے اور قثم کے علاوہ کسی ایسے تیسرے آدمی کو امام بنا دیجئے، جس پر سب کا اتفاق ہو، یہ تجویز معقول تھی، اس لئے حضرت ابوسعید خدری نے قثم سے کہا وہ الگ ہو گئے اور لوگوں نے شیبہ بن عثمان کو امیر بنایا، چنانچہ ۳۹ھ کا حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوا، اختتام حج کے بعد ابن شجرہ واپس گئے،

اسی سنہ میں امیر معاویہ نے عبدالرحمن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ بھیجا، یہاں کے حاکم شبیب بن عامر نصیبین میں تھے، انھوں نے کمیل بن زیاد کو اطلاع دی، وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر مدد کو پہنچے اور عبدالرحمن کو نہایت سخت شکست دی، شامیوں کی بڑی تعداد کام آئی، اور ان کا کل سامان کمیل کے قبضہ میں آیا، اس کے بعد شبیب بھی پہنچ گئے، اس وقت شامی شکست کھا کر واپس جا چکے تھے، شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کرایا، امیر معاویہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے فوراً حبیب ابن مسلمہ کو شبیب کے مقابلہ کے لئے بھیجا، لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چکے تھے،

اسی سنہ میں زہیر بن مکحول کو صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا، حضرت علی کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنی جانب سے عبداللہ اشجعی کو کلب اور بکر بن وائل سے صدقہ وصول کرنے کے لئے روانہ کیا، ان میں اور زہیر میں جنگ ہوئی، جعفر کام آئے

دومۃ الجندل کے باشندے غیر جانبدار تھے، انھون نے اب تک حضرت علیؓ اور معاویہؓ کسی کی بیعت نہ کی تھی، امیر معاویہؓ نے سلم بن عقبہ کو ان سے بیعت لینے کیلئے بھیجا، لیکن یہ لوگ آمادہ نہ ہوئے، حضرت علیؓ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے مالک بن کعبؓ کو اپنی بیعت کے لئے بھیجا، ان مین اور مسلم بن عقبہ مین جنگ ہوئی، مسلم شکست کھاکر لوٹ گئے، اس کے بعد مالک نے بیعت لینی چاہی، دومۃ الجندل والون نے کہا کہ جب تک کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے گا، اس وقت تک ہم کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرین گے، اس جواب پر مالکؓ نے زیادہ اصرار نہین کیا اور لوٹ آئے،

ابھی تک حجاز جس کی بیعت و حکومت پر خلافت کا فیصلہ ہوتا تھا حضرت علیؓ کے قبضہ مین تھا، سنہ ۴۰ھ مین امیر معاویہؓ نے مشہور جفاکار بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا، یہان کے علوی والی حضرت ابو ایوبؓ انصاری نے حرم نبویؐ کے احترام کے خیال سے مزاحمت مناسب نہ سمجھی اور مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے گئے، بسر بن ارطاۃ نے مدینہ مین داخل ہوکر تقریر کی کہ "ہمارے شیخ (حضرت عثمان بن عفانؓ) جن سے ہم نے بیعت کا عہد کیا تھا، کہان ہین؟ اگر مین معاویہؓ سے عہد نہ کر چکا ہوتا تو خدا کی قسم یہان ایک بالغ کو بھی زندہ نہ چھوڑتا، جب تک تم لوگ جعفر بن عبد اللہ کو میرے حوالہ نہ کروگے، اس وقت تک امان کے دروازے تمہارے لئے بند ہین، جابر نے یہ اعلان سنا تو وہ چھپ کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گئے اور عرض کیا اگر معاویہؓ کی بیعت کرتا ہون تو گمراہی کی بیعت ہے اور اگر نہین کرتا تو جان سے ہاتھ دھوتا ہون، انھون نے بیعت کر لینے کا مشورہ دیا، ان کے ارشاد پر جابر نے بیعت کر لی، اس کے

بعد بسر اہل مدینہ کے دلون مین ہیبت بٹھانے کے لیئے چند گھرون کو مسمار کرا کے مکہ پہنچا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس کے خوف سے مدینہ چھوڑ دیا، بسر نے بزور اہل مکہ سے بیعت لی، ان سے بیعت لینے کے بعد یمن روانہ ہوگیا، یہان کے علوی والی حضرت عبید اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا قائم مقام بنا کر کوفہ چلے گئے، بسر نے یمن پہنچکر عبد المدان اور اس کے لڑکے اور عبید اللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچون کو قتل کیا، یہ مظالم ڈھانے کے بعد شام واپس ہوا،

حضرت علیؓ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب ابن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا، بسر اس وقت نجران مین تھا، علوی فوج کی آمد کی خبر سن کر بھاگ نکلا، جاریہ اور وہب، بسر کی جماعت کے چند آدمیون کو قتل کرکے مکہ پہنچے اور اہل مکہ سے حضرت علیؓ کی بیعت لے کر اہل مدینہ سے حضرت حسنؓ کی بیعت لی، اور چند دن مدینہ مین ٹھہر کر کوفہ واپس گئے،

فریقین مین مصالحت اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے سنہ ۴۰ھ مین صلح کر لی، اس صلح کے رو سے حجاز، عراق اور مشرق کا پورا علاقہ حضرت علیؓ کے پاس رہا اور شام اور مصر و مغرب کا حصہ امیر معاویہ کے حصہ مین آیا،

فتوحات حضرت علیؓ کا پورا زمانہ خانہ جنگیون مین گذرا، تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد، آپ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑون سے فرصت نہ ملی، اس لئے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ کو موقع ہی نہ ملا، تاہم سیستان اور کابل مین بعض فتوحات حاصل ہوئین[1]، ۳۸ھ مین بحری راستہ سے کوکن پر حملہ ہوا[2]،

---

[1] فتوح البلدان [2] ایضاً،

بغاوتون کا استیصال مسلمانون کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرزمین عجم مین جابجا بغاوتین بپا ہوگئی تھین، کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہوگئے تھے، بعض اور علاقون مین بھی بغاوت کے آثار تھے، حضرت علیؓ نے اندرونی دشواریون کے باوجود زیاد بن ابیہ کو مامور کیا، اس نے بغاوت فرو کرکے باغی علاقون کو قابو مین کیا،

حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ سنہ ۴۰ھ مین حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نہروان کے معرکہ مین خارجیون کو سخت نقصان پہنچا تھا، اس لئے اس جماعت کے تین آدمیون عبدالرحمن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر نے باہم مشورہ کیا کہ نہروان کے مقتولین کے بعد زندگی بے کار ہے، معاویہ اور علیؓ دونون مین سے کوئی بھی حکومت کا اہل نہین ہے، ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلق اللہ مصیبت مین مبتلا ہے، بغیر انھین ختم کئے ہوئے امن وسکون قائم نہین ہوسکتا، چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو، برک بن عبداللہ نے امیر معاویہ کو، اور عمرو بن بکر نے عمرو بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا، ابن ملجم نے اپنے کام مین ایک اور شخص شبیب بن بجرہ اشجعی کو بھی شریک کرلیا، اور تینون نے ایک ہی دن رمضان سنہ ۴۰ھ کو نماز فجر کے وقت تینون بزرگون پر حملہ کیا، اتفاق سے عمرو بن العاص کے بجائے اس دن ایک اور شخص نماز پڑھانے کے لئے آیا تھا، ان کے دھوکے مین وہ مارا گیا، امیر معاویہ پر اوچھا وار لگا، اس لئے وہ علاج معالجہ سے بچ گئے، ابن ملجم اور شبیب ابن بجرہ دونون حضرت علیؓ کی گذرگاہ پر چھپ رہے، جیسے ہی آپ فجر کی نماز کے لئے نکلے دونون نے حملہ کردیا، حضرت علیؓ کو کاری زخم آیا، آپ نے آواز دی، لوگ دوڑ پڑے شبیب تو نکل گیا، لیکن ابن ملجم گرفتار ہوگیا، حضرت علیؓ کے بجائے جعدہ بنؓ ہبیرہ نے

نماز پڑھائی، نماز کے بعد ابن ملجم حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا، اس سے چند سوالات کرنے کے بعد آپؓ نے حکم دیا کہ اسے آرام سے رکھا جائے، اور لوگون کو ہدایت فرمائی کہ اگر مین اس زخم کے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکون تو خدا کے حکم کے مطابق اس کو قصاص مین قتل کر دینا اور اگر بچ گیا تو اس کے معاملہ پر غور کرون گا، اور اپنے گھر والون سے فرمایا کہ میرے بعد میرے ایک خون کے بدلہ مین مسلمانون کا خون نہ بہانا صرف میرا قاتل قتل کیا جائے، حضرت حسنؓ سے فرمایا کہ اگر مین مرجاؤن تو ایک ضرب کے بدلہ مین قاتل کو ایک ہی ضرب لگانا اور مثلہ نہ کرنا کہ رسول اللہ صلعم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے[1]،

خنجر زہر آلود تھا اس لئے بہت جلد سمیت بدن مین پھیل گئی، اور حالت خراب ہونے لگی، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ اور محمد بن حنفیہ کو بلاکر باہم اتحاد و اتفاق اور دین و دنیا مین خیر و برکت کے لئے وصیتین فرمائین، آپ کی زندگی سے مایوسی تھی، اس لئے جندب بن عبد اللہ نے پوچھا کہ "آپ کے بعد ہم حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلین"؟ فرمایا مین تم کو نہ اس کا حکم دیتا ہون اور نہ روکتا ہون تم لوگ اس کو زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہو[2]،

زخمی ہونے کے تیسرے دن ۲۰ رمضان شب یکشنبہ سنہ ۴۰ھ کو انتقال فرمایا، حضرت حسنؓ و حسینؓ نے غسل دیا، حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رشد و ہدایت کے اس آفتاب عالمتاب کو کوفہ کے غربی نامی قبرستان مین سپرد خاک کیا گیا، انتقال کے وقت بروایت صحیح ترسٹھ سال کی عمر تھی، مدت خلافت ۴ سال ۹ مہینے،

[1] ابن سعد ج ۳ ص ۲۴ [2] طبری ص ۳۴۶۲، و ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۶ [3] طبری ص ۳۴۶۱،

ازواج واولاد | حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ زہراؓ کے انتقال کے بعد متعدد شادیان

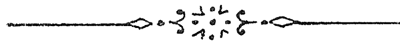
کین، اوران سے بکثرت اولادین ہوئین، حضرت فاطمہؓ کے بطن سے حضرت حسنؓ

وحسینؓ ومحسن تھے، محسن کا انتقال بچپن مین ہوگیا تھا، اور صاحبزادیون مین زینبؓ

اورام کلثوم تھین، ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوا تھا، خولہ کے بطن سے محمد بن

علیؓ تھے جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہین حضرت حسینؓ کے بعد یہ بڑے نامور فرزند تھے

باقی اولادون کی تفصیل کی ضرورت نہین،



عہدِ مرتضویؓ پر ایک نظر

حضرت علیؓ کا پورا عہدِ خلافت خانہ جنگی اور اندرونی جھگڑون مین بسر ہوا، ایک دن کے لئے بھی آپ کو ملکی نظم ونسق کے قیام اور بیرونی فتوحات کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ ملا، اس لئے تعمیری کامون کے لحاظ سے آپ کا عہد آپ کے پیشرون کے مقابلہ مین ناکام رہا، اور یہ ان حالات کا لازمی نتیجہ تھا، جن مین آپ کو منصب خلافت ملا تھا اور جو بعد مین پیش آتے رہے، ایسے مخالف حالات مین بڑے سے بڑا مدبر فرمانروا بھی مشکل سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا، اور جس حد تک بھی آپ نے ان کا مقابلہ کیا، وہ بھی کسی دوسرے فرمانروا سے ممکن نہ تھا،

ان حالات کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس لئے یہان ان کے اعادہ کی ضرورت نہین، البتہ ان کے اسباب پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے، ان مین سے بعض اسباب تو وہی تھے جنھون نے عثمانی خلافت کا نظام درہم برہم کیا تھا اور بعض نئے تھے، اس کا اندازہ عہد صدیقی کے ابتدائی حالات کے موازنہ سے زیادہ صحیح ہوگا،

حضرت ابوبکرؓ نے جس وقت تختِ خلافت پر قدم رکھا، اس وقت سارا عرب پُرآشوب ہو رہا تھا، بہت سے قبیلے مرتد ہو گئے تھے، بعضون نے اسلام کے رکن اعظم زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا، جھوٹے مدعیانِ نبوت علٰحدہ انقلاب پر آمادہ تھے،

غرض عرب کی اندرونی حالت سخت تشویش ناک تھی،

لیکن ان حالات کے مقابلہ کا پورا سامان موجود تھا، عہد رسالت کے قرب کی وجہ سے مسلمانوں میں اسلامی روح زندہ تھی، سب کے سب ایک غرض اور ایک مقصد اعلائے کلمۃ اللہ کیلیے متحد تھے، ان میں کوئی اختلاف نہ پیدا ہوا تھا حصول مقصد کے وسائل پر اختلاف راے ہوتا تھا لیکن اصل مقصد پر سب متفق تھے، گو خلیفہ حضرت ابوبکرؓ تھے، لیکن خلافت کا نظام ان صاحب تدبیر و سیاست صحابہ کے مشورہ سے چلتا تھا جنھوں نے شجر اسلام کو اپنے خون سے سینچا تھا، اس لئے ان کی عزیز ترین متاع اسلام تھا، ذاتی حیثیت سے حضرت ابوبکر کا تحمل، آپ کی نرمی اور تواضع و انکسار لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا اور خلافت کے رکن رکین حضرت عمرؓ کا دبدبہ و شکوہ کسی کو جادۂ اعتدال سے ہٹنے نہ دیتا تھا،

ان سب سے بڑھ کر عربوں میں غیر عنصر کی آمیزش نہ ہوئی تھی، یعنی وہ قومیں جنھوں نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا مسلمان نہ ہوئی تھیں اور جو قلیل تعداد مسلمان بھی ہوتی تھی اس نے مسلمانوں میں اتنا اعتماد نہ پیدا کیا تھا کہ ان کے نظام شوری میں دخیل ہوسکے پھر صحابہ کے اتحاد و اتفاق اور صولت فاروقی کے مقابلہ میں مسلمانوں کے خلاف ان میں کسی سازش کی ہمت نہ تھی اور نہ کامیاب ہو سکتی تھی، اسلامی فوج میں غیر قوموں کا عنصر شامل نہ تھا، جدید الاسلام عربوں تک کی باگ جو غیر اقوام کے مقابلہ میں متحد تھے اکابر صحابہ کے ہاتھوں میں رہتی تھی، اس لئے کسی پہلو سے غیر قوموں کو دخل اندازی کا موقع ہی نہ ملتا تھا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے بہت جلد مخالف حالات پر قابو حاصل کرلیا،

حضرت عمرؓ کے زمانہ تک یہ خصوصیات قائم رہین، اس لئے اس زمانہ تک نظام خلافت کو جنبش نہ ہونے پائی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے ہٹنے لگین، جس کے نتائج انقلاب کی شکل مین ظاہر ہوے، اور حضرت علیؓ کے دور مین قریب قریب سب ختم ہوگئین

عہدِ رسالت کے بعد سے اسلامی روح مضمحل ہو چکی تھی، بہت سے اکابر صحابہ جو خلافت کے رکن اعظم تھے اٹھ چکے تھے، اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی جس مین اپنے اسلاف کا سا اخلاص اور سچا جوش و ولولہ نہ تھا، ان کے اغراض بالکل مختلف تھے، متعدد اکابر صحابہ کو حالات نے حضرت علیؓ سے جدا کر دیا تھا، حضرت طلحہؓ و زبیرؓ جو عشرہ مبشرہ مین تھے، آپ سے الگ ہو گئے تھے، حضرت علیؓ کے ساتھ جو بزرگوار تھے ان کا دین و تقویٰ مسلم لیکن ان مین بہت کم صاحب تدبیر و سیاست تھے، پھر اپنے ضمیر کی آواز کے مقابلہ مین حضرت علی صاحب تدبیر و سیاست بزرگون کا مشورہ تک نہ قبول کرتے تھے، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے آپ کو آغاز خلافت مین مشورہ دیا کہ بغیر بیعت لئے ہوے امیر معاویہ کو معزول نہ کیجئے ورنہ وہ آپ کے خلاف ایک فتنہ کھڑا کرینگے، لیکن آپنے قبول نہ فرمایا، جس کا نتیجہ جنگ صفین کی صورت مین ظاہر ہوا، حضرت قیس بن سعد جیسے مدبر بزرگ کو محض نوجوانون کے ورغلانے سے مصر سے ہٹا دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر ہاتھون سے نکل گیا، تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے اپنا خلاف بنا لیا، آپ کے حاشیہ نشینون اور مشیرون مین صحابہ کے ساتھ نوجوان نسل، جدید الاسلام عرب اور نومسلم عجمی بھی تھے جن کے دلون مین اسلام کے لئے کوئی تڑپ نہ تھی، بلکہ وہ صرف اپنی غرض کے لئے ساتھ تھے،

آپ مین نہ حضرت ابوبکرؓ کے جیسا تحمل اور تواضع تھا جو مخالفین کو بھی اپنا بنا لیتا تھا

اور نہ حضرت عمرؓ کے جیسا دبدبہ و شکوہ تھا جس سے بڑے بڑے لوگ تھراتے تھے حضرت عمرؓ جب امیر معاویہؓ کو طلب کرتے تھے تو ان پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا لیکن وہی معاویہؓ آپ کے خلاف اٹھ کر ایک انقلاب عظیم برپا کر دیتے ہین، آپ مین خود اعتمادی بہت تھی، جو رائے قائم کر لیتے تھے پھر اس مین کسی کا مشورہ نہ قبول فرماتے تھے جس سے بعض اوقات نقصان اٹھانا پڑتا تھا،

ان سب سے زیادہ آپ کو ناکام رکھنے والے وہ نومسلم عجمی تھے جو محبت اہل بیت کی آڑ مین، مسلمانون سے اپنی قومی تباہی کا انتقام لینا چاہتے تھے، جنھین حضرت علیؓ کیا اسلام سے بھی کوئی ہمدردی نہ تھی، بہت سے جدید الاسلام عرب بھی اپنی غرض کیلئے آپ کے ساتھ ہو گئے تھے، ان ہی لوگون نے اہل بیت اور غیر اہلبیت کا سوال پیدا کرکے مسلمانون کے اتحاد و یکجہتی کا خاتمہ کیا، حضرت عثمانؓ کو شہید کرکے مسلمانون مین خانہ جنگی کا دروازہ کھولا، پھر حضرت علیؓ کی لاعلمی مین آپ کے ساتھ ہوکر اختلاف کی آگ بھڑکائی، اگر یہ عنصر نہ ہوتا تو جمل اور صفین کے واقعات پیش نہ آتے، یہی لوگ تھے جنھون نے حضرت علیؓ کی مخالفت کے باوجود آپ کو تحکیم جیسی پرفریب تجویز قبول کرنے پر مجبور کیا، پھر خود ہی اس کے خلاف ہو گئے اور حضرت علیؓ کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا، پھر انھی مین سے وہ لوگ تھے جنھون نے امیر معاویہ کے مقابلہ مین آپ کا ساتھ چھوڑ دیا، غرض کسی موقع پر بھی انھون نے وفاداری کا ثبوت نہ دیا،

ضمیر کے فیصلہ کے مقابلہ مین آپ مصلحت اندیشی کو بالکل راہ نہ دیتے تھے، گو یہ صداقت کا بڑا درجہ ہے، لیکن اگر ان دونون مین تصادم نہ ہو تو ایک فرمانروا کے لئے مصلحتِ وقت کا لحاظ بہت ضروری ہے، لیکن آپ پر دل کے جذبات کی سچائی

کا اتنا غلبہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں مصلحتِ وقت کو نظر انداز فرما دیتے تھے، مثلاً عمالِ عثمانی کی معزولی خصوصاً امیر معاویہؓ کی برطرفی مصلحت کے بالکل خلاف تھی لیکن آپ نے تخت نشین ہونے کے ساتھ یک قلم تمام عثمانی عمال کو معزول کر دیا، جو کل کے کل آپ کے خلاف ہو گئے،

آپ جس تقویٰ، دینداری اور عدل کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے، حالات کے تغیر سے لوگوں میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہ رہ گئی تھی، ایک طرف آپ تھے کہ نازک سے نازک حالات میں بھی، حق و صداقت کے جادہ سے نہ ہٹتے تھے اور بیت المال کا ایک حبہ بھی بیجا نہ صرف ہونے دیتے تھے، دوسری طرف آپ کے حریف امیر معاویہؓ اپنی کامیابی کے لئے ہر جائز و ناجائز وسیلہ اختیار کرتے تھے، اور اپنے حامیوں کے لئے خزانہ کا منھ کھول دیا تھا،

آپ بیت المال کی کوڑی کوڑی کا حساب لیتے تھے" اس کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کے اعزۂ خاص تک آپ سے کبیدہ خاطر ہو جاتے تھے، اور امیر معاویہؓ کی داد و دہش مخالفین تک کا منھ بند کر دیتی تھی،

ان تمام باتوں پر مستزاد یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ کا مقابلہ مرتدوں، منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت سے تھا جن کے مقابلہ کے لئے بچہ بچہ متحد تھا، اور آپ کا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور امیر معاویہؓ سے تھا، خصوصاً ام المومنینؓ کا معاملہ نہایت نازک تھا، جس میں بڑے بڑے صحابہ متردد ہو گئے تھے، گو امیر معاویہؓ کی آپ کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہ تھی، پھر بھی وہ ایک معزز صحابی اور عرب کے نامور مدبر تھے اور غلط سہی لیکن عوام کو بھڑکانے کے لئے خونِ عثمانؓ کے انتقام کا ایک ذریعہ ان کے

ہاتھ آگیا تھا، حضرت علیؓ نے ان مخالف حالات کا جتنا بھی مقابلہ کیا اور جس حد تک بھی نظامِ خلافت کو قائم رکھ کر اس کی اصلاح کی وہ دوسرے سے ممکن نہ تھا، اس پر آشوب دور میں آپ نے بغاوتیں بھی فرو کیں، اور فتوحات میں بھی کچھ نہ کچھ اضافہ فرمایا،

نظامِ خلافت کی اصلاح ان سب سے بڑھ کر نظامِ خلافت کی اصلاح ہے، حضرت عثمانؓ کے آخری دور میں اموی نوجوانوں کے غلبہ سے خلافت کا نظام خلافتِ راشدہ کی شاہراہ سے ہٹ چلا تھا، حضرت علیؓ نے دوبارہ اسے صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کی، گو مخالف حالات نے آپ کو اس کا پورا موقع نہ دیا، تاہم جہانتک آپ کے بس میں تھا، آپ نے دوبارہ شیخین کے دور کو زندہ کرنے کی کوشش کی،

عثمانی دور میں جو بے عنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں انھیں دور کر کے عہد فاروقی کے نظم ونسق کو علی حالہ قائم رکھا، اس میں کسی قسم کی ترمیم نہیں کی، نجران کے یہودیوں نے جنھیں حضرت عمرؓ نے حجاز سے نجران جلاوطن کر دیا تھا، دوبارہ حجاز میں بسنے کی درخواست کی آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا عمرؓ سے زیادہ کون صاحب الرائے ہو سکتا ہے[1] صوبوں کی تقسیم وہی رہی، البتہ عمال سب بدل دیئے تھے، اور دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا،

فوج حضرت علیؓ فطرۃً سپاہی اور میدان جنگ کے مرد تھے، اس لئے فوج کی جانب خاص طور سے آپ کی توجہ رہی، صفین کے معرکہ میں اسی ہزار فوج آپ کے ہمراہ تھی گو مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے آپ کو فوجی نظام کو ترقی دینے کا موقع نہ ملا، تاہم آپ نے حسب ضرورت چھاؤنیاں قائم کیں، اور قلعے تعمیر کرائے، اصطخر کا حصن زیاد آپ ہی کے دور میں تعمیر ہوا تھا

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف، ۵۲ طبری ص ۳۴۵۰

صیغۂ مال | آپ نے صیغۂ مال مین بعض ایسی اصلاحات کین جن سے اس کی آمدنی مین اضافہ ہوگیا،
آپ کے دور سے پہلے جنگلات سے کوئی مالی فائدہ نہین حاصل کیا جاتا تھا،
آپ نے انھین قابلِ محصول قرار دیا، چنانچہ صحراے برس سے چار ہزار سالانہ آمدنی ہوتی تھی[1]
اس کے علاوہ اور جنگل بھی تھے،

بعض چیزون پر سے محصول اٹھا دیا، عہدِ رسالت مین گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے
لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب اس کی باقاعدہ تجارت ہونے لگی تو آپ نے اس پر
بھی زکوٰۃ مقرر کردی، لیکن حضرت علیؓ نے اسے منسوخ کر دیا،[2]

عمال کی اخلاقی نگرانی | عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی مین بڑا اہتمام
تھا، وقتاً فوقتاً ان کو قیامِ عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے
رہتے تھے، ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے، ان کے طرزِ حکومت کی
تحقیقات کراتے تھے، اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے تھے،

منذر بن جارود والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار
مین صرف کرتے ہین اور فرائض منصبی مین غفلت برتتے ہین، انھین لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار مین نکل جاتے ہو، اور
کتون سے کھیلتے ہو، اگر یہ صحیح ہے تو مین تم کو اس کا بدلہ دونگا، تمھارے گھر کا
جاہل بھی تم سے بہتر ہے، چنانچہ انھین طلب کرکے معزول کر دیا،[3]

اور ایک عامل کے متعلق مختلف شکایتین موصول ہوئین، اسے بڑا طویل خط
لکھا، جس کا ضروری اقتباس یہ ہے،

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۹، [2] کتاب الخراج ص ۴۸، [3] یعقوبی ج ۲ ص ۲۴۰

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم عیش و تنعم کی زندگی بسر کرتے ہو، بخورات اور روغنیات
کا زیادہ استعمال کرتے ہو، تمہارے دسترخوان پر الوان نعمت ہوتے ہیں، منبر
پر تم صدیقین کا وعظ کہتے ہو اور خلوت میں اہل اباحت کا عمل ہے اگر یہ شکایتیں
صحیح ہیں تو تم نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا اور مجھے تادیب پر مجبور کیا۔۔۔۔
۔۔۔۔ تم بیواؤن اور یتیمون سے حاصل کئے ہوئے مال سے عیش و تنعم میں ڈوب
کر خدا سے صالحین کے اجر کی توقع کس طرح رکھتے ہو۔۔۔۔ گناہون سے توبہ
کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرو، اور خدا کے حقوق ادا کرو"[1]

تحریری بازپرس کے علاوہ کمیشن مقرر کر کے عمال کے طرز عمل کی تحقیقات کراتے
تھے، چنانچہ ایک مرتبہ کعب بن مالک انصاری کو عراق کے حکام کی تحقیقات پر
مامور فرمایا اور یہ ہدایت کی،

"تم چند آدمیون کو ساتھ لے کر عراق جاؤ اور ہر ہر ضلع میں جا کر وہان کے عمال
کی تحقیقات کرو، اور ان کی روش پر نظر ڈالو"[2]

خراج کی آمدنی کا احتساب

عمال سے محاصل و خراج کی آمدنی کا نہایت سختی کے ساتھ احتساب کرتے
تھے، مقررہ وقت سے اگر ذرا تاخیر ہو جاتی تو فہمائشی احکام جاری کرتے
ایک مرتبہ یزید بن قیس ارحبی نے خراج بھیجنے میں تاخیر کی تو آپ نے لکھا،

"تم نے خراج کے بھیجنے میں تاخیر کی، اس تاخیر کا سبب مجھے نہیں معلوم ہوا، لیکن میں
تم کو خدا سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہون اور تمہیں اس سے ڈراتا ہون کہ ایسا کام
نہ کرو، جس سے تمہارا اجر برباد اور تمہارا جہاد باطل ہو جائے، خدا سے ڈرو اور اپنے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۸، [2] کتاب الخراج ص ۹

نفس کو حرام مال سے پاک رکھو اور مجھ کو اس کا موقع نہ دو کہ تم سے مواخذہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں، مسلمانوں کو معزز کرو، لیکن اہل معاہدہ پر زیادتی نہ ہو، خدا نے تم کو جو کچھ دیا ہے، اس کو حصول آخرت کا ذریعہ بناؤ اور دنیا کا حصہ بھی فراموش نہ کرو[1]،

ایک اور عامل نعمان بن عجلان کو جو بحرین کا خراج لیکر کھا گئے تھے، لکھا،

"جس نے امانت میں خیانت کی اور اپنے نفس اور اپنے دین کو نہ بچایا، اس نے دنیا میں بھی اپنے کو نقصان پہنچایا اور آخرت میں جو کچھ پیش آنے والا ہے وہ اس سے زیادہ تلخ، اس سے زیادہ بدبختانہ اور اس سے زیادہ دیرپا ہے، اللہ کا خوف کرو، تم صالح خاندان سے ہو، اس لئے خوش گمانی کا موقع دو، مجھکو جو خبر ملی ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس سے توبہ کرو اور اپنے متعلق رائے بدلنے پر مجبور نہ کرو، خراج ادا کر دو[2]"،

بیت المال کی حفاظت بیت المال کی حفاظت میں حضرت عمرؓ ہی کی طرح اہتمام تھا، اوپر جو واقعات لکھے گئے وہ بھی درحقیقت مسلمانوں کی امانت ہی کی حفاظت کے ہیں، ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بصرہ کے بیت المال سے دس ہزار کی رقم لے لی، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو واپس کرنے کے لئے لکھا، انھوں نے انکار کیا، ان کے انکار پر حضرت علیؓ نے فہمائش کر کے واپس کر دیا، اور اس کے متعلق مفید نصیحتیں فرمائیں[3]،

اپنی اور اپنے متعلقین کی ذات پر بیت المال کی معمولی چیز بھی صرف نہ ہونے دیتے تھے، ایکمرتبہ عمرو بن سلمہ اصفہان کا خراج لائے، اس میں شہد اور چربی بھی تھی

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۷، [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۴۲،

حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم نے مانگ بھیجا، عمرو بن سلمہ نے ایک پیپا شہد اور ایک پیپا چربی بھیجدی، دوسرے دن حضرت علیؓ نے شمار کیا تو دو پیپے کم تھے عمرو بن سلمہ سے سختی کے ساتھ پوچھا، انھون نے بتا دیا، آپ نے اسی وقت دونون پیپے منگا لیے اور اس مین سے جو کچھ خرچ ہو چکا تھا، اس کا اندازہ لگا کر اس کی قیمت ادا کردی[1]

آنحضرت صلعم کے غلام ابو رافع بیت المال کے نگران تھے، انھون نے اس کا ایک موتی اپنی لڑکی کو پہنا دیا، حضرت علیؓ نے دیکھ کر پہچان لیا، پوچھا یہ موتی کہان سے آیا، مین اس کے لانے والے کا ہاتھ قلم کرون گا، ابو رافع نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا، حضرت علیؓ نے فرمایا، تمھارا یہ حال ہے کہ اپنی لڑکی کو موتیون سے آراستہ کرتے ہو، جب فاطمہ کے ساتھ میری شادی ہوئی ہے تو میرے پاس مینڈھے کی صرف ایک کھال تھی، جس پر رات کو سوتا تھا، اور دن کو اسی پر مویشی کو چارہ دیتا تھا، ایک خادم تک میرے پاس نہ تھا[2]

ذمیون کے ساتھ نرمی ذمیون کے حقوق کا خاص لحاظ رکھتے تھے، عمال کو ان کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کی ہدایت فرماتے تھے، ذمیون کو ایک عامل عمرو ابن مسلمہ ارحبی کی درشت مزاجی کی شکایت تھی، حضرت علیؓ نے ان کو لکھا،

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمھارے علاقہ کے ذمی دہقانون کو تمھاری درشت مزاجی کی شکایت ہے، اس مین کوئی بھلائی نہین ہے، تم کو سختی اور نرمی دونون سے کام لینا چاہئے، لیکن سختی ظلم کی حد تک نہ پہنچ جائے، اور نرمی نقصان کی حد تک، ان پر جو مطالبہ ہو اسے وصول کیا کرو، لیکن ان کے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۰، [2] ایضاً ص ۱۵۹،

خون سے اپنا دامن محفوظ رکھو[1]

ذمیون کی آبپاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی، یہان کے عامل قرظہ بن کعب انصاری کو لکھا،

"تمھارے علاقہ کے ذمیون نے درخواست دی ہے کہ ان کی ایک نہر پٹ کر مٹ گئی ہے، جس کا بنانا مسلمانون کا فرض ہے، تم اسے دیکھ کر اس کو درست کرا کے آباد کرادو، میری عمر کی قسم مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے، بہ نسبت اس کے کہ وہ ملک سے نکل جائین، یا عاجز و درماندہ ہو جائین، یا ملک کی بھلائی مین حصہ لینے کے قابل نہ رہین[2]"

اہلِ عجم کے ساتھ اس لطف و کرم کا برتاؤ تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اس عربی نے نوشیروان کی یاد تازہ کردی،

عدل و مساوات! آپ کے ایوانِ عدالت مین بلا امتیاز مذہب و ملت، خویش و بیگانہ، امیر و غریب سب برابر تھے، اگر خود آپ کسی مقدمہ مین فریق ہوتے تھے تو قاضی کے سامنے حاضر ہونا پڑتا تھا اور اگر ثبوت نہ ہوتا تو مقدمہ آپکے خلاف فیصل ہوتا، ایک مرتبہ آپ کی زرہ گر پڑی اور ایک نصرانی کے ہاتھ لگی، حضرت علیؓ نے اسے دیکھ کر پہچانا اور قاضی شریح کی عدالت مین دعویٰ کیا، نصرانی کا دعویٰ تھا کہ وہ اسکی زرہ ہے، قاضی نے حضرت علیؓ سے پوچھا، آپکے پاس کوئی ثبوت ہے، آپ نے فرمایا نہین، قاضی شریح نے نصرانی کے حق مین فیصلہ دیا، اس فیصلہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہوگیا اور کہا یہ تو انبیا کے جیسا انصاف ہے کہ امیر المومنین مجھے اپنی عدالت

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۳۹ [2] ایضاً ۲۰۴،

کے قاضی کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ دیتا ہے[1]

بازار کی نگرانی

بازار کی نگرانی اور نرخ اور ناپ تول کی دیکھ بھال خود کرتے تھے، درہ لے کر بازار نکل جاتے اور بیچنے والوں کو حسنِ معاملت اور ناپ تول میں ایمانداری کی ہدایت فرماتے،[2]

فضل وکمال

حضرت علیؓ نے بچپن سے دامنِ نبوت میں پرورش اور تعلیم و تربیت پائی، جوانی میں شرفِ مصاہرت سے سرفراز ہوئے، اور وصال نبوی تک دامن دولت سے وابستہ رہے، ان خصوصیات کے ساتھ ساتھ آپ میں تحصیل علم و کسب کمال کا فطری ذوق تھا، اس لئے مکتب نبوت سے جو فیض آپ کو پہنچا وہ کم اوروں کے حصہ میں آیا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ جملہ دینی علوم کا دریا تھے، آپ کی جلالت علمی پر سب کا اتفاق ہے، کان من العلوم بالمحل العالی[3]، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو خود حبرالامۃ تھے، فرماتے تھے کہ علم کے دس حصوں میں سے خدا نے علیؓ کو نو حصے عطا فرمائے تھے، اور دسویں میں بھی آپ شریک تھے[4]، زبانِ نبوت سے آپ کو انا مدینۃ العلم وعلی بابھا کی سند ملی[5]،

کلامِ الٰہی سے آپ کو خاص شغف تھا، اس کے حافظ تھے اور اس کی تعلیم آپ نے زبانِ وحی والہام سے حاصل کی تھی، کلام اللہ پر آپ کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کسی آیت کا کوئی پہلو آپ کی نظر سے مخفی نہ تھا، آپ فرماتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کس بارہ میں کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۰ [2] ابن سعد ج ۳ ص ۱۸ [3] تہذیب الاسماء نووی ص ۳۴۵ [4] ایضاً ص ۳۴۶

[5] یہ روایت صحاح کی ہے گو بعض محدثین اسے ضعیف مانتے ہیں [6] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱،

فہمِ قرآن اور اس سے احکام و مسائل کے استنباط کا فطری ملکہ تھا، تفسیر کی کتابیں اور احادیث کے ابواب تفسیر آپ کی روایتون سے معمور ہین جنھین نقل کرنے کا یہ موقع نہین، تفسیر مین جلالتہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد آپنے آیتون اور سورتون کی نزولی ترتیب پر کلام اللہ کا ایک نسخہ مرتب کیا تھا،[1] ابن ندیم نے فہرست مین اس ترتیب کی تفصیل دی ہے،[2]

آپ کو ذات نبویؐ کے ساتھ گوناگون خصوصیات کی بنا پر سماعِ حدیث کا سب سے زیادہ موقع ملا، پھر وصال نبوی کے بعد ۳۰ سال تک تعلیم و ارشاد کی مسند پر جلوہ گر رہے، اس لئے حفظ حدیث اور روایت حدیث دونون لحاظ سے آپ جماعت صحابہ مین نہایت ممتاز تھے، آپ کی مرویات کی تعداد پانچسو چھیاسی ہے، گو کثیر الروایۃ صحابہ کی مرویات کے مقابلہ مین یہ تعداد کم ہے، لیکن یہ آپ کی احتیاط کا نتیجہ ہے، آپکے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، صحابہ مین جن بزرگون نے احادیث نبویؐ قلمبند کین ان مین ایک حضرت علیؓ بھی تھے، چنانچہ آپ نے فقہی احکام کی احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام صحیفہ تھا،[3]

کلام اللہ اور احادیث نبوی مین وسعت علم کے ساتھ آپ مین اسی درجہ کی ذہانت طباعی، دقیقہ سنجی اور نکتہ رسی تھی، آپ کی ذہانت کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین، اصول و کلیات سے فروعی اور جزوی احکام و مسائل کے استنباط کا فطری ملکہ تھا، اس لئے فقہ مین آپ کا پایہ بہت بلند تھا اور جماعت صحابہ

---

[1] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۱۰۱، [2] فہرست ابن ندیم، [3] بخاری کتاب العلم،

ہین آپ کو امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا، اکابر صحابہ فقہی مشکلات مین آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، امام نووی لکھتے ہین کہ اکابر صحابہ کا آپ سے سوالات کرنا اور مشکل مسائل مین آپکے فتاوی اور اقوال کی طرف رجوع کرنا مشہور واقعات ہین[1]، حضرت عمرؓ جو خود مجتہد اور امام فقہ تھے، حضرت علیؓ سے استفادہ کرتے تھے، آپ کے حریف امیر معاویہؓ کو بھی آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا، غرض آپ کی ذات فقہ مین صحابۂ کرام کا مرجع تھی، فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جن کے فتاوی پر فقہ حنفی کی بنیاد ہے، آپ کے فیض یافتہ تھے،

فقہی کمال کا ایک پہلو قضا یعنی فصل مقدمات ہے، اس مین جماعت صحابہ مین آپ کا کوئی مقابل نہ تھا، آنحضرت صلعم نے آپ کو اقضاھم علی صحابہ مین سب سے بڑے قاضی ہین کی سند عطا فرمائی تھی، اور قضا کی خدمت ان کو سپرد فرماتے تھے، چنانچہ اہل یمن کے قبول اسلام کے بعد آپ کو وہان کا قاضی بنا کر بھیجا، اور رخصت کرتے وقت فصل مقدمات کے متعلق بعض اصول تلقین فرمائے[2]،

فرائض یعنی تقسیم میراث کے فن مین آپ مدینہ کے ممتاز علما مین تھے،

شیخین کے زمانہ مین اہم مقدمات مین آپ کا مشورہ شریک ہوتا تھا، آپ کی اصابت رائے سے قضا مین بڑی مدد ملتی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ایک پاگل زانیہ پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے روک دیا کہ مجنون حد شرعی سے مستثنیٰ ہے، مختلف قسم کے مقدمات مین آپ کے فیصلے کتابون مین محفوظ ہین، جن سے آپکی ذہانت، طباعی اور انتقال ذہنی کا اندازہ ہوتا ہے،

تصوف کا سرچشمہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے، صوفیہ کے تمام بڑے بڑے سلاسل

[1] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۴۹ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹، ۹۳، ایضاً ص ۱۴

حضرت حسن بصریؒ کے واسطہ سے آپ ہی پر منتہی ہوتے ہیں، گو محدثین کے نزدیک حسن بصریؒ کا حضرت علیؓ سے لقا ثابت نہیں ہے، لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری کو قاطبۃً حضرت علیؓ سے نسبت ہے، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ اہل تصوف کی تائید کی ہے" ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں "صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا تھا" خلافت سے پہلے آپ کو تصوف میں بہت انہماک تھا، پھر خلافت کے بعد اس کی مصروفیتوں کی وجہ سے اس فن کی تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ ملا[۱]،

آپ فصحائے عرب میں تھے، آپ کے خطبات فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا اعلیٰ نمونہ اور اس کا معیار ہیں، شریف رضی نے نہج البلاغۃ کے نام سے آپکے خطبات جمع کئے ہیں، گو ان سب کا انتساب آپ کی جانب مشتبہ ہے تاہم ان میں بہت سے آپکے خطبات ہیں، ان کے علاوہ طبری، اخبار الطوال، مسعودی اور یعقوبی وغیرہ تاریخ کی کتابوں میں آپکے بہت سے خطبات محفوظ ہیں، جو عربی ادب کا نصاب ہیں،

گو اس زمانے میں لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا، لیکن حضرت علیؓ تحریر میں پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ جو صحابہ آنحضرت صلعم کے فرامین لکھتے تھے، ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے، حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا، آپ کے خطوط اور

[۱] انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ ص ۱۰ و ۳۱ و ۵۲ ازالۃ الخفاء ص ۲۷۲

تحریرین، ادب وانشا کا دلکش نمونہ ہین،

شاعری کا نہایت ستھرا اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، بہت سے اشعار آپ کی جانب منسوب ہین، بلکہ پورا مطبوعہ دیوان ہی موجود ہے، لیکن وہ شاعری کے لحاظ سے اتنا پست ہے کہ کسی عربی شاعر کی طرف بھی منسوب نہین کیا جاسکتا چہ جائیکہ حضرت علیؓ، لیکن اس حد تک صحیح ہے کہ آپ کو شاعری سے ذوق تھا، حدیث کی کتابون مین آپ کی زبان سے بعض اشعار منقول ہین، چنانچہ معرکۂ خیبر کا رجز بخاری مین ہے[1] مستدرک نے حضرت فاطمہؓ کے مرثیہ کے چند اشعار نقل کئے ہین[2] ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کے چند اشعار لکھے ہین[3]،

فن نحو کی بنیاد آپ ہی نے رکھی، ایک مرتبہ آپنے کسی شخص کو قرآن غلط پڑھتے سنا تو آپنے ایک شاگرد ابوالاسود دولی کو چند اصول تلقین فرمائے، انھون نے اسکی روشنی مین نحو کے چند قواعد مرتب کئے، غرض آپ کو مذہبی علوم اور اس عہد کے تمام مروجہ فنون مین کمال حاصل تھا،

سیرۃ المرتضیٰ | حضرت علیؓ فطرۃً سلیم تھے، آنحضرت صلعم کے آغوش مین پرورش پائی تھی، اس لئے آپ کی ذات خلق نبویؐ کا پیکر اور تعلیماتِ اسلامی کی تصویر تھی،

زہد | آپ کے فضائلِ اخلاق مین سب سے نمایان زہد وتقویٰ ہے، آپ کی پوری زندگی اس طرح زہد وورع مین ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کرکے دکھانا مشکل ہے، آپ کی زندگی کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا، زہد کے بارہ مین آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے کہ دنیا مردار ہے، جو اسے حاصل کرنا چاہے، اسے کتون کی صحبت

---

[1] بخاری غزوۂ خیبر [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۶۳ [3] کتاب العمدہ ابن رشیق

کے لئے تیار رہنا چاہئے[1]

آپ پر غربت اور امارت کے مختلف دور گذرے، لیکن کسی دور مین مزخرفات دنیاوی کی جانب آنکھ نہین اٹھائی، ابتدائی چند برسون کے بعد ہی آپ کو عیش وراحت کے سامان میسر آگئے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلعم کی زندگی ہی مین آپ کی آمدنی اتنی ہوگئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس کی زکوٰۃ ہوتی تھی، لیکن اس زمانہ مین بھی فاقون کی نوبت آجاتی تھی[2]،

معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر کوئی عمارت نہین بنوائی[3]، حضرت فاطمہؓ اپنے ساتھ جو مختصر سا جہیز لائی تھین اس پر تاعمر کوئی اضافہ نہ ہوسکا، آپکے ساز و سامان مین ایک مینڈھے کی کھال تھی، جو بستر کا کام دیتی تھی[4]، اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی، کہ اگر سر چھپاتے تھے تو پاؤن کھل جاتا تھا، اور پاؤن ڈھانکتے تھے تو سر برہنہ ہوجاتا تھا[5]،

کوئی ملازم نہ تھا، گھر کا سارا کام حضرت فاطمہؓ اپنے ہاتھون سے کرتی تھین، چکی پیستے پیستے ہاتھون مین گھٹے پڑگئے تھے، کئی کئی دن تک گھر مین چولھا نہ جلتا تھا، ایک مرتبہ کئی فاقون کی نوبت آگئی، بھوک کی حالت مین مزدوری کی تلاش مین نکلے اور اطراف مدینہ مین ایک بڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجورین حاصل کین[6]، ایک مرتبہ گھر مین کچھ نہ تھا، اپنی تلوار بیچ کر خورد و نوش کا سامان کیا[7]،

عبادت وریاضت | عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، زبیر بن سعید قرشی

[1] نووی ج ۱ ص ۳۴۶ [2] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵ [3] تہذیب الاسماء ص ۳۴۶ [4] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹ [5] ازالۃ الخفاء [6] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۳۵ [7] کنز العمال ص ۴۰۹،

کا بیان ہے کہ بنی ہاشم مین آپ سے زیادہ کوئی عبادت گذار نہ تھا[1]، حضرت عائشہؓ فرماتی تھین کہ وہ (علی) قائم اللیل اور صائم النہار تھے[2]، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ کلام اللہ کی اس آیت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ الآیۃ مین رُکَّعًا سُجَّدًا سے مراد حضرت علیؓ ہین[3]، آپ کی عبادت وریاضت کے واقعات اتنے مشہور ہین کہ ان کے نقل کرنے کی ضرورت نہین،

انفاق فی سبیل اللہ انفاق فی سبیل اللہ آپ کا امتیازی وصف تھا، چالیس ہزار سالانہ زکوٰۃ کے بقدر آمدنی رکھنے کے باوجود پُرعسرت زندگی آپ کے انفاق ہی کا نتیجہ تھی آپ کے در سے کبھی کوئی سائل ناکام واپس نہین گیا، قوت لایموت تک سائلون کو دیدیتے تھے، اور خود فاقہ سے سو رہتے تھے، کلام اللہ کی یہ آیت وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا اسی قسم کے ایک واقعہ پر نازل ہوئی تھی[4]،

امانت و دیانت آپ امین امت تھے، جس دیانت کے ساتھ آپ مسلمانون کی امانت بیت المال کی حفاظت کرتے تھے اس کے بعض واقعات اوپر گذر چکے ہین، ہر طرح کی تکلیفین اٹھاتے تھے، لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے تھے، ایک مرتبہ تیز سردی مین ایک معمولی پرانی چادر اوڑھے تھے بدن کانپ رہا تھا، ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین بیت المال مین آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے، آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیون اٹھاتے ہین فرمایا مین تمھارے حصہ کو نقصان نہین پہنچا سکتا، (یعنی اگر مین اپنے حصہ سے زیادہ لون تو دوسرے مسلمانون کی حق تلفی ہوگی) یہ چادر مین مدینہ سے لایا تھا[5]،

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۱۰۸ [2] ترمذی کتاب المناقب، [3] تفسیر فتح البیان ج ۹ ص ۸۴ [4] ابن جریر تفسیر آیۃ مذکور، [5] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۹،

آپ کی یہ تکلیفین دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال کے مال سے آپ کے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علٰحدہ کر لئے اور آپ سے عرض کیا کہ بیت المال مین آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حق ہے، لیکن آپ کچھ باقی نہین چھوڑتے، اس لئے مین نے آپ کے لئے ایک چیز چھپالی ہے، فرمایا وہ کیا، قنبر نے عرض کیا چلکر ملاحظہ فرمائیے، آپ نے جاکر دیکھا تو سونے اور چاندی کے برتن تھے، انھین دیکھ کر فرمایا تیری مان تجھ کو روئے تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ مین ڈھکیلنا چاہتا تھا، اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانون مین تقسیم کر دیئے[1] اس قبیل کے بہتیرے واقعات ہین

شجاعت | شجاعت وشہامت آپ کا خاص وصف تھا، غزوات مین آپ کی شجاعت کے بہت سے واقعات گذر چکے ہین، آپ کی زندگی شروع سے آخر تک شجاعانہ کارنامون سے معمور ہے، اس لئے واقعات نقل کرنے کی ضرورت نہین،

سادگی | آپ کی زندگی سادگی کا نمونہ تھی، جاہ وحشم کا کیا ذکر، تکلف کا معمولی شائبہ تک نہ تھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حتی کہ جوتا تک خود ہی گانٹھ لیتے تھے زمانہ خلافت مین تنہا بازارون مین گھومتے پھرتے بھولے بھٹکون کو راستہ بتاتے، کمزورون اور ناتوانون کی مدد کرتے اور تاجرون اور دوکاندارون کو یہ آیت تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا" سنا کر فرماتے کہ یہ آیت عادل، متواضع اور صاحب قدرت والون کے بارہ مین نازل ہوئی ہے[2]

لباس وغذا | غذا بہت معمولی اور لباس نہایت سادہ ہوتا تھا، ایک مرتبہ عبداللہ بن

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۹ [2] ایضاً،

زریر نام ایک شخص آپ کے ساتھ کھانے مین شریک ہوئے، کھانا بہت سادہ اور معمولی تھا، ابن زریر نے عرض کیا امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہین ہے فرمایا خلیفۂ وقت کو مسلمانون کے مال سے صرف دو پیالیون کا حق ہے، ایک خود کھائے اور ایک اپنے اہل وعیال کو کھلائے اور دوسرا خلقِ خدا کے سامنے پیش کرے[1]، نفیس غذاؤن سے احتراز فرماتے تھے، ایک مرتبہ فالودہ کا پیالہ پیش کیا گیا، فرمایا کتنا خوش ذائقہ خوشرنگ اور خوش ذائقہ ہے لیکن مین نفس کو ایسی غذاؤن کا عادی بنانا پسند نہین کرتا، جس کا وہ عادی نہین ہے[2]،

سیرۃ المرتضیٰ پر ایک جامع تبصرہ

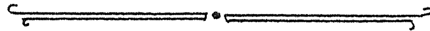
امیر معاویہؓ کے استفسار پر حضرت علیؓ کے ایک حاشیہ نشین ضرار صدائی نے آپ کے اوصاف بیان کئے تھے، یہ آپ کی سیرت پر ایک جامع تبصرہ ہے، ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ضرار سے کہا علیؓ کے اوصاف بیان کرو، انھون نے عرض کیا امیر المومنین اس سے معاف رکھا جائے امیر معاویہؓ نے اصرار کیا، ضرار نے کہا اگر آپ کو اصرار ہے تو سنئے،

وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر سمت سے علم پھوٹتا تھا، اور حکمت ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی دلفریبیون سے وحشت کرتے تھے، رات کی تاریکی اور اس کی وحشت سے انس رکھتے تھے، عبرت پذیر اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے، چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے، ہم مین ہم ہی لوگون کی طرح رہتے تھے، جب ہم کچھ پوچھتے تھے تو اس کا جواب دیتے تھے، باوجودیکہ وہ ہم کو اپنے قریب رکھتے تھے اور خود ہمارے

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۷۸، [2] کنز العمال ص ۱۰۱،

قریب رہتے تھے، لیکن ہم ہیبت سے ان سے گفتگو نہ کر سکتے تھے، وہ دینداروں کی تعظیم کرتے تھے، غریبوں کو مقرب بناتے تھے، ان کے سامنے طاقتور باطل مین طمع نہین کر سکتا تھا، اور کمزور انصاف سے مایوس نہین ہوتا تھا، بعض مواقع پر اپنی آنکھون سے دیکھا ہے کہ رات گذر رہی ہے، ستارے جھلملا رہے ہین، اور وہ اپنی داڑھی مٹھی مین دبائے مار گزیدہ کی طرح بے قرار اور غم رسیدہ کی طرح اشکبار کھہ رہے ہین اے دنیا کسی اور کو فریب دے، تو مجھ سے لگاوٹ کر رہی ہے، میری مشتاق ہے، افسوس مین نے تجھے تین طلاقین دین، تیری عمر تھوڑی اور تیرا مقصد حقیر ہے، ہاے ہاے، سفر طویل، راستہ وحشت ناک اور زاد سفر تھوڑا ہے[1]

یہ اوصاف سُن کر امیر معاویہؓ رو دیئے اور کہا خدا ابو الحسن (علی) پر رحم کرے، بخدا وہ ایسے ہی تھے،



[1] روضۃ النظرہ ج ۲ ص ۲۱۲،

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

سنہ ۴۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ھ

تا

سنہ ۴۱ھ مطابق سنہ ۶۶۲ھ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضؓ آپ کے جانشین ہوئے،

ترجمہ حسن | حسن نام ابو محمد کنیت، ریحانۃ النبی لقب، حضرت حسنؓ رسول اللہ صلعم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھے، رمضان سنہ ۳ھ مین پیدا ہوئے حضرت فاطمہؓ کے سوا آنحضرت صلعم کی کل اولادین آپ کی زندگی ہی مین انتقال کرگئی تھین، اس لئے آپ فاطمہؓ اور ان کی اولاد سے بڑی محبت فرماتے تھے، حضرت حسنؓ سے خاص طور پر بڑا انس و تعلق تھا، اور ان کی بڑی نازبرداری فرماتے تھے حسنؓ صورۃً نانا سے بہت مشابہ تھے آٹھ سال تک نانا کے دامن محبت مین پرورش پائی، سن رشد کو پہنچنے کے بعد کسی میدان مین آپ کا قدم پیچھے نہ رہا، حضرت عثمانؓ کی مدافعت مین زخمی ہوئے، جنگ جمل و صفین مین اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ تھے

خلافت | اوپر حضرت علیؓ کے حالات مین گذرچکا ہے کہ دم آخر آپ سے لوگون نے

حضرت حسنؓ کی جانشینی کے بارہ مین پوچھا تھا، آپ نے جواب دیا کہ مین نہ حکم دیتا ہون نہ منع کرتا ہون، تم لوگ اسے زیادہ بہتر سمجھتے ہو" گو آپ نے خلافت کی جمہوریت کا لحاظ کر کے حضرت حسنؓ کو نامزد نہین فرمایا، اور جانشینی کے مسئلہ کو جمہور مسلمانون پر چھوڑ دیا لیکن اوصاف و کمالات کے لحاظ سے، حضرت حسنؓ جناب امیرؓ کے خلف الصدق تھے، اس لئے وابستگان دامن مرتضوی کی نظر اور کسی جانب نہین اٹھ سکتی تھی، چنانچہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد سب سے پہلے قیس بن سعد انصاریؓ نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھایا اور کہا مین کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور محلین سے جنگ پر آپ سے بیعت کرتا ہون، آپ نے فرمایا "کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کافی اور تمام شرائط پر حاوی ہے"[1]

قیس بن سعدؓ کی بیعت کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ مین حضرت حسنؓ مسند خلافت پر متمکن ہوئے،

پہلی تقریر | تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ نے خطبہ دیا،

"لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکینگے، رسول اللہ صلعم لڑائیون مین اس کو اپنا علم مرحمت فرما کر بھیجتے تھے، وہ کسی جنگ مین ناکام نہ لوٹا، میکائیلؑ و جبرئیلؑ چپ و راست اس کے جلو مین ہوتے تھے، اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے، سونے چاندی کا ایک ذرہ نہین چھوڑا، یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے"[2]

---

[1] طبری ج ۷، ص ۲، [2] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ترجمہ علی،

امیر معاویہ کا جارحانہ اقدام

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی سے حضرت امیر معاویہؓ والی شام کے دل میں عالم اسلام پر حکومت کرنے کی تمنا تھی، اسکے لئے انھون نے جنگ بھی کی لیکن حضرت علیؓ کی زندگی میں ان کی یہ تمنا پوری نہ ہوئی، حضرت حسنؓ بڑے نرم خو متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے، جنگ و جدال سے آپ کو طبعی نفرت تھی، امیر معاویہؓ کو اس کا اندازہ تھا اس لئے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کو اپنی دیرینہ تمنا پوری کرنے کا موقع مل گیا، چنانچہ انھون نے فوراً عراق پر فوجکشی کر دی اور ان کا مقدمۃ الجیش عبید اللہ بن عامرؓ کی قیادت مین عین التمر ہوتا ہوا مدائن کی طرف بڑھا[1]

مقابلہ کیلئے حضرت حسنؓ کی روانگی اور عراقی فوج کی غداری

حضرت امام حسنؓ کو شامی فوج کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو آپ نے قیس بن سعد انصاری کو بارہ ہزار فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے آگے بھیجدیا، اور خود ان کے عقب سے روانہ ہوئے، طبری کا بیان ہے کہ عراقی فوج کے مدائن پہنچنے کے بعد کسی نے مشہور کر دیا کہ قیس بن سعد قتل کر دیئے گئے، یہ خبر اڑتے ہی عراقی فوج مین بھگدڑ مچ گئی، کچھ لوگون نے حضرت حسنؓ کے خیمہ پر حملہ کر کے اسے لوٹ لیا، اور جس فرش پر آپ بیٹھے تھے اسے چھین لیا، فوج کا یہ رنگ دیکھ کر آپ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے[2]

دینوری کا بیان ہے کہ ساباط پہنچکر آپ کو اپنی فوج کی کمزوری اور جنگ سے بیہمتی کا اندازہ ہوا، اس لئے آپ وہین رک گئے، اور فوج کو مخاطب کر کے تقریر فرمائی، گو مین کسی مسلمان کی جانب سے اپنے دل مین کینہ نہین رکھتا، اور تم کو اسی

[1] اخبار الطوال ص ۲۳ [2] طبری ج ۷ ص ۹،

نظر سے دیکھتا ہون جس نظر سے اپنی ذات کو دیکھتا ہون، ہیں تم لوگون کے سامنے
ایک رائے پیش کرتا ہون، امید ہے کہ اسے مسترد نہ کروگے، جس اتحاد و یکجہتی
کو تم ناپسند کرتے ہو وہ اس اختلاف اور تفرقہ سے افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے
ہو، مین دیکھ رہا ہون کہ تم مین سے اکثر لوگ جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہین اور
کمزوری دکھا رہے ہین، اس لئے میں تم لوگوں کو تمھاری مرضی کے خلاف مجبور
کرنا نہیں چاہتا،

یہ خیالات سن کر لوگ ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے، خارجیون کی ایک جماعت بھی آپ کے ساتھ تھی، اس نے کہا حسنؓ بھی اپنے باپ کی طرح کافر ہو گئے، ان مین سے کچھ آدمیون نے آپ کا مصلّی اور کپڑے چھین لئے، ان کا نرغہ دیکھ کر آپ گھوڑے پر سوار ہو گئے، اور ربیعہ وہمدان کو آواز دی انھون نے دوڑ کر خارجیون کو ہٹا دیا، اور آپ ساباط سے مدائن روانہ ہو گئے، راستہ مین ایک خارجی جراح بن قبیصہ نے جو آپ کی تاک مین چھپا ہوا تھا، لپک کر حملہ کر دیا، آپ کی ران مین زخم آیا، خارجی پکڑ کے قتل کر دیا گیا اور حضرت حسنؓ مدائن مین داخل ہو گئے، اور زخم بھرنے تک یہان مقیم رہے،

زخم اچھا ہونے کے بعد دوبارہ شامی فوج کے مقابلہ کے لئے جو عبید اللہ بن عامر کی ماتحتی مین مدائن کے قریب پڑی ہوئی تھی نکلے، اس درمیان مین امیر معاویہ بھی فوجین لے کر انبار پہنچ چکے تھے، یہان قیس بنؓ سعد انصاری پہلے سے موجود تھے، اب گویا دو مورچے الگ الگ تھے، حضرت حسنؓ عبید اللہ بنؓ عامر کے مقابلہ مین اور قیس ابن سعد امیر معاویہؓ کے مقابلہ مین، گو تاریخون مین اس کی تصریح نہین لیکن واقعات و

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عراقی فوج میں امیر معاویہؓ کا مخفی اثر کام کر رہا تھا، اور اس کا ایک حصہ ان کے افسون کا شکار ہو چکا تھا، چنانچہ جب جب شامیوں کے مقابلہ کا موقع آیا عراقیوں نے غداری کا ثبوت دیا، ایک واقعہ ابھی اوپر گذر چکا ہے، دوسرا یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ عبید اللہ بن عامر کے مقابلہ میں آئے تو اس نے عراقی فوج میں اعلان کر دیا کہ "میں جنگ کرنا نہیں چاہتا، میری حیثیت تو معاویہؓ کے مقدمۃ الجیش کی ہے اور وہ خود انبار پہنچ چکے ہیں، ابو محمد (حضرت حسنؓ) کو سلام کے بعد میرا یہ پیام پہنچا دو کہ وہ خدا کے لئے اپنے اور اپنی جماعت کے حال پر رحم کریں۔"

یہ پیام سنکر عراقیوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، حضرت حسنؓ نے یہ حال دیکھا تو جنگ کا خیال ترک کر کے مدائن چلے گئے، آپ کے واپس آنے کے بعد عبید اللہ بن عامر نے محاصرہ کر لیا،[1]

مصالحت اور دست برداری

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ جو فوج تھی اس نے ہر موقع پر غداری دکھائی، لیکن قیس بن سعد امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں جمے ہوئے تھے، اور ان کی ماتحت بارہ ہزار سپاہ کٹنے مرنے کے لئے تیار، ابو عریق کا بیان ہے کہ شامیوں کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا، جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر ہوئی تو شدت غم سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ جائیگی۔[2]

آپ کی ہمراہی فوج کے علاوہ چالیس ہزار کوفی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے،[3] خود حضرت حسنؓ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا، کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا

[1] یہ واقعات اخبار الطوال میں ص ۲۳۰ و ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں [2] استیعاب ج ۱ ص ۱۴۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ترجمہ حسنؓ
[3] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹،

اس سے وہ جنگ کرتے[1]

لیکن جیسا کہ آیندہ چل کر معلوم ہوگا، آپ مسلمانوں کے خون کی قیمت پر خلافت خریدنا نہیں چاہتے تھے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آرہی تھیں، ملک کا امن امان اٹھ گیا تھا، اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دست برداری کے لئے آمادہ ہوگئے، اور امیر معاویہ کے پاس اپنی شرطیں لکھ کر بھیجدیں،

شرائط صلح مختلف تاریخوں میں شرائط کی دفعات وتفصیلات میں اختلاف ہے، دینوری کا بیان اس باب میں زیادہ مستند ہے، اور قرین قیاس بھی معلوم ہوتا ہے، اس کے بیان کے مطابق مصالحت کی دفعات یہ تھیں،

(۱) کسی عراقی کو محض پرانی عداوت کی بنا پر نہ پکڑا جائے (۲) بلا استثناء سب کو امان دی جائے، (۳) اہل عراق کی بدزبانیوں کو انگیز کیا جائے (۴) دارابجرد کا پورا خراج حضرت حسنؓ کے لئے مخصوص کردیا جائے (۵) امام حسینؓ کو دولاکھ سالانہ دیئے جائیں، (۶) عطا میں بنی ہاشم کو بنی امیہ پر ترجیح دی جائے،

امیر معاویہؓ نے بلا کسی ترمیم کے یہ تمام شرطیں منظور کرلیں اور اپنے قلم سے اقرارنامہ لکھ کر اس پر مہر کرکے اکابر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبیداللہ بن عامر کے ذریعہ امام حسنؓ کے پاس بھجوادیا،[2]

طبری نے دوروایتیں نقل کی ہیں، پہلی مستند روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے تین شرطیں پیش کیں، (۱) کوفہ کے بیت المال کا کل روپیہ آپ کو دیدیا جائے،

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰، [2] اخبار الطوال ص ۲۳۱،

(۲) دارابجرد کا خراج آپکے لئے مخصوص کردیا جائے (۳) حضرت علیؓ پر اس طرح برسرعام سب وشتم نہ کیا جائے کہ حضرت حسنؓ کے کانون تک پہنچے،

امیر معاویہؓ نے یہ تینون شرطین منظور کرلین[۱]،

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت حسنؓ نے جو شرطین لکھکر بھیجی تھین، اس کے پہنچنے کے قبل ہی امیر معاویہؓ نے ایک سادہ کاغذ پر مہر کرکے آپکے پاس بھیجدیا تھا کہ آپ جو شرطین چاہین لکھدین، سب منظور کی جائینگی، حضرت حسنؓ کو یہ کاغذ ملا تو آپ نے پہلی شرطون کی دوگنی شرطین لکھ بھیجین، لیکن امیر معاویہؓ نے انھین نہین مانا، اور دست برداری کے بعد کوئی شرط پوری نہین کی، لیکن یہ بالکل غلط واقعہ ہے تمام مورخین کا ایفاے عہد پر اتفاق ہے، بلکہ امیر معاویہؓ شرائط کے علاوہ وقتاً فوقتاً اور بھی سلوک کرتے رہتے تھے،

بعض کتابون مین ایک شرط یہ بھی ملتی ہے کہ "امیر معاویہؓ کے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ ہون گے"۔ لیکن یہ محض گڑھی ہوئی ہے، طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن اثیر کسی معتبر کتاب مین اس کا ذکر نہین ہے، اور نہ آیندہ واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، یہ روایت محض حضرت حسنؓ کے زہر خورانی کے واقعہ کو حضرت امیر معاویہؓ کے سر تھوپنے کے لئے گڑھی گئی ہے، حضرت حسنؓ کا انتقال امیر معاویہؓ کی زندگی مین کئی برس پہلے ہوا تھا، اور زہر کے اثر سے ہوا تھا، اگر یہ شرط مان لیجائے تو زہر خورانی کی نسبت امیر معاویہؓ کی جانب قرین قیاس ہوجاتی ہے لیکن اگر یہ شرط ہوئی ہوتی تو آیندہ کسی موقع پر جو بارہا پیش آئے، کسی کی زبان سے سنی جاتی، لیکن کہین اس کا ذکر نہین ملتا، یزید

[۱] طبری ج ۷، ص ۴،

کی ولیعہدی کی مخالفت میں عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر وغیرہ نے یہ دلیل تو دی کہ یہ طریقہ خلفاے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے، یا قیصر و کسریٰ کی سنت ہے، یہ کسی نے نہیں کہا کہ تمھارے بعد حضرت حسنؓ خلیفہ تھے، اس لئے اب ان کی اولاد کو ہونا چاہیے، خود حضرت حسنؓ نے اپنے استحقاق اور یزید کی مخالفت میں بہت سی دلیلیں دیں لیکن کسی موقع پر اس شرط کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ یزید کی مخالفت کی یہ بھی ایک دلیل ہو سکتی تھی، بہر حال اس شرط کی تاریخی اور عقلی حیثیت سے کوئی اصل نہیں،

شرائط کی زبانی تصدیق شرائط صلح طے ہو جانے کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن سعد انصاری کو جو امیر معاویہؓ کے مقابلہ میں تھے، صلح کی اطلاع دے کر انھیں مدائن واپس آنے کا حکم دیا، انھوں نے فوج کو پڑھ کر سنایا اور کہا اب صرف دو صورتیں ہیں، یا بغیر امام کے جنگ جاری رکھیں یا امیر معاویہؓ کی اطاعت قبول کرلیں، یہ فوج بڑی سرفروش تھی لیکن اس وقت حضرت حسنؓ کے حکم کے خلاف لڑنا مناسب نہ سمجھا، اور جنگ روک کر قیس مدائن واپس چلے آئے، اور حضرت حسنؓ کوفہ واپس ہو گئے، آپ کے کوفہ جانے کے بعد امیر معاویہؓ سے یہاں آکر شرائط کی زبانی تصدیق بھی کردی[1]

مجمع عام میں دست برداری کا اعلان مصالحت کے تمام مراحل طے ہو جانے کے بعد امیر معاویہؓ کے دست راست حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان کو مشورہ دیا، کہ حسنؓ سے مجمع عام میں دست برداری کا اعلان کرادو تاکہ لوگ خود ان کی زبان سے اسے سن لیں، امیر معاویہ کو معلوم تھا کہ حضرت حسنؓ اپنی خوشی سے دست بردار ہوئے ہیں، اور ان کی جانب سے آئندہ کوئی خطرہ نہیں ہے، اس لئے انھیں یہ پسند

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۱ و ۲۳۲،

نہ تھا، مگر عمرو بن العاص رضؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر انھوں نے حضرت حسن رضؓ سے دست برداری کے اعلان کی درخواست کی، آپ کو اس مین کیا عذر ہو سکتا تھا، آپ نے ان الفاظ مین اعلان فرمایا،

امابعد! لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمھاری ہدایت اور پچھلوں سے تمھاری خونریزی کرائی، دانائیون میں سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور عجز مین سب سے بڑا عجز بداعمالیاں ہیں، یہ امر (خلافت) ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے واقعی حقدار ہین یا میں ہوں، دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی اصلاح اور تم لوگون کی خونریزی سے بچنے کے لئے اس سے دست بردار ہوتا ہون، پھر معاویہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "یہ خلافت تمھارے لئے چند روزہ سرمایہ ہے"۔ یہ سن کر امیر معاویہؓ بولے بس کیجئے اور عمرو بن رضؓ العاص سے کہا تمھارا مقصد حاصل ہو گیا، تم یہی سنوانا چاہتے تھے!!

ضا استیف اعلان حسن رضؓ

مدینہ کا قیام اس خاتم الفتن دست برداری کے بعد آپ کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول لوٹ گئے، اور تا عمر اپنے جد امجد کے جوار مین بسر کر دی، آپ کی مدت خلافت چھ مہینہ سے لیکر سات مہینہ تک ہے، آپ کی تخت نشینی کا زمانہ تو رمضان ۴۰ھ متعین ہے، لیکن دست برداری کے زمانہ مین اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ آپ ربیع الاول ۴۱ھ میں دست بردار ہوے، اس لحاظ سے آپ کی مدت خلافت چھ مہینے ہوتی ہے،

قیس بن سعد اور امیر معاویہ میں مصالحت قیس بن رضؓ سعد انصاری امیر معاویہ کے بڑے مخالف اور حضرت علی رضؓ کے بڑے پرجوش حامیون مین تھے، یہ عرب کے نامور مدبر تھے، اس لئے امیر معاویہؓ شروع سے ان کو ملانے کی کوشش مین تھے مگر کامیاب نہ ہوئے

جب تک قیسؓ مصر کے حاکم رہے اس وقت وہاں امیر معاویہؓ کا زور نہ چل سکا، ان کے ہٹتے ہی مصر ہاتھوں سے نکل گیا، اس کی تفصیلات اوپر حضرت علیؓ کے حالات میں گذر چکی ہیں، حضرت علیؓ کے بعد قیسؓ اسی طرح حضرت حسنؓ کے وفادار رہے، عراقی فوج کی قیادت ان ہی کے ہاتھوں میں تھی، حضرت حسنؓ کے حکم سے مجبور ہو کر وہ معاویہؓ کا مقابلہ چھوڑ کر مدائن لوٹ تو آئے تھے، لیکن ان کی امارت کسی طرح تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے، ایک جماعت بھی امیر معاویہؓ سے لڑنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئی تھی اسلئے امیر کو ان کے ملانے کی بڑی فکر تھی، اور وہ ہر قیمت پر اُن سے صلح کے خواہشمند تھے، عمرو بن العاصؓ نے ان سے کہا بھی کہ قیسؓ سے مصالحت کی کوشش نہ کرو، لڑ کر ان کو مطیع بناؤ، انھوں نے جواب دیا کہ ہم آسانی کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے جبتک شامیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھینٹ نہ چڑھا دیں، جب تک ان سے لڑنا ناگزیر نہ ہو جائے گا اس وقت میں ان سے نہ لڑوں گا، آخر میں امیر معاویہؓ نے ان کے پاس بھی مہر شدہ سادہ کاغذ بھیجا کہ وہ جو شرائط چاہیں لکھدیں سب منظور کئے جائینگے، حضرت حسنؓ دست بردار ہو ہی چکے تھے، قیسؓ بے سہارا کبتک لڑتے اس لئے آخر میں انھوں نے بھی چند شرائط پر صلح کر لی، امیر معاویہؓ نے ان کی تمام شرطیں منظور کر لیں، اور ان کی راہ میں کوئی کانٹا باقی نہ رہ گیا،[1]

مصالحت کے اثرات ونتائج

ملک کے لئے حضرت حسنؓ کی مصالحت کے نتائج بہت مفید ہوئے، مسلمانوں کی خونریزی کا سلسلہ جو مدتوں سے چلا آرہا تھا بند ہو گیا، ملک میں امن وسکون پیدا ہوا اور جو طاقت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۳،

وہ پھر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی اور بیرونی فتوحات اور اندرونی اصلاح وترقی کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس لئے اس سنہ کو "عام الجماعۃ" یعنی اتحاد و اتفاق کا سال کہتے ہیں، لیکن شیعانِ علیؓ کی جانب سے حضرت حسنؓ کو بڑی سخت مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، "مذلل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے "مسود وجوہ المومنین" مسلمانوں کو روسیاہ کرنے والے "عار المسلمین" "ننگ مسلمین" آپکے القاب تھے، آپ نے نہایت صبر سکون کے ساتھ ان تمام گستاخیوں کو برداشت کیا لیکن کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا،

وفات — دست برداری کے نو سال بعد ۵۰ھ میں مدینہ میں انتقال فرمایا، آپ کی موت کے سبب کے متعلق مشہور بیان یہی ہے کہ آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ امیر معاویہؓ کے اشارہ سے دیا گیا تھا لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے یہ امیر کے مخالفین کا پروپیگنڈا ہے جس پر انشاء اللہ آئندہ جلد میں بحث ہوگی، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی تھی، زہر نہایت سمی قاتل تھا اس لئے زہر کھاتے ہی صاحب فراش اور زندگی سے مایوس ہوگئے، حضرت امام حسینؓ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا، آپ نے زہر دینے والے کا نام پوچھا فرمایا نام پوچھ کر کیا کروگے عرض کیا قتل کروں گا، فرمایا اگر میرا گمان صحیح ہے تو خدا بہتر بدلہ لینے والا ہے، اور اگر غلط ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے،

آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی، حضرت عائشہؓ سے اسکی اجازت مانگ بھیجی، آپ نے نہایت مسرت سے مرحمت فرمائی، حضرت حسنؓ نے احتیاطاً پھر وصیت کردی کہ میرے بعد دوبارہ اجازت لینا ممکن ہے زندگی میں میری مروت سے دیدی ہو، اگر اس وقت بھی وہ اجازت دیدیں تو روضہ نبوی میں دفن کرنا،

مجھ کو خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے، اگر یہ صورت پیش آئے تو روضہ نبوی میں دفن کرنے پر اصرار نہ کرنا اور بقیع کے گورِ غریباں میں دفن کر دینا[1]،

زہر کھانے کے تیسرے دن باختلافِ روایت ۵۰؁ھ یا ۴۹؁ھ میں انتقال فرمایا،

جنازہ پر جھگڑا وفات کے بعد وصیت کے مطابق حضرت امام حسینؓ نے دوبارہ حضرت عائشہؓ سے اجازت چاہی، آپ نے اسی فراخدلی سے مرحمت فرمائی، لیکن بنی امیہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کا خطرہ بالکل صحیح نکلا، مروان کو اس کی خبر ہوئی، تو اس نے کہا حسنؓ کسی طرح روضۂ نبویؐ میں دفن نہیں کئے جا سکتے، ان لوگوں نے عثمانؓ کو تو یہاں دفن نہ ہونے دیا اور حسنؓ کو دفن کرنا چاہتے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا، حضرت حسینؓ بزور دفن کرنے پر آمادہ ہو گئے اور قریب تھا کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تلواریں چل جائیں کہ اتنے میں مشہور صحابی حضرت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور چلائے کہ "یہ کیا ستم ہے کہ ابن رسول اللہ کو نانا کے پہلو میں دفن کئے جانے سے روکا جاتا ہے" پھر حضرت حسینؓ کو حضرت حسنؓ کی وصیت یاد دلائی کہ اگر خونریزی کا خطرہ ہو تو بقیع کے قبرستان میں دفن کر دینا، اس یاد دہانی پر حضرت حسینؓ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، سعید بن العاص والی مدینہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اقلیم صلح و ملت کے تاجدار اور علم و بردباری کے پیکر کو آپ کی ماں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا،

ماتم حضرت حسنؓ اپنے خلق عظیم کی بنا پر اتنے محبوب و مقبول تھے کہ ان کی وفات پر سارے مدینہ میں صف ماتم بچھ گئی، بازار بند ہو گئے، گلیوں میں سناٹا چھا گیا، بنی ہاشم کی عورتوں نے ایک مہینہ تک سوگ منایا، حضرت ابوہریرہؓ مسجد نبویؐ میں فریاد و فغاں کرتے تھے اور پکار پکار کر کہتے تھے کہ "لوگو! آج خوب رو لو کہ رسول اللہ صلعم کا محبوب

[1] استیعاب ج ۱ ص ۱۴۵ و مروج الذہب ج ۳ ص ۳۸۰، [2] استیعاب و اسد الغابہ ترجمہ حسن بن علی،

دنیا سے اٹھ گیا،[1]

جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ مدینہ میں اس کی مثال ملتی تھی، ایک شریک جنازہ کا بیان ہے کہ اگر سوئی پھینکی جاتی تو کثرت ازدحام سے زمین پر نہ گر سکتی تھی،[2]

حلیہ حضرت امام حسنؓ صورت اور سیرت دونوں میں ذات نبوی کی تصویر تھے،

ازدواج واولاد آپ نے بکثرت شادیاں کیں، تاریخوں کے بیان کے مطابق تو آپ کی بیویوں کی تعداد مبالغہ آمیز حد تک پہنچ جاتی ہے، لیکن اتنا صحیح ہے کہ آپ کے حبالۂ عقد میں بہت سی عورتیں آئیں، ان سے آٹھ لڑکے تھے، حسن، زید، عمر، قاسم، ابوبکر، عبدالرحمن، طلحہ، عبیداللہ،

حضرت حسنؓ کا عظیم الشان کارنامہ دنیا کے تمام حکمرانوں کے کارنامے حکومت کے استحکام، فتوحات کی وسعت اور فوجوں کی کثرت کے معیار سے جانچے جاتے ہیں اگر اس معیار کو ذرا اونچا اور موجودہ مذاق کے مطابق کر دیا جائے تو ملک و قوم کی اصلاح و ترقی اس کا پیمانہ ہو جائے گا، اس سے زیادہ بلند کوئی معیار نہیں لیکن حضرت حسنؓ نے دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ پیش کیا، آپ نے نہ حکومت کی بنیاد مضبوط کی: نہ ممالک فتح کئے نہ فوج و خزانہ جمع کیا، بلکہ ان تمام چیزوں اور ایک ایسی عظیم الشان حکومت کو جس کا ایک سر اسندھ تھا اور دوسرا جبرالٹر مسلمانوں کے خون سے بچنے اور امت کی صلاح و فلاح کے لئے چھوڑ دیا، یہ وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے تاریخ پیش کر سکتی ہے حکومت کے بقا و تحفظ اور اس کی توسیع کے لئے تو دنیا کا ہر فرمانروا جنگ کرتا ہے، بلکہ قصر حکومت کی تعمیر ہی جنگ کی ہولناکی اور انسانی خون سے ہوتی ہے، اپنی قوم کے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۰۱، [2] تہذیب الکمال ص ۸۹،

چند انسانوں کے خون سے بچنے کے لئے تختِ حکومت کو چھوڑ دینا تاریخ کے نادر واقعات میں سے ہے،

ظاہری حالات سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ آپ نے فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر حکومت چھوڑی، واقعہ یہ ہے کہ آپ کے ہواخواہوں میں سے ہر شخص دست برداری کے سخت خلاف تھا، چنانچہ جس وقت آپ نے دست برداری کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حضرت حسینؓ نے عرض کیا خدارا معاویہؓ کی تصدیق کر کے والد کو قبر میں نہ جھٹلایئے آپ نے فرمایا تم خاموش رہو میں معاملات کو تم سے بہتر سمجھتا ہوں[1]،

اس چند ہزار سپاہ کے سوا جس نے کسی مخفی اثر کے تحت میں غداری کی تھی، باقی سارا عراق آپ کے ساتھ تھا، عرب کے نامور مدبر قیس بنؓ سعد انصاری آپ کے مقدمۃ الجیش کی کمان کر رہے تھے، اور آخر آخر تک امیر معاویہ کے مقابلہ سے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے، اس کے علاوہ چالیس ہزار آدمی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے[2]، بلکہ سارا عرب آپ کے ساتھ تھا اور صلح و جنگ میں آپ کے حکم کے تابع تھا[3]،

لیکن مسلمانوں کی پچھلی خونیں تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ کسی طرح بند ہونے میں نہ آتا تھا، مسلمانوں کی قوت آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو رہی تھی، ملک میں بدامنی بپا تھی، آپ نے دیکھا کہ تختِ حکومت کی قیمت میں آپ کو بھی ہزاروں مسلمانوں کی جان ادا کرنا پڑے گی، یہ سودا آپ کے لئے بہت گران تھا، آپ کے نزدیک مسلمانوں کا خون خلافت و حکومت سے زیادہ عزیز تھا، اس لئے امت کی بھلائی کیلئے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۶۱ [2] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۹، [3] مستدرک ج ۳ ص ۱۷۰

آپ نے اس عظیم الشان منصب کو چھوڑ دیا،

سب سے پہلی مرتبہ آپ نے جب اپنے عزیز خاص حضرت جعفر طیارؓ کے صاحبزادے سے دست برداری کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا سبب یہ بتایا "میں نے ایک رائے قائم کی ہے، امید ہے کہ تم بھی اس کی تائید کرو گے، ملک میں فتنہ و فساد برابر بڑھتا جاتا ہے، خون کی ندیاں بہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں، سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں، اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہو کر مدینہ چلا جانا چاہتا ہوں[1]"

ایک موقع پر جبکہ بعض لوگوں نے آپ کو خواہش خلافت سے متہم کیا تھا، آپ نے فرمایا "عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے جس سے میں صلح کرتا اس سے وہ صلح کرتے، اور جس سے میں جنگ کرتا اس سے وہ جنگ کرتے، لیکن میں نے خالصۃً للہ اور مسلمانوں کے خون سے بچنے کے لئے خلافت چھوڑ دی[2]"

جو لوگ اس دست برداری کے زیادہ خلاف تھے، وہ طرح طرح کے خطابات سے آپ کو یاد کرتے "مذل المومنین" مسلمانوں کو رسوا کرنے والے آپ کا لقب ہو گیا تھا، آپ جواب میں فرماتے "میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا، البتہ ملک کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی[3]"

امام نووی لکھتے ہیں،

"چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے، اس کے بعد معاویہ ان کے مقابلہ

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۷۰ [3] استیعاب و مستدرک تذکرہ حسن،

کے لئے اٹھے، حضرت حسنؓ بھی نکلے، جب دونون کا سامنا ہوا تو حضرت حسنؓ کو اس کا اندازہ ہوا کہ جب تک مسلمانون کی بڑی تعداد کام نہ آجاے گی، اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے، اس لئے چند شرائط پر وہ امیر معاویہ کے حق میں دستبردار ہو گئے اور رسول اللہ صلعم کی اس پیشینگوئی کی تصدیق ہو گئی کہ میرا یہ لڑکا سردار ہے، خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانون کے دو بڑے فرقون مین صلح کرائے گا[1]،

حقیقت یہ ہے کہ آپ کا شروع ہی سے جنگ کا ارادہ نہ تھا، طبری کا بیان ہے کہ آپ کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہین، بلکہ شروع سے آپنے قصد کر لیا تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو امیر معاویہ سے اپنا گذارہ مقرر کرا کے ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جائینگے[2]۔

فضل و کمال | حضرت حسنؓ حضرت علیؓ جیسے مجمع العلم کے فرزند تھے اور اسی گہوارہ علم مین آپ نے پرورش پائی تھی، اس لئے آپ کو بھی اپنے اسلاف کی علمی وراثت سے حصہ ملا تھا،

حدیث مین آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے، جن مین سے اکثر حضرت علیؓ سے ہیں، آپکے زمرۂ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام بھی ہے، فقہ مین آپ کو اتنا درک تھا، کہ مدینہ کی صاحب علم و افتا جماعت کے ایک رکن تھے[3]، خطابت میں آپ کو کوئی امتیازی کمال حاصل نہ تھا، آپ کی طبیعت کی مناسبت سے آپ کے خطبات متانت، سنجیدگی اور پند و موعظت کی کتاب ہوتے تھے جس کے بعض نمونے اوپر گذر چکے ہین، شاعری سے ذوق تھا، ابن رشیق نے کتاب العمدہ مین آپ کا ایک شعر نقل کیا ہے،

فضائل اخلاق | مکارم اخلاق میں آپ خلق رسول کا نمونہ تھے،

---

[1] تہذیب الاسماء ج ا ص ۱۵۹ [2] طبری ج ۷، ص ا، [3] اعلام الموقعین ج ا ص ۱۲،

استغنا و بے نیازی | آپ کے فضائلِ اخلاق مین استغنا و بے نیازی سرِفہرست ہے، خلافت جیسے جلیل القدر منصب سے دست بردار ہوکر استغنا اور بے نیازی کا جو بلند نمونہ آپ نے پیش کیا وہ تاریخ میں بے مثال ہے،

حلم | آپ کا دوسرا امتیازی وصف ضبط و تحمل ہے، آپ کی زبان کبھی کسی تلخ اور درشت کلمہ سے آلودہ نہ ہوئی، انتہائی غصہ کی حالت مین بھی کسی کے متعلق "رغمِ انفہ" اُس کی ناک خاک آلود ہو" سے زیادہ کچھ نہ کہتے تھے،[1]

دست برداری کے بعد مخالفین آپ کے روبرو مسلمانون کے رسوا کرنیوالے اور ننگِ مسلمین کہتے تھے، آپ صرف اس قدر جواب دیتے کہ مین نے مسلمانون کو رسوا نہین کیا، البتہ حکومت کے لئے ان کی خونریزی پسند نہ کی،

مروان برسرِ عام منبر پر حضرت علیؓ کو برا بھلا کہتا تھا حضرت حسنؓ سنکر پی جاتے تھے، اور کوئی جواب نہ دیتے تھے،[2] ایک مرتبہ دونون مین گفتگو ہو رہی تھی، مروان نے آپ کی شان مین نہایت درشت کلمات استعمال کئے، آپ سنکر خاموش ہو گئے،[3] آپ کے اس ضبط و تحمل کا مروان جیسے شخص پر بھی اتنا اثر تھا کہ آپ کی وفات کے بعد روتا تھا، حضرت حسینؓ نے اس سے فرمایا، اب روتے ہو؟ ان کی زندگی میں تم نے انکے ساتھ کیا کیا نہ کیا، مروان نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے کہا مین نے جو کچھ کیا اس سے زیادہ حلیم و بردبار کے ساتھ کیا،[4]

عبادت | خدا کی عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، امیر معاویہؓ نے ایک شخص سے آپ کے حالات دریافت کئے، اس نے آپ کے یہ معمولات بتائے " فجر کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۲۶۹ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۹ [3] ایضاً [4] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۶

تک مصلی پر رہتے ہین، پھر ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے ہین اور آنے جانے والون سے ملتے ہین، دن چڑھے چاشت پڑھ کر امہات المومنینؓ کے سلام کو جاتے ہین، اور گھر ہوتے ہوئے پھر مسجد آجاتے ہین[1]،

سواریون کے ہوتے ہوئے پاپیادہ حج کرتے تھے، متعدد حج پاپیادہ کئے فرماتے تھے کہ مجھے خدا سے حجاب معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے ملون اور اس کے گھر پیادہ نہ گیا ہون[2]

اصلاح عقائد

دین کی بنیاد عقائد کی درستی پر ہے، اسی زمانہ سے اہلبیت کی محبت کے دعویدارون نے اہلبیت کے نام سے مذہب مین خرافات داخل کرنا شروع کر دیئے تھے، جب آپ کو اس قسم کے فاسد عقائد کی اطلاع ہوتی تو آپ اس کی تردید فرماتے تھے، شیعیان علی کی ایک جماعت کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ نے عام انسانون کی طرح وفات نہین پائی ہے، اور قیامت سے پہلے ہی زندہ ہو جائین گے، حضرت حسنؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا، یہ لوگ جھوٹے ہین، ایسے لوگ ہرگز شیعہ نہین ہو سکتے، اگر ہم کو اسکا یقین ہوتا کہ علیؓ عنقریب ظاہر ہون گے تو ہم نہ ان کی میراث تقسیم کرتے اور نہ اُن کی بیویون کا عقد ثانی ہونے دیتے[3]،

فیاضی وسیر چشمی

فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کا خاندانی وصف تھا، آپ بھی اپنی دولت خدا کی راہ مین بڑی دریا دلی سے صرف کرتے تھے، عمر مین تین مرتبہ اپنے کل مال کا آدھا آدھا خدا کی راہ مین تقسیم کر دیا اور اس تنصیف مین اتنے مبالغہ سے کام لیا کہ دو جوتون میں سے ایک جوتا بھی دیدیا[4]،

آپ کے دوست و دشمن دونون آپ کی فیاضی سے یکسان متمتع ہوتے تھے

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۰۹ [2] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۸ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ علی بن حسینؓ [4] اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۳

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے ایک دشمن کے پاس زادِ راہ اور سواری نہ تھی، اس نے اہلِ مدینہ سے سوال کیا، لوگون نے حضرت حسنؓ کا پتہ دیا، وہ آپ کی خدمت مین حاضر ہوا، آپ نے دونون چیزون کا انتظام کر دیا، بعض لوگون نے اعتراض کیا کہ آپ اپنے اور اپنے والد کے دشمن کے ساتھ سلوک کرتے ہین؟ فرمایا کیا ان سے اپنی آبرو نہ بچاؤن[1]، اس قبیل کے بہت سے واقعات تاریخون مین ہین،

اہلِ حاجت کی حاجت برآری حاجتمندون کی ضرورت پوری کرنے کو نفل عبادت پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ اعتکاف مین تھے، ایک حاجتمند آپ کے پاس آیا، آپ نے اعتکاف کے دائرہ سے نکل کر اس کی ضرورت پوری کر دی، اور فرمایا، میرے نزدیک کسی بھائی کی حاجت پوری کرنا، ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے[2]،

---

[1] ابن عساکر ج ۴ ص ۲۱۲ [2] ایضاً،

دارالمصنفین کی تاریخی کتابین

تاریخ اخلاق اسلامی، اس مین اسلامی اخلاقی تاریخ قرآن اور احادیث کی اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتون سے نقد و تبصرہ ہے، ضخامت ۲۷۶ صفحے قیمت

صقلیہ جلد اول، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدار اسلامی حکومت کا قیام، عہد بہ عہد کے دوروں کا عروج اور مسلمانون کے مصائب و جلا وطنی کا مرقع دکھایا ہے، قیمت: للعہ ضخامت ۴۶۵ صفحے

صقلیہ جلد دوم - یہ مسلمانانِ صقلیہ کے تمدنی معاشرتی اقتصادی، معاشی، تعلیمی حالات کا مرقع ہے، اس میں صقلیہ کے مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، متکلمین، ادبا، شعرا، کا مفصل تذکرہ اور ان کی تصنیفات اور کلام کا ذکر ہے، قیمت: للعہ ضخامت ۵۰۰ صفحے،

ہماری بادشاہی، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے جو گذشتہ صدیوں مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصوں میں قائم کین، قیمت: عہ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

مقدمہ عالمگیر، اس میں عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود اس کے خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کیگئی ہے، قیمت: للعہ ضخامت ۲۹۷ صفحے

رقعات عالمگیر، اس میں عالمگیر کے زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک کے تمام خطوط و رقعات جمع کئے گئے ہیں، جس سے اس وقت کی سیاست و تاریخ کے بیسون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے،

قیمت: ے ضخامت ۴۸۷ صفحے،

مختصر تاریخ ہند، اس میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں اور بادشاہون نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں، ان کا تذکرہ ہے، قیمت: عہ ضخامت ۲۰۰ صفحے،

ہندوستان کی کہانی، یہ ہندوستان کی مختصر تاریخ ہے، جو سادہ اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے، قیمت ۱۲ر ضخامت ۷۶ صفحے

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین مولوی ابوالحسنات مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق سے ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہوں پر ایک مقالہ لکھا تھا، وہی مقالہ اب کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے، قیمت: ۱۲ر ۱۳۴ صفحے

مسعود علی ندوی، منیجر دارالمصنفین اعظم گڈہ

(طابع و ناشر محمد اویس وارثی)